مواعظِ ثلٰثہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

راحت القلوب

ملتِ ابراہیم

طریق القلندر
مع رسالہ
قصد السبیل



کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

سلسلہ

اَلذِّکْرٰیؔ

کا وعظ مسمّٰی بہ

راحت القلوب

ملقب بہ

ہدیۂ مرغوب

منجملہ ارشادات حکیم الاُمّۃ مجدّد الملّۃ حضرت مولٰنا
شاہ محمّد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲ کراچی پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱۸۲

راحت القلوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ خاکبوس آستانہ اشرفی احقر عزیز الحسن غفرلہ عرض کرتا ہے کہ اگرچہ مجھے بوجہ علم نہ ہونے کے وعظ قلمبند کرنے کی قابلیت نہیں ہے لیکن چونکہ ایک وعظ روح الارواح کے قلمبند کرنے کا اتفاق بوجہ اس وقت نہ ہونے کسی دوسرے ضابطہ کے مجھ کو ہوا تھا (جو میرا سب سے پہلا قلمبند کیا ہوا وعظ ہے اور جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے) اور اس کی حضرت اقدس نے خلاف توقع تحسین فرمائی تھی اس لئے ہمت ہوئی کہ یہ وعظ مسمیٰ **راحت القلوب** جو اپنی نوعیت میں نہایت اعلیٰ درجہ کا وعظ اور بھی ہدیۂ ناظرین کروں یہ عرصہ سے میرے پاس قلمبند کیا ہوا رکھا تھا لیکن اس کے صاف کرنے کی نوبت نہ آئی تھی حسن اتفاق سے آج کل عشرۂ اخیرہ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ میں بحالت اعتکاف اس کے صاف کرنے کا موقع ملا اور عید سے ایک دن پہلے مکمل ہو گیا۔ جی چاہا کہ فوراً حضرت والا کی خدمت میں نظر اصلاحی کی غرض سے روانہ کر دیا جاوے تاکہ اگلے دن پہنچ کر ہدیۂ عید ہو اسی مناسبت سے راحت القلوب کا ہم قافیہ لقب ہدیۂ مرغوب اس لئے تجویز کیا گیا۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کے لئے بھی یہ ہدیہ مرغوب ہی ثابت ہوگا اس لقب میں یہ بھی رعایت ہے کہ احقر کا تاریخی نام مرغوب احمد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مقبول اور نافع فرماویں۔

حسن اتفاق سے پہلے وعظ کا نام روح الارواح تھا۔ اور اسکا نام راحت القلوب

ہے۔ ان دونوں میں جو مناسبت ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ارواح اور قلوب کے لئے روح و ریحان بنادے۔ آمین

احقر کے پاس چند اور بھی مواعظ نہایت اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے قلمبند کئے ہوئے بصورت مسودہ رکھے ہوئے ناظرین سے دُعا کی درخواست ہے اور بالخصوص حضرت اقدس سے کہ حق تعالیٰ جلد اُن بقیہ کو بھی بحسن وخوبی اتمام کو پہنچا دیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

احقر زمن

عزیز الحسن ڈپٹی انسپکٹر مدارس اسلامیہ قسمت میرٹھ

تاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۱۸ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الوعظ المسمّٰی بہ

راحت القلوب

ملقب بہ

ہدیہ مرغوب

یوم جمعہ بتاریخ ۲۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ بمقام جامع مسجد قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

یہ ایک جملہ ہے جو ایک آیت کا جزو ہے اس میں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک بڑی ضرورت کی چیز بتلائی ہے وہ ایسی ضرورت کی چیز ہے کہ فقط دین ہی کی ضرورت کی چیز نہیں بلکہ دنیوی ضرورت کی بھی چیز ہے۔ مجھ کو اس حیثیت سے کہ

میں یہاں احکامِ الٰہی پہنچانے کے لئے حاضر ہوں دنیوی ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر کیا کیا جاوے ہمارے بھائیوں کا مذاق ہی کچھ ایسا ہوگیا ہے کہ جب تک ان کو دین کے ساتھ دُنیا کی چاٹ نہ دی جاوے دین کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے چنانچہ خالص دین کی طلب کو اکثر نظر تحقیر و انکار سے دیکھتے ہیں اور اگر کوئی بیچارہ مولوی محض آخرت کی طرف بُلاتا ہے تو اس کو بیوقوف بنایا جاتا ہے اور اعتراض کرتے ہیں کہ بس مولویوں کو تو آخرت ہی آخرت یاد رہ گئی ہے اور دوسری قومیں دُنیا میں کیا کیا ترقی کر رہی ہیں اور مُسلمان ہیں کہ روز بروز گرتے ہی چلے جارہے ہیں لیکن ان مولویوں کو اس سے کچھ بحث نہیں انہوں نے تو بس ایک آخرت ہی یاد کرلی ہے یہ تو خوش عقیدوں کا حال ہے ورنہ بہت سی جماعتیں مسلمانوں میں اب ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہوچلی ہیں جو صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں آخرت ہی میں شک ہے اور پھر بھی اپنے کو مُسلمان کہتے ہیں معلوم نہیں اِسلام کیا چیز ہے کہ کُفر بھی اس کی ایک فرد ہے خیر اُن کا تو ذکر ہی نہیں کیونکہ عام لوگ بھی انہیں مُسلمان نہیں سمجھتے لیکن ان کی بھی جو آخرت کے قائل ہیں یہ حالت ہے کہ آخرت اور امُور آخرت کو گو اعتقاد کے درجہ میں خفیف نہیں سمجھتے لیکن معاملہ کے درجہ میں ضرور خفیف سمجھتے ہیں یعنی جو وقعت اور اہتمام دنیا کا ہے آخرت کا نہیں اِس قدر تو کیا معنی اس کا دسواں حِصّہ بھی نہیں پھر غضب یہ ہے کہ اس عدم اہتمام کا کچھ غم بھی نہیں اگر اس حالت پر تاسف ہی ہوتا اپنی کوتاہی کا احساس ہی ہوتا اس کی تمنّا ہوتی کہ کوئی ایسی صُورت ہو کہ طلب آخرت پیدا ہوجاوے تو خیر غنیمت تھا کبھی اہتمام کی بھی نوبت آجاتی لیکن افسوس تو یہ ہے کہ آخرت سے بھی بیفکری اور اس کے فکر سے بھی بیفکری۔ اس پر بھی افسوس نہیں کہ ہم کو اس کی فکر نہیں کہ ہم کو چنانچہ آخرت کی تعلیم پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور اس کی ذرا وقعت

نہیں ہوتی کہتے ہیں کہ مولویوں نے تو آخرت ہی آخرت یاد کرلی ہے بچّوں کو آخرت کی تعلیم دینے کے وہ یہ معنی سمجھتے ہیں کہ وہ بچّہ دنیا سے بالکل ہی بیکار ہوجاوے گا یہ ایک بڑی کمی ہوگئی ہے۔ ہم میں کہ آخرت کے متعلق یہ خیال جم گیا ہے کہ اس میں لگ کر آدمی دُنیا سے بالکل بیکار ہوجاتا ہے بخلاف دُنیا کے کہ اس کی طلب میں دن رات منہمک ہیں اور اس مشغولی میں دین سے جو کچھ غفلت ہے ظاہر ہے لیکن وہاں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس میں پھنس کر آدمی دین سے بالکل بیکار ہوجاتا ہے غرض دنیا کو ہم لوگوں نے ایسا قبلہ توجّہ بنا رکھا ہے کہ مصلح کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ جب آخرت کی ترغیب دی جاوے تو اس میں دُنیا کا بھی نفع تبلایا جاوے اور جب اعمال کے فضائل بیان کئے جاویں تو ان میں دُنیاوی منافع بھی دکھلائے جاویں، کہ شاید اسی لالچ میں آخرت کی طرف توجّہ ہوجاوے جیسے بچّے کہ انہیں پہلے پہلے جب گلستان بوستان پڑھاتے ہیں انکو چاٹ مٹھائی کی دی جاتی ہے۔ شروع میں سبق پڑھتے ہیں مٹھائی کے لالچ میں لیکن جب پڑھتے پڑھتے ایک ذوق علم کا پیدا ہوجاوے گا تب وہی کہیں گے کہ ہمارے کپڑے اُتار لو تم ہمیں سے مٹھائی لے لو لیکن سبق پڑھا دو ایک وہ دن تھا کہ مٹھائی کے لالچ سے پڑھتا تھا آج وہ نوبت ہے کہ جب کتاب کا سبق ہوتا ہے تو نہایت شوق سے پہنچتا ہے اور اُستاد سے منتیں کرتا ہے کہ بِلّٰہ میری طرف توجہ کیجئے کہیں راضی کرنے کے لئے مٹھائی پیش کرتا ہے کہیں طرح طرح کی خدمتیں کرتا ہے کبھی استاد اس پر ناخوش بھی ہوتا ہے لیکن ذرا ناگوار نہیں ہوتا بلکہ جس قدر اپنے معلم کو دیکھے کہ مارتا ہے جھنجلاتا ہے خوش ہوتا ہے کہ معلُوم ہوتا ہے بہت توجہ ہے وہ اس کی علامت توجہ کی قرار دے کر اور الٹی مٹھائی پیش کرتا ہے۔ دیکھئے یہ وہی بچّہ ہے کہ جو مٹھائی لے لے کر بمشکل پڑھتا تھا۔ آج وہ دن ہے کہ خود مٹھائی دے کر پڑھ رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ اب ذوق

علم کاچسکا لگ گیا ہے۔ اب اپنے بچپن کی حکایت یاد آئی۔ میرٹھ کا ذکر ہے والد صاحب نے میرے اُستاد کو جن سے میں قرآن شریف یاد کرتا تھا علیحدہ کرنا چاہا ہمیں حفظ کا شوق ہوگیا تھا نہایت شاق گذرا۔ بس شور واویلا کرنا شروع کر دیا ہر چند والد صاحب نے سمجھایا کہ دوسرے حافظ جی بُلا دیں گے ڈانٹا بھی لیکن ایک نہ سُنی کہ میں تو اُنہیں سے پڑھوں گا آخر عاجز ہوکر چلے گئے کہنے لگے کہ خدا جانے لونڈے کو کیا کھلا دیا ہے کہ مسخر ہی ہوگیا غرض مغلوب ہوکر ہار کر چلے گئے حالانکہ وہ حافظ جی ایسے خفا ہوتے تھے کہ اس زمانہ میں جبکہ مولویت کا نام بھی ہوگیا تھا اور سچ پوچھ کی مولویت تو اب بھی نصیب نہیں ہوئی۔ مَیں ایک دفعہ میرٹھ گیا تھا اور ان کو دور میں کلام مجید سُنا رہا تھا متشابہ لگا۔ حافظ جی کو جوش آگیا بس اُٹھ کر ایک زُور سے دھپ دیا منہ پر۔ الحمد للہ ذرا ناگوار نہیں ہُوا۔ نیچی نگاہ کئے چُپ بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد حافظ جی ہاتھ جوڑ کر سامنے بیٹھ گئے کہ للہ معاف کردو مَیں نے سخت بے ادبی کی تم مولوی ہو۔ مَیں نے کہا حضرت یہ کیا آپ فرماتے ہیں یہ جو کچھ حاصل ہُوا ہے سب آپ ہی کا طفیل ہے آپ کو ساری عمر مارنے کا حق ہوگا واقعی مجھے مطلق ناگوار نہیں گذرا۔ لیکن حافظ جی بیچارے ایسے شرمندہ تھے کہ نگاہ نہیں اُٹھتی تھی۔ مَیں نے بہت کچھ عرض و معروض کیا مگر نہیں مانے مُعاف ہی کرا کر چھوڑا۔ تو جناب میں نے اس پٹنے پر ایسا فخر کیا کہ آج اپنی اس ذلّت کو سب کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ محض یہی بات تھی کہ جس چیز کے سبب یہ سب کچھ ہُوا اس کا شوق تھا اگر اس سے زیادہ بھی کر لیتے سب گوارا ہوتا۔ ہندی مثل بھی تو ہے کہ دودھ دیتی گائے کی لات بھی اچھی معلوم ہوتی ہے حضرت عطار اسی کو فرماتے ہیں ؎

گرم گوید سرد گوید خوش بگیر

جس شخص کو کسی ایسی چیز کی طلب ہو جس کو وہ ضروری سمجھتا ہو اس کو اس کے حاصل کرنے کے لئے سب ہی کچھ گوارا ہوگا۔ بچّوں کے ساتھ یہ گھیر گھار تو جبھی تک ہے جب تک انہیں سمجھ نہیں جب اپنا نفع نقصان سمجھنے لگے تو پھر خود پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اس کے قبل تو کچھ لالچ ہی دینے سے رستہ پر آسکتا ہے۔ جب فہم درست ہوگئی تو پھر ضرورت ہی کیا ہے لالچ دینے کی پھر ضابطہ کا برتاؤ ہوتا ہے پھر ہم کیوں خوشامد کریں اور کیوں ان کے پیچھے پیچھے پھریں انہیں کی غرض ہے وہی ہماری خوشامد کریں چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں تعلیم کے اندر تدریج کا بہت اہتمام فرمایا ہے اوّل میں مضامین اور طرح کے ہیں یعنی احکام بہت ہی کم بس تھوڑے تھوڑے اور کہیں کہیں ہیں شروع میں زیادہ تر عقیدوں کی درستی کی گئی ہے پھر آہستہ آہستہ جس قدر سہار ہوتی گئی احکام نازل ہوتے گئے۔ جیسے اوّل بچّہ کو دودھ دیتے ہیں پھر کچھ دن بعد جب معدہ میں قوّت آچلی تو کچھ روز روٹی چور کر کھلائی اتنے میں دانت نکل آئے اور کچھ چلنے لگا اب ایک آدھ ریشہ بوٹی کا بھی دینا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ خوب گوشت روٹی پلاؤ زردے سب ہی کچھ کھانے لگا پھر تو ماشاءاللہ یہ حالت ہوگئی کہ جو کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی کھا لیا بس بیٹھے بیٹھے سب ہضم اگر اوّل ہی بچّہ کو حلوا اور گوشت روٹی کھلا دی جائے تو بجز اس کے اس غریب کی امعاء پھٹ جائیں اور کیا ہوگا اسی طرح حق تعالیٰ نے تعلیم میں نہایت تدریج اختیار فرمائی ہے جیسا مذاق مکلف کا دیکھا ویسی ہی اس کو ترغیب دی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جا بجا جہاں ثمرات آخرت کا ذکر فرمایا ہے وہاں طاعات پر جو دنیوی ثمرات مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرَاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ الآیہ یعنی اگر یہ لوگ

احکام کا پورا اتباع کرتے تو ان کو اُوپر سے بھی کھانے کو ملتا اور نیچے سے بھی کھانے کو ملتا یعنی اُوپر سے بارش نیچے سے پیداوار تو دیکھئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کھانے پینے کے لئے نہیں ہے۔ کھانا تو کافروں کو بھی ملتا ہے بلکہ بہائم کو بھی اور وہ بھی کسی قدر بلا مشقت مگر پھر بھی کیوں ذکر فرمایا اسی واسطے کہ خیر کوئی کھانے پینے کا لالچی اسی طرح آجاوے اس طرف۔ دیکھئے ارشاد خداوندی سے معلوم ہوا اعمال آخرت کے اندر دُنیاوی منافع بھی ہیں۔ اسی طرح معاصی کے اندر دُنیا کی مضرت بھی ہوتی ہے۔ جیساکہ حدیث میں وارد ہے اِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِيئَةٍ يَعْمَلُهَا دیکھئے بسبب گناہ کے رزق کا گھاٹا بھی ہو جاتا ہے اس سے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں اس کی تفصیل بقدر ضرورت میرے رسالہ جزاء الاعمال میں ملے گی اس میں یہ دکھلا دیا گیا ہے کہ طاعات میں دُنیا کے کیا کیا نفع ہیں اور معاصی میں دُنیا کی کیا کیا مضرت ہے اس کے لکھنے سے میری یہی غرض تھی کہ لوگ دُنیا ہی کے نفع نقصان کو سوچ کر دین کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

اسی طور پر حق تعالیٰ نے یہاں بھی ایک چیز بتلائی ہے جو دُنیا کے نفع کی بھی ہے اور دین کے نفع کی بھی۔ ظاہر بات ہے کہ جو دین اور دُنیا دونوں کے نفع کی ہو وہ بڑی ہی ضرورت اور کام کی چیز ہو گی فرماتے ہیں۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ یاد رکھو سمجھ رکھو (یہ مدلول ہے کلمہ الا کا) حصر کے ساتھ فرماتے ہیں (یہ مدلول ہے تقدیم معمول کا) کہ خدا ہی کی یاد کے ساتھ دلوں کو چین ملتا ہے۔ فقط ایک چیز ہے جس سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ تمام عالم میں چراغ لے کر ڈھونڈھ آؤ کوئی دوسری چیز نہ ملے گی کیونکہ ظاہر حصر سے حقیقی ہی ہے (اس کے بعد حصر حقیقی اور حصر اضافی کی نفیس بحث تھی) اور اصل حصر میں حقیقی ہی ہوتا ہے بلا ضرورت دلیل اضافی مراد نہیں لیا جاتا اور یہاں

حصر کے اضافی ہونے کی کوئی دلیل ہے نہیں نیز اور کسی چیز کا موجب اطمینان بھی ثابت نہیں جیساکہ عنقریب واضح ہو جاوے گا جب مشاہدہ ہے حصر کے حقیقی ہونے کا پھر اضافی کیوں کر ہوا۔ غرض یہاں کوئی دلیل نہیں کہ عدول کیا جاوے حصر کے حقیقی ہونے سے جب کوئی دلیل نہیں اور مُشاہدہ بھی اس کا موید تو اس کو حقیقی ہی کہا جاوے گا لہٰذا خدا کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ سوائے اس کے یاد کے چین کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ قرار اور سکون اگر ملتا ہے تو خدا ہی کی یاد سے۔ اس کے بیان فرمانے میں بہت اہتمام فرمایا ہے چنانچہ اَلَا سے کلام شروع کیا یعنی دیکھو ہوشیار ہو کر سُن لو اور سمجھ لو یاد کر رکھو خدا ہی کی یاد ایک ایسی چیز ہے جس سے قلوب کو چین ملتا ہے دُنیا بھر میں کوئی اور ایسی چیز نہیں جو قلب کو راحت پہنچا سکے۔ واقعی بہت بڑا دعویٰ ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس میں قلوب کا چین منحصر ہے۔ اس ترجمہ سے مقصود آج کے بیان کا معلوم ہو گیا ہو گا۔ غرض حصر کے ساتھ فرماتے ہیں۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کہ سوائے یادِ خُدا کے کسی چیز میں قلُوب کا چین نہیں۔ اور ہر چند کہ ترجمہ سے تو مقصُود ترغیب ہی ہے ذکر کی لیکن قرینہ مقام سے خود ترغیب سے مقصُود اس کا امر کرنا اور اس کا فرض ہی بتلانا ہے اس بناء پر اس کے متعلق میرے ذمہ دو باتیں ثابت کرنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر اللہ ضروری چیز ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے سوائے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس میں قلُوب کو چین حاصل ہو سکے اوّل جُزو ضروری ہوتا ہے سو ضرورت اس کی بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس میں دُنیا کا بھی نفع ہے اور دین کا بھی نفع ہے پھر اس سے زیادہ کیا ضرورت کی چیز ہو گی ذرا توجہ کرے تو ہر شخص اس کی ضرورت کو سمجھ سکتا ہے کیونکہ جو چیز دُنیا اور آخرت دونوں کے کام کی ہو ظاہر ہے کہ وہ بہت ہی ضرورت کی چیز ہے خیر آخرت کو

ابھی رہنے دیجئے دُنیا ہی کے نفع کو دیکھئے اسی سے شاہد آخرت کی رغبت ہو جاوے حالانکہ آخرت اور دُنیا میں مُسلمان کو ایسا علاقہ رکھنا چاہیئے تھا کہ اگر کسی چیز میں دُنیا کا نفع بتلایا جاتا تو جب تک آخرت کا نفع نہ معلوم ہو جاتا مُسلمان اس کی طرف رُخ بھی نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اگر دُنیا کے نفع کی چیز کی طالب حق کو رغبت دلائی جاتی تو وہ یہ سوال کرتا کہ اس میں کچھ دین کا بھی فائدہ ہے اور اگر دین کا فائدہ کچھ نہ بتلایا جاتا تو وہ یہ کہتا کہ جب دین کا نفع نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں اور اس طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اِسی طرح اگر کسی کام میں یہ کہا جاتا کہ اس میں دین کا تو فائدہ ہے لیکن دُنیا کا نفع کچھ بھی نہیں تو طالب حق کی یہ شان تھی کہ فوراً اس کی زبان سے نکلتا کہ خیر بھائی دین کا فائدہ چاہیئے دنیا کا نفع نہیں ہے نہ سہی اور بے تامل اس کام کو کر لیتا۔ اب معاملہ بالکل برعکس ہو رہا ہے یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ آج اگر ہم آخرت کی تعلیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اعمال آخرت کی ترغیب دیتے ہیں تو ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیوں صاحب کچھ دنیا کا بھی نفع ہوگا۔ اب اس کے جواب کی فکر ہوتی ہے واللہ مجھے تو بہت ہی شرم آتی ہے کہ اعمال آخرت میں دنیاوی منافع بیان کروں لیکن کیا کروں مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔ ہمارے ایک عزیز تھے سب انسپکٹر نہ نماز نہ روزہ۔ ان کی بیوی بیچاری بڑی نیک بخت اور نمازی تھی۔ اس نے جو اپنے میاں سے نماز پڑھنے کے لئے کہا تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ تو اتنے دن سے نماز پڑھتی ہے تجھے کیا وصول ہوا جو مجھی کو وصول ہوگا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وہ وصول ہونا اسے سمجھتے تھے جیسا کہ ایک صاحب کو وصول ہوتا تھا۔ کوئی عہدہ دار تھے بڑے وظیفی ایک بزرگ سے بیعت تھے ان کے یہاں بالائی آمدنی کا خوب بازار گرم رہتا تھا جس کا مُبارک نام رشوت ہے

بالائی آمدنی دست غیب اس کے آداب و القاب ہیں۔ دست غیب تو کیا ہوتا دست غیب کے لئے طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک گویا ما بین الطلوعین اس کا وقت مقرر تھا صبح کی نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھ کر اِدھر انہوں نے وظیفہ شروع کیا اُدھر روپیوں کا مینہہ برسنا شروع ہوگیا موٹے موٹے دانوں کی تسبیح کھٹ کھٹ کر رہے ہیں اور خادم لوگوں کو لالا کر پیش کر رہا ہے اشاروں سے سب مُعاملات طے ہوتے ہیں کیونکہ اگر بول پڑیں تو وظیفہ نہ خراب ہو جاوے رشوت سے تو وظیفہ نہ بگڑا اور بولنے سے بگڑتا ہے انگلیوں کے اشاروں سے بتلاتے تھے کہ دو سو یا تین سو یا کس قدر مگر بولتے نہیں تھے کیونکہ اگر بول اُٹھیں تو وظیفہ نہ بگڑ جائے۔ بعضوں کا تقویٰ کلابی ہوتا ہے۔ یعنی کُتّے کا سا تقویٰ کہ منہ کو نجاست سے بچاتا نہیں مگر پیشاب جب کرے گا تو ٹانگ اٹھا کر کہ کہیں چھینٹیں نہ پڑ جاویں بیچارہ بہت ہی محتاط اور متقی ہے ٹانگ کی اتنی حفاظت کہ پیشاب کی چھینٹیں نہ پڑنے پاویں اور منہ سے گوہ کھاتا ہے تو بعضوں کے تقویٰ کی یہی حالت ہوتی ہے چنانچہ ان صاحب کا بھی ایسا ہی تقویٰ تھا کہ رشوت سے تو وظیفہ نہ بگڑتا تھا لیکن بولنے سے بگڑتا تھا اس لئے اشاروں سے معاملے طے کئے جاتے تھے اہل مقدمہ آیا سلام کیا کہا حاضر لایا ہوں زبان سے بول نہیں سکتے مصلے اٹھا دیا کہ نیچے رکھ دو۔ پچاس ساٹھ جیسی قسمت ہوئی۔ یہ تھی نماز بار آور وہ سب انسپکٹر بھی ایسی ہی نماز چاہتے تھے بیوی سے پوچھتے ہیں کہ تمہاری بھی ایسی ہی نماز ہے یا خالی خولی ٹکریں ہی ہیں۔ ایسی نماز سے سوائے اس کے گھر بار کے کاروبار کا حرج ہو اور کیا حاصل ہوا۔ یہی ہمارے بھائیوں کا حال ہے کہ جب دین کی رغبت دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ دُنیا بھی ملے گی۔ میں دُنیا کی تحصیل سے منع نہیں کرتا لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ مقصود اصلی کیا چیز ہے کیوں

صاحب میں کہتا ہوں ہر شے اپنے مرتبہ پر ہونی چاہیئے یہ مسئلہ تمام عقلاء کا مسلمہ ہے۔ جب یہ ہے تو دُنیا اور آخرت میں بھی فرق مراتب ضروری ہے دونوں کو اپنے مرتبہ پر رکھو۔ دیکھئے ایک چیز تو ایسی ہو جو صرف دس دن کام آوے اور دوسری چیز ایسی ہو جس کی عمر بھر ضرورت پڑے تو کیا دونوں کو ایک ہی مرتبہ پر رکھو گے ہرگز نہیں ایک تو مستقل رہنے کا مکان ہوتا ہے اور ایک سرائے ہوتی ہے کیا دونوں کے ساتھ ایک ہی سا معاملہ ہوتا ہے۔ مظفر نگر میں مقدمہ ہے یا کچھ اور کام ہے تو سرائے میں تین چار دن کے لئے قیام کرتے ہیں اگر وہاں کی چارپائی کی پٹی ٹوٹی ہو تو پٹی تو بنوائیں گے لیکن یہ نہ دیکھیں گے کہ سال ہی کی ہو اور رندا بھی کی ہو اور چارپائی کا بان بھی باریک ہو اس کی بناوٹ میں پھول بھی پڑے ہوئے ہوں بہت سے بہت یہ ہو گا کہ ضرورت سے گذر کر آسائش پر بھی نظر کر لیں گے کہ ذرا کسی ہوئی ہو قبر سی نہ ہو غرض ضرورت پر نظر ہو گی زینت پر نہ ہو گی کیونکہ تین دن کا گھر ہے۔ ایک اپنا وطن ہے۔ وہاں مکان بناتے ہیں تو اس میں چالیس پچاس ہزار روپیہ صرف کرتے ہیں۔ نہایت عالیشان عمارت ہوتی ہے اُس میں زینت بھی تجمل بھی سبھی کچھ ہوتا ہے اگر کوئی مظفر نگر کی سرائے میں اپنے وطن کے مکان کا سارا ساز و ساماں لا کر لگا دے اور سرائے کو سجا دے تو کیا نتیجہ ہو گا اگلے دن سرائے کا نوکر اس کو نکال باہر کرے گا اور تمام جہان اس کو احمق کہے گا کہ دیکھو اپنے اصلی گھر کے سامان کو چند روز سرائے کی نذر کر دیا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارا اصلی گھر کون سا ہے ظاہر ہے کہ آخرت ہی ہمارا اصلی گھر ہے۔ اگر آخرت پر عقیدہ نہ ہو تب بھی موت کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے بعض فرقوں نے خُدا کا بھی انکار کیا لیکن موت کا سب کو قائل ہونا پڑا اور وہ بھی اختیار میں نہیں کسی کو خبر نہیں کہ کب موت آ جا دے اور

طوعاً و کرہاً دُنیا کو چھوڑنا پڑے موت ایسی زبردست چیز ہے کہ اس کا سب کو قائل ہونا پڑا ہے اور بالخصوص مُسلمان کہ وہ تو موت کے بعد آخرت کی زندگی کے بھی قائل ہیں جو یقینی پیش آنے والی ہے اور زندگی طویل بھی اتنی ہے کہ جس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔ بس وہیں کی زندگی اصل زندگی ہے اور وہی ہمارا اصلی گھر ہے اس کا سامان ہمارے اعمال ہمارا دین ہماری طاعات ہیں ان کو ہم عارضی گھر یعنی دُنیا جو وہاں کے مقابلہ میں سرائے سے بھی بدرجہا کم ہے اس کے نذر کر رہے ہیں اور ہم نے جو کم کہا وہ اِس لئے کہ فرض کیجئے اگر گھر پر پچاس برس عمر ہوئی تو سرائے کے چار دن کو پچاس برس کے ساتھ کچھ تو نسبت ہے لاکھواں کروڑواں کوئی حصہ ہو آخر دونوں متناہی ہیں۔ برخلاف اس کے دُنیا اور آخرت میں وہ بھی تو نسبت نہیں۔ بہت سے بہت دُنیا کی عمر سو برس۔ آخرت کی ہزار کروڑ سنکھ مہا سنکھ۔ جتنا بھی گن سکیں گے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وہاں کی عمر۔ بس اتنی بڑی عُمر جس گھر میں گذارنی ہے اُس کے سامان کو اس چند روزہ سرائے دنیا پر نثار کر رہے ہیں۔ اسی طرح سے کہ اگر کسی نے مکان تعمیر کرایا تو حلال حرام کی مطلق پروا نہ کی۔ ایمان بھی گھر میں لگا دیا دین بھی سامان بہم پہنچانے میں صرف کر دیا۔ نماز بھی اس کی نذر کر دی غرض بالکل ایسی مثال ہے کہ گھر کی ساری ریاست مظفر نگر کی سرائے میں لگا دیا۔ دوسرے تیسرے دن سرائے کے بھٹیارہ نے کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔ اور پھر اپنے کو سمجھتے ہیں کہ بڑے عاقل ہیں اتنا بڑا مکان بنوا ڈالا اور اگر کوئی مولوی اس کی بُرائیاں بیان کرتا ہے تو اُس کا نام زاہد خشک رکھا جاتا ہے اور ایسے مولویوں کو نئے نمازی۔ ابدیوں کی پلٹن۔ نکمّے۔ اپاہج۔ ضرورت زمانہ سے ناواقف۔ بیوقوف۔ بے تہذیب۔ نہ معلوم کیا کیا لقب دیئے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ کسی کام کے نہیں۔ ایک

صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ مسلمانوں نے پانی سے صرف یہی کام لیا کہ وضو کر لیا غسل طہارت کر لی۔ نہ بھاپ نکال کر مشینیں چلائیں نہ انجن ایجاد کئے اُن سے خدا تعالیٰ کے یہاں باز پُرس ہوگی۔ تو صاحب خدا تعالیٰ اس پر بھی مواخذہ کریں گے کہ کلیں کیوں نہیں جاری کی تھیں تو جنہوں نے سائنس سے کام لیا انہوں نے خدا کی مرضی کو سمجھا مُسلمانوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ خدا کی پناہ نعوذ باللہ یہاں تک مذاق بگڑ گیا ہے کہ دُنیا ہی کی ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اعمال آخرت میں یہ پوچھتے ہیں کہ دُنیا کا بھی نفع ہے یا نہیں جیسے میں نے ابھی سب انسپکٹر کی حکایت بیان کی۔ کتنی کایا پلٹ ہو گئی ہے حالانکہ مُسلمان کی یہ شان ہونی چاہیئے تھی کہ اگر اُس کو کسی چیز میں دُنیا کے نفع کی ترغیب دی جاتی کہ بھائی اس میں دُنیا کا یہ نفع ہے فلانی غذا یا فلانی دوا بڑی طاقت بخش ہوتی ہے تو وہ فوراً سوال کرتا کہ طاقت حاصل کر کے مجھے کیا کرنا ہے یہ بتلاؤ کہ کچھ دین کا بھی بھلا ہوگا اور جب اس کو یہ بتلا دیا جاتا کہ طاقت حاصل ہوگی تو عبادت کی قوت ہوگی پہلے سے زیادہ عبادت ہو سکے گی تب راضی ہوتا کہ اگر یہ بات ہے تو لاؤ کھا لوں گا۔ آج یہ سوال ہوتا ہے کہ نماز روزہ کرنے میں کچھ ٹکے بھی ملیں گے۔ چنانچہ دُنیا حاصل ہونے کے وظیفے اگر بتلائے جاتے ہیں تو نہایت شوق سے کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں یہ اُمید ہے کہ ٹکے بھی ملیں گے مجھ سے تو اگر کوئی بے نمازی دُنیا کا وظیفہ پوچھتا ہے تو میں ایسا وظیفہ تجویز کر دیتا ہوں جس میں پانچوں نمازوں کے پڑھنے کی قید ہو تاکہ اسی بہانہ سے نماز کی پابندی نصیب ہو جاوے اور دُنیا ہی کے طفیل آخرت کی طرف توجہ ہو جاوے۔ اِسی طرح یہاں بھی ایسی چیز حق تعالیٰ نے بتلائی ہے جس میں دین اور دُنیا دونوں کا نفع ہے وہ چیز ذکر اللہ ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا

اس کی ضرورت ہے یا نہیں دین کی حیثیت سے اس کا ضروری ہونا تو ظاہر ہے دیکھنا یہ ہے کہ دُنیا کے اعتبار سے بھی ضروری ہے یا نہیں دوسری بات یہ دیکھنی ہے کہ یہ ضرورت کسی اور چیز سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یا نہیں اس کا ضروری ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا طالب ہے اور غور کر کے دیکھا جاوے تو سب لوگ اپنی طلب میں صورۃً مختلف ہیں معنیً مختلف نہیں دیکھئے ایک شخص اولاد کا طالب ہے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح میں صاحب اولاد ہو جاؤں دوسرا کسی بڑے عہدے کا طالب ہے وہ اس دھن میں ہے کہ کسی صورت سے میں ڈپٹی کلکٹر ہو جاؤں یا جج ہو جاؤں تیسرا ترقی کا طالب ہے وہ اس فکر میں ہے کہ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ دو چار گاؤں ہاتھ آ جاویں اور رئیس اعظم ہو جاؤں ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس مکان بڑا عالیشان ہو جاوے۔ ایک شخص ہے کہ وہ رات دن اسی کوشش میں ہے کہ میری حکام میں وُقعت ہو جاوے۔ آنریری مجسٹریٹ ہو جاؤں درباروں میں کُرسی ملنے لگے۔ غرض دُنیا ہی کے مقاصد کو دیکھ لیجئے کہ ان میں کس قدر اختلاف ہے کوئی کسی چیز کا طالب ہے کوئی کسی چیز کا اور ہر شخص دوسرے کے مقصد کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ یہ بھی کوئی طلب کرنے کی چیز ہے تو بظاہر یُوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص ایک جُدا چیز کا طالب ہے لیکن یہ بات نہیں بلکہ ان مقاصد کے محض نام مختلف ہیں معنی مختلف نہیں۔ غور کر کے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ یہ جملہ مقاصد صورۃً مختلف ہیں معنیً ان میں کوئی اختلاف نہیں درحقیقت یہ سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں۔ وہ چیز کیا ہے اس کا نام ہے چین ہر شخص بس چین کا طالب ہے۔ جو شخص بے قرار ہے اولاد کے لئے وہ سمجھتا ہے کہ اولاد ہو جاوے گی تو میرے قلب کو چین ہو جاویں گے تو مجھے چین

ہو جاوے گا۔ غرض جو شخص جس چیز کا طالب ہے اِسی لئے کہ اُس کے مل جانے پر اس کے قلب کو سکون اور راحت ہو جاویگی خلاصہ یہ کہ چین اور راحت ہی کے سب طالب ہیں لیکن اس راحت کے حصول کے سامان اور ذرائع ہر شخص نے اپنے زعم کے موافق مختلف تجویز کر رکھے ہیں۔ ان کا اختلاف محض نام کا اختلاف ہے ؎

اختلافِ خلق از نام اوفتاد   چوں بمعنی رفت آرام اوفتاد

(مخلوق کے اختلاف تو صرف ظاہری نام کی وجہ سے پیدا ہوئے لیکن جب حقیقت واضح ہوئی تو اطمینان ہو گیا)

حضرت مولانا رومیؒ نے اس اختلاف کی عجیب مثال دی ہے کہ ایک سفر میں چار شخص کہیں رفیق ہو گئے تھے چاروں مختلف مُلکوں کے رہنے والے۔ ایک ترکی۔ ایک فارسی۔ ایک عرب اور ایک رومی۔ کسی نے ایک درم جو چونّی کی برابر ہوتا ہے سب کی خدمت میں پیش کیا۔ سب کا انگور کھانے کو جی چاہا لیکن لغت مختلف بولے۔ عرب بولا ئیں تو اس درم کا عنب لُوں گا فارسی نے کہا نہیں میں تو انگور لُوں گا۔ رُومی نے کہا میں اُستافیل لُوں گا۔ رُومی زبان میں انگور کو استافیل کہتے ہیں چوتھے نے اور کچھ کہا جو یاد نہیں۔ ترکی زبان میں انگور کو جو کچھ کہتے ہوں۔ غرض آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ ایک شخص آیا جو سب زبانیں جانتا تھا اس نے کہا کہ اچھا صبر کرو میں اسی درم میں سب کی چیزیں خرید لاؤں گا۔ چنانچہ وہ درم لے کر بازار سے انگور خرید لایا۔ عرب سے کہا کہ لو یہ ہے عنب یا نہیں اُس نے کہا نعم۔ فارسی سے کہا کہ لو یہ ہے انگور یا نہیں اُس نے کہا آرے بلے بیشک اسی طرح سب نے اقرار کیا انگور ہی سب کا مقصود تھا لیکن لغت کے اختلاف سے اُس کے نام مختلف ہو گئے اس

مقام پر مولانا فرماتے ہیں ؎

اختلافِ خلق از نام اوفتاد   چوں بہ معنے رفت آرام اوفتاد

ایک نے اپنے مقصود کا نام اولاد رکھا۔ دوسرے نے جائداد گاؤں ملکیت تیسرے نے حکومت عہدہ اعزاز لیکن معنیٰ مقصود سب کے ایک ہی ہیں یعنی راحت۔ ہر شخص راحت ہی کا طالب ہے راحت کی طلب وہ چیز ہے کہ اہلِ دُنیا تو اہل دین بھی اُسی کے طالب ہیں۔ چنانچہ آخرت کی راحت کا مقصود ہونا ظاہر ہے خلاصہ اِس تمام تقریر کا یہ ہوا کہ ہر شخص کو بالذّات راحت اور چین ہی مقصود ہے گو بظاہر ہر شخص ایک مختلف چیز کا طالب نظر آتا ہو ظاہر کا اختلاف تو یہاں تک ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص ایک چیز کا طالب ہوتا ہے اور دوسرا طالب ہوتا ہے اُسی چیز کے عدم کا کیونکہ دُنیا میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں آزاد بھی ہیں پابند بھی۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ انہیں کہیں سے مثلاً بیس ہزار روپے مل جاویں تو وہ زندہ ہو جاویں اور مارے خوشی کے پھولے نہ سماویں۔ برخلاف اس کے دوسرے کو اگر اتنا روپیہ ایک ساتھ مل جاوے تو اسے تو ہونے لگے وحشت کہ اتنے سارے روپیہ کو آخر کروں گا میں کیا یہ کہاں کا بکھیڑا پیچھے لگ گیا تو بظاہر ایک شخص بیس ہزار کا طالب ہے دوسرا طالب نہیں بلکہ اس کے عدم کا طالب ہے لیکن حقیقت میں نہ وہ طالب ہے زر کا نہ یہ بے زری کا دونوں راحت کے طالب ہیں۔ اُسے راحت ہے زر میں اِسے راحت ہے بے زری میں۔ اسی طرح ایک شخص تو ایسا ہے کہ آنریری مجسٹریٹی اس کے سر مڑھی جاتی ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ خدا کے لئے ہمیں مُعاف رکھّو ہم نہیں چاہتے آپ کی آنریری مجسٹریٹی وہ سُنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے کہ لِلّٰہ مجھے معافی دیجئے میں یہ جھگڑا اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ دوسرا کوشش کر کے اس کو حاصل کرتا ہے اور حکام کی خوشامدیں کرتا پھرتا ہے کہ کسی طرح یہ عہدہ مجھے مل جاوے بظاہر دونوں متضاد چیزوں

کے طالب معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت دونوں ایک چیز کے طالب ہیں یعنی دونوں راحت کے طالب ہیں اس نے دیکھا کہ راحت اسی میں ہے کہ اس بکھیڑے سے الگ رہوں کہاں کی مصیبت ہے خواہ مخواہ اپنا چین بھی کیوں کھویا۔ دوسرا اس میں راحت سمجھتا ہے کہ مجسٹریٹی مل جاوے گی تو خوب تماشا مخلوق کا دیکھنے کو ملا کرے گا۔ طرح طرح کے مقدمے قسم قسم کے معاملات ایک کو اس میں راحت ہے کہ تماشہ مخلوق کا دیکھے ایک کو اس میں راحت ہے کہ کسی کا تماشہ نہ دیکھے۔ حکام نے ایک مسلمان رئیس کو نظر بند کرنا چاہا اس سے پوچھا کہ تم کہاں رہنا چاہتے ہو اس رئیس نے کہا کہ میں مکہ میں رہنا چاہتا ہوں چنانچہ اس کو مکہ میں نظر بند کر دیا گیا وہاں وہ رئیس کمبخت حج کے موسم میں سڑک پر کھڑے ہو کر عورتوں اور امردوں کو دیکھا کرتا ایک تو یہ حضرت تھے اور ایک وہ شخص ہے جو عورتوں اور امردوں سے بچنے کیلئے بستی کو چھوڑ کر جنگل میں رہنا اختیار کرتا ہے ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے — نشستہ از جہاں در کنج غارے

(ایک بزرگ کو دیکھا پہاڑوں میں دُنیا سے الگ ہو کر ایک غار کے اندر بیٹھا ہوا تھا)

بچرا گفتم بشہر اندر نیائی — کہ بارے بند از دل بر کشائی

(اس سے میں نے دریافت کیا کہ تو شہر میں کس لئے نہیں آتا

بگفت آنجا پری رویان نغز اند — چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

(انہوں نے کہا کہ وہاں حسین (عورتیں) بہت ہیں اور جب کیچڑ زیادہ ہوتا ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں)

دیکھئے یہ کہتا ہے کہ اس میں راحت ہے کہ کسی کو نہ دیکھو اور وہ کہتا ہے کہ اس میں راحت ہے کہ سب کو خوب دیکھو۔ یہ اور بات ہے کہ رائے کس کی صحیح ہے اس کی اس وقت گفتگو نہیں میں ابھی یہ ثابت کر رہا ہوں کہ ہر شخص در اصل راحت

کا طالب ہے اور لیجئے خلفاء خلافت سے گھبراتے تھے۔ بعضے سلطنت کے لئے لڑتے مرتے ہیں کسی نے سلطنت حاصل کرنے کے لئے باپ کو مار ڈالا۔ کسی نے بھائی کو قتل کر دیا ان کو اس میں راحت ہے ان کو اس میں گو ایک کی خیالی ہی ہو اور سنیئے ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

زاہد نداشت تاب جمال پری رخاں — کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

باہر نکلتے ہیں تو حسینوں پر نظر پڑتی ہے جس سے دل کے ٹکڑے ہوتے جاتے ہیں کہاں کی مصیبت ہے عافیت تو اسی میں ہے کہ کونہ میں بیٹھ رہو۔ اس گوشہ نشینی کو کسی دوسرے پیرایہ میں شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

آنانکہ بر کنج عافیت بنشستند — دندان سگ و دہان مردم بستند

(جو لوگ گوشہ تنہائی اختیار کر لیتے ہیں کتوں کے دانت اور لوگوں کے منہ بند کر دیتے ہیں)

کاغذ بدریدند و قلم بشکستند — وزدست و زبان حرف گیراں رستند

(کاغذ پھاڑ ڈالے اور قلم توڑ ڈالے۔ غرضیکہ تمام نکتہ چینوں کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہو گئے)

اسی طرح بعضے روپیہ پیسہ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ وہ اس کے ذکر سے بھی گھبراتے ہیں حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شاہجہان بادشاہ ایک مرتبہ حاضر ہوا اور ایک بہت بڑی رقم نذر کی شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں اس کا کیا کروں گا اوّل تو میرا خرچ ہی کچھ نہیں پھر جو کچھ تھوڑی بہت حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھجوا دیتے ہیں میں اسے لیکر کیا کروں گا شاہجہان کے دل میں اس انکار سے شاہ صاحب کی بڑی وقعت ہوئی ایک مولوی صاحب ہمراہ تھے۔ ایسے حضرات پر خشک ذی علم کو حسد ہوتا ہے انہوں نے سوچا کہ انکی تو بادشاہ کی نظر میں بڑی وقعت ہو گئی لاؤ کوئی عیب نکالو عیب نکالنے میں ایسے لوگ بڑے ماہر ہوتے ہیں جس وقت شاہ صاحب نے انکار کیا آپ کہتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَسْبُ الْمَرْءِ

وَيَشِيبُ فِيهِ خَصْلَتَانِ الْحِرْصُ وَطُولُ الْأَمَلِ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی بوڑھا ہوتا ہے اور اس کے اندر دو خصلتیں جوان ہوتی ہیں حرص اور طول امل آپ بوڑھے ہیں لہٰذا آپ میں یہ دونوں خصلتیں ہونا لازمی ہیں کیونکہ حدیث کا غلط ہونا محال ہے لہٰذا یہ آپ کا تصنع ہے کہ باوجود حرص کے روپیہ لینے سے انکار کر رہے ہیں شاہ صاحب صرف حرف شناس بھی نہ تھے لیکن سبحان اللہ کیا دندان شکن جواب دیا ہے فی البدیہ فرمایا کہ مولانا آپ حدیث کا مطلب ہی نہیں سمجھے نرے پڑھنے سے کیا کام چلتا ہے ع مولوی گشتی و آگہ نیستی

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے یشب فرمایا ہے نوجوان وہی ہوگا جو پہلے سے پیدا ہُوا ہو۔ الحمد اللہ میرے اندر حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج جوان ہوتی تم اپنی خبر لو کہ شروع ہی سے حرص تمہارے اندر پیدا ہوئی اور پرورش ہوتے ہوتے اب اس پر جوانی کا عالم ہے دیکھو آج تمہارے بڑھاپے میں اس پر کیا جوبن چڑھ رہا ہے۔ میرے اندر تو بفضلہٖ حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج بڑھاپے میں اس کے جوان ہونے کی نوبت آتی اللہ اکبر کیا گہری بات فرمائی ہے علمِ حقیقی انہیں حضرات کو حاصل ہوتا ہے اس کا مولوی صاحب سے کچھ جواب نہ بن پڑا شاہ صاحب کا بس مُنہ دیکھ کر رہ گئے۔ بہر حال ایک وہ لوگ بھی ہیں جو روپیہ پیسہ سے گھبراتے ہیں ایک اور حکایت یاد آئی حضرت سیّدنا غوث پاکؒ کی خدمت میں بادشاہ سنجر نے عریضہ لکھا کہ ایک حصّہ میرے ملک کا ہے نیمروز۔ وہ میں آپ کی نذر کرتا ہوں کیونکہ آپ کی خانقاہ کا خرچ بہت زیادہ ہے مہمانوں کی کثرت رہتی ہے واردین صادرین کثرت سے آتے رہتے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ اس کے جواب میں نہایت بے پروائی کے ساتھ لکھتے ہیں ؎

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد   دردل اگر بود ہوسِ ملکِ سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب   من ملک نیمروز بیک جَو نمی خرم

(اگر میرے دل میں تیرے ملک کی ہوس تک بھی ہو تو خدا کرے میرا بخت سیاہ ہو جائے جیسا تیرا چتر سیاہ ہے (اس زمانہ میں بادشاہوں کا چتر سیاہ ہُوا کرتا تھا دوسرے شعر میں اس میں بے رغبتی کی وجہ بیان کرتے ہیں) کہ جب سے آدھی رات کی بادشاہت ملی ہے اس وقت سے ملک نیمروز کو ایک جَو کے بدلے میں بھی خریدنا نہیں چاہتا۔)

یعنی آدھی رات کو اُٹھ کر جو نفلیں پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتا ہوں اس کے لُطف کے سامنے سب گرد ہے حکومت اور سلطنت میں ملک نیمروز کو ایک جَو کی برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت تو وہ کیا بات ہے۔ ان کو اسی میں چین ملتا ہے۔ تو دیکھئے ظاہر میں سب کے الگ الگ مطلوب ہیں لیکن حقیقت میں سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں یعنی چین کے یہ دوسری بات ہے کہ واقعی چین کس میں ہے جو آگے ثابت ہو جاوے گا۔ جب یہ بات ہے تو دُنیا کے طالب بھی واقعی چین کے طالب ہیں۔ تو چین دُنیوی ضرورت کی بھی چیز ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس کو راحت اور چین مطلوب نہ ہو۔ رہی آخرت سو آخرت کے چین کا مطلوب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کسی کو اس میں کلام ہی نہیں۔ بفضلہٖ ایک مقدمہ تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ چین دُنیا اور آخرت دونوں کی ضرورت کی چیز ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ باقی رہا کہ چین کس چیز میں ہے سو حق سبحانہٗ تعالیٰ دعویٰ فرماتے ہیں کہ خُدا ہی کی یاد میں چین منحصر ہے اب ذکر کے ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا اب اس کا ثابت ہونا رہا کہ چین صرف ذکر اللہ ہی میں ہے سو یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہو سکتی ہے کہ دُنیادار ہرگز راحت میں نہیں۔ ٹٹول لیجئے طالبانِ راحت اور اسبابِ راحت جمع کرنے والوں کو یعنی ایک وہ شخص ہے کہ جس کی عُمر گذر گئی سامان راحت جمع کرنے

میں اور سامان جمع بھی ہوگیا۔ اوّل تو سب سامان جمع ہوتا نہیں حق تعالےٰ کا
ارشاد ہے اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی (عربی شعر) ؎

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ ۔ تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

یعنی کبھی ہوائیں مخالف ہوتی ہیں جو کشتی کے مقتضا کے خلاف ہے لیکن اگر ہر شخص اپنی سب تمنّائیں حاصل بھی کرلے تب بھی راحت نہیں یعنی فرض کرو ایک شخص ایسا ہے کہ اس کی سب تمنّائیں پوری ہوگئیں یعنی سامانِ راحت جسے وہ سمجھتا تھا وہ سب جمع ہوگیا لیکن خود راحت تو خدا ہی کے قبضہ میں ہے یعنی دیکھنا یہ ہے کہ سعی سے کیا چیز جمع ہوسکتی ہے راحت یا سامانِ راحت۔ ایک شخص ہے کہ اس کا عہدہ بھی بڑا ہے۔ گاؤں بھی ہیں نوکر چاکر بھی ہیں۔ حشم خدم بھی ہے۔ حکومت بھی غرض سارا سامان راحت اور عیش کا جمع ہے۔ اوّل تو بہت کم ایسے ہوتے ہیں لیکن خیر آخر کوئی ایسا ہو بھی تو اُس کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی حالت دیکھئے اور تفتیش کیجئے کہ آیا اُسے چین میسّر ہے یا نہیں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں چین پھر بھی اُسے نصیب نہیں کوئی نہ کوئی پریشانی وہاں بھی ضرور پاؤگے اپنی عمر میں کوئی دُنیا دار آرام میں نہیں۔ ایک شخص ہے کہ اُس کے اولاد نہیں ہوتی مدّتوں تو اس غم میں رہا کہ اولاد نہیں ہوتی خیر اولاد بھی ہوگئی تو پھر اولاد کے اولاد نہیں ہوتی اب اس غم میں ہے غرض کسی وقت فکر و غم سے خالی نہیں۔ یہ مسلم ہے اہلِ دُنیا کے نزدیک بھی۔ مشہور ہے کہ کسی مجرد شخص نے کسی عیالدار سے پوچھا کہ خیریّت بھی ہے اُس نے بگڑ کر کہا کہ میاں خیریّت ہوگی تمہارے یہاں کہ نہ گھر نہ بار۔ اکیلی جان آخر نکھٹو ٹھیرے بس ہمارے یہاں کیوں خیریّت ہونے لگی خیریّت ہوتی ہے تم جیسے منحوسوں کے یہاں یہاں تو اللہ کے دیئے ہوئے بیوی بچّے بھی ہیں پوتے پڑپوتے بھی۔ نوکر چاکر بھی۔ کسی

کا سر دُکھ رہا ہے کسی کو دست آرہے ہیں۔ کسی کی آنکھ دُکھ رہی ہے ہمارے یہاں کیسی خیریت تم اکیلے اپنی جان لئے ہو اس لئے تمہارے یہاں ہمیشہ خیریت ہی خیریت رہتی ہے خدا نہ کرے وہ دن کہ ہمارے یہاں ایسی خیریت ہو سو واقعی بالکل سچ ہے کہ جتنا سامان بڑھتا ہے غم بھی بڑھتا جاتا ہے ایک حکایت ہے گلستان میں کہ کسی فقیر کو بادشاہت مل گئی تھی کسی نے مبارکباد دی تو اس نے کہا کہ میاں مبارکباد کاہے کی دیتے ہو۔ دی روز غم نانے داشتم امروز غم جہانے۔ بچّوں کو کہا کرتے ہیں کہ بادشاہ ہیں سبحان اللہ بادشاہی کی حقیقت کیا ہے بچپن کے زمانہ کے سامنے بادشاہوں کو تو ہم سے زیادہ فکر ہے ان سے تو غریب ہی زیادہ بے فکر ہیں۔ بچّے تو بالکل ہی بے فکر ہوتے ہیں ان سے نسبت کیا بادشاہوں کو۔ خلاصہ یہ کہ جتنا سامان بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے خوب فرماتے ہیں ایک بزرگ ؎

وَمَنْ يَحْمَدِ الدُّنْيَا لِعَيْشٍ يَسُرُّهُ ۔ فَسَوْفَ لَعَمْرِي عَنْ قَلِيلٍ يَلُومُهَا

یعنی جو آج ترقی کی ترغیب دے رہا ہے وہ بہت جلد خود اس کی مذمت کرے گا ؎

إِذَا أَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً
وَإِنْ أَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيرًا هُمُومُهَا

دُنیا ایسی چیز ہے کہ جب یہ آتی ہے تو سیکڑوں پریشانیوں کو اپنے ساتھ لاتی ہے اور جب یہ جاتی ہے تو حسرت و افسوس چھوڑ جاتی ہے نہ اس کا آنا پریشانی سے خالی نہ اس کا جانا پریشانی سے خالی شروع سے اخیر تک بس پریشانی ہی پریشانی ہے۔ سو واقعی حضرت خدا

تکلف سے تو بچا دے۔ دُنیا ہو مگر بقدر ضرورت۔ لیکن اس کا زیادہ ہونا ہے پوری مُصیبت۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ دے دیا بس قبضہ میں آتے ہی سبق شروع ہو گیا اب اس کی حفاظت کی فکر میں ساری ساری رات نیند نہیں آتی غرض اس کے آتے ہی پریشانی تو نقد موجود ہے چور صاحب اگلے ہی دن ساری کی ساری رقم ایک ساتھ اڑا ہی لے جاویں اور ان صاحب کو اسے برتنے کا موقع بھی نہ ملے پھر اس کے چوری جانے کے بعد جو غم اور پریشانی ہوئی وہ نفع میں رہی۔ مشہور ہے کہ ایک چور کسی کا گھوڑا چُرا کر لایا راستہ میں ایک اور چور ملا جو اس سے بھی زیادہ شاطر تھا۔ اُس نے پوچھا کہ میاں گھوڑا بیچتے ہو۔ انھیں بھلا ایسا موقع کہاں ملتا کہ اِدھر چُرا کر لائے اُدھر خریدار موجود۔ پکڑے جانے کا بھی کھٹکا نہ رہے کہا ہاں بیچتے تو ہیں۔ دوسرے چور نے کہا کہ بھائی پہلے سوار ہو کر دیکھ لیں کہ کوئی عیب تو نہیں لو تم میری جوتیاں تھام لو میں آٹھ دس قدم اسے چلا کر دیکھ لوں۔ جوتیاں تو اس کے ہاتھ میں دیں اور رکاب میں پاؤں رکھ اُوپر چڑھ ایڑ ماریہ جا اور وہ جا۔ چور صاحب جوتیاں ہاتھ میں لئے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ کسی نے پوچھا میاں جو تم گھوڑا لئے جا رہے تھے وہ کیا ہوا۔ کہا بیچ دیا۔ کہا ہاں بیچ دیا۔ پوچھا کتنے میں گیا کہا جتنے میں لائے تھے اتنے میں گیا اور یہ جُوتی نفع میں رہی مُفت لیا تھا مفت گیا یہ جُوتیاں نفع میں ملیں خیر بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔ اِسی طرح وہ ایک ہزار روپیہ کیا آئے ایک مصیبت اپنے ساتھ لائے اور گئے تو ایسی برکت کر گئے ایک تو روپیہ جانے کا غم اُوپر یہ پریشانی مُفت کی کہ پولیس میں رپٹ لکھاؤ مستغیث نہ بنو تو جُرم اور بنو تو سیکڑوں جھگڑے ایسے موقعوں پر بعضی پولیس اُلٹا مستغیث سے وصُولی کرتی ہے نہ دو تو

رپٹ کو جھوٹا قرار دے کر اُلٹا مستغیث کا چالان کر دے یہ پریشانی اور پولیس کا خوف گھاٹے میں رہا جیسے اُس چور کو جُوتیاں نفع میں رہی تھیں بڑے جُوتے تو یہ ہیں کہ ہزاروں طرح کے غم روپیہ کے آنے کی اتنی خوشی نہ ہوتی تھی جتنا کہ جانے کا غم ہو گیا۔ رات بھر تو حفاظت کی فکر میں چین نہ آیا اور صبح دیکھتے ہیں تو صندوقچہ ندارد۔ مَیں اپنی ہی کہتا ہوں میرے پاس کوئی چیز ہدیہ آتی ہے تو آتے ہی بس غم سوار ہو جاتا ہے کہ اس کو کس کام میں لاؤں۔ جب تک اس کی ضرورت ذہن میں نہیں آجاتی ہمیشہ اس کی فکر رہتی ہے کہ کہاں استعمال کروں ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ کی ناشکری نہ ہو کہ نالائق ہم تو تجھے دیتے ہیں اور تو گھبراتا ہے۔ بعضی چیز تو ایسی ہوتی ہے کہ آتے ہی کام میں آجاتی ہے لیکن بعضی چیز ایسی آتی ہے کہ سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس کا کروں کیا یا تو کسی کو دے دی یا اگر بخل کا غلبہ ہوا تو سوچا کہ اجی مُفت کسی کو کیوں دیں۔ لاؤ بیچو جی۔ چنانچہ بیچ کر دام کھرے کر لئے اور ضروری موقعوں پر خرچ کر لیا۔ الحمد اللہ خیر صلاً اس کا موجود رہنا بار ہوتا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ گھروں میں سامان کثرت سے بھرا پڑا ہے اور اس کے استعمال کی کبھی عمر بھر نوبت نہیں آتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قلب پر ایسے فضول سامان کا بار ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو میں ضرور کہوں گا کہ قلب بے حس ہو گیا ہے ورنہ ضرور اُلجھن ہوتی۔ مجھے تو اس تصوّر ہی سے وحشت ہوتی ہے کہ میری مِلک میں بھی ضرورت سے زیادہ چیزیں ہوں چاہے اِن چیزوں سے خود مجھے سابقہ کبھی نہ پڑتا ہو لیکن خیال ہوتا ہے کہ میری ملک ہی میں ایسی فضول چیزیں کیوں ہوں۔ آخر ان کا ہوگا کیا۔ بہت ہی اُلجھتی ہے طبیعت کہ جو چیز کام میں نہ آوے وہ گھر میں کیوں

رہے مفت میں پہرہ چوکی دینا۔ حمال ہونا۔ مزدور بننا۔ فضول کا دردِ سر۔ خُوب کہا ہے صائب نے ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش
آنچہ مادر کار داریم اکثرے درکار نیست

(حرص سے چھٹکارا نہیں ورنہ زندگی میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی ضرورت ہی نہیں)

واقعی ہر شخص ٹٹول کر دیکھ لے کہ جتنی چیزیں گھر میں موجود ہیں اکثر ضرورت کی نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات تو چیز کے آنے پر ضرورت تصنیف کی جاتی ہے کہ فلانے کام میں لگا لیں گے۔ چیز کیا آئی ایک کام بڑھ گیا۔ اب تک جو نہ تھا لیجئے آج وہ شغل بھی تیار ہے۔ اے اللہ جن کے یہاں سامان بے حد بھرا پڑا ہے انہیں کیسے چین آتا ہوگا۔ وہ سامان کہ جس کی فہرست بھی نہیں کہ کیا کیا چیز ہے اور جس کی خبر بھی نہیں کہ کہاں پڑا سڑ رہا ہے اور جو اس طرح حاصل کیا گیا تھا کہ کسی کا گلا کاٹ کر کسی کا حق مار کر سیکڑوں گناہ سمیٹ کر وہ آج یوں بیکار پڑا گو کھا رہا ہے۔ یوں ہی پڑا پڑا دیمک لگ کر ختم ہو گیا اور مالک صاحب کو پتہ بھی نہیں۔ اچھولی ضلع میرٹھ میں ایک دلہن جہیز میں پندرہ سو کے کپڑے لائی تھی۔ بھلا کس کام آویں گے۔ ان سب کے استعمال کی کبھی نوبت نہ آوے گی کیونکہ وہ تو اتنے ہیں کہ پرنواسی بلکہ سگر نواسی تک بھی ختم نہ ہوں۔ بس ہمیشہ ہوا اور دھوپ دیا کرو اور پھر ویسے کے ویسے ہی بند کر کے رکھ دو۔ بھلا کیا فائدہ نکلا سوا اس کے کہ ایک شغل بڑھ گیا۔ یہ ابّا جان نے سلوک کیا کہ اچھی خاصی مصیبت عمر بھر کے لئے جان کو لگا دی۔ یہ ہے زیادہ اسباب کی خرابی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی حس ہی باطل ہو گئی ہو اور اس کو یہ مصیبت مصیبت ہی نہ معلوم ہوتی ہو جیسے حس باطل ہو جاتی ہے کوکین سے۔ جیسے کوکین کھاتے

کھاتے زبان بے حس ہو جاتی ہے اسی طرح چونکہ خرافات کے عادی ہو رہے ہیں اس لئے قلب بے حس ہو گیا ہے لیکن ایک وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ یہ سُن اُترے گی اُس وقت یہ افکار سانپ اور بچھو کا کام دیں گے۔ وہ کون سا وقت ہوگا۔ وہ ہوگا موت کا وقت چنانچہ حدیث میں ہے اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَھُوْا مرتے وقت آنکھ کھُلے گی اس وقت ادراک درست ہوگا۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ غم جائداد کا۔ ساز و سامان کا۔ گھر کا لیکن فضولیات کا ضروریات کا نہیں کیسا ستاتا ہے اس وقت احساس ہوگا کہ قلب پر ان کی جدائی سے کس قدر بار اور گرانی ہوتی ہے۔ کوئی غم سانپ کی خاصیت رکھے گا۔ کوئی بچھو کی خاصیت کہ ہائے میں چلا۔ ہائے یہ ساری چیزیں مجھ سے چھوٹیں ہائے میرے بعد نہ جانے ان کا کیا حال ہوگا۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ (اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ پٹ جاتی ہے۔)

خدا بچائے جس نے تعلقات ضرورت سے زیادہ بڑھا رکھے ہیں اور انہیں میں رات دن انہماک ہے اس کو سخت کشاکشی پیش آنے والی ہے مرنے کے وقت سانپ بچھوں کا قبر میں تو عذاب ہو ہی گا۔ اس کا نمونہ مرنے کے وقت دُنیا ہی میں دیکھ لے گا۔ جن صاحبزادہ کے واسطے جائداد چھوڑ جانے کی فکر میں حلال حرام کی تمیز نہ کی وہ خوش ہیں کہ ابّا مر رہے ہیں خُوب گلچھرّے اڑا دیں گے یا واجان کی مصیبت ہے کہ چاروں طرف کے خیالات سانپ بچھو بن کر لپٹ رہے ہیں لیکن اے صاحب آپ ہی نے تو یہ سانپ پیٹے ہیں خود بخود تو جمع نہیں ہو گئے۔ میں پھر کہے دیتا ہوں اور بار بار کہے دیتا ہوں کہ یہ سب تقریر فضولیات کے متعلق ہے ضروریات اس سے بالکل مستثنیٰ ہیں لیکن ضروریات وہ جو

واقعی ضرورت ہو تصنیفی ضرورت نہیں۔ یعنی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے پاس وہ چیزیں نہیں ہیں ان کا ان کے بغیر کچھ بھی حرج نہیں۔ بعض چیزوں کے تو نام بھی ہمیں نہیں معلوم مثلاً جواہرات ہمارے پاس نہیں ہیں تو بدون ان کے ہمارا کون سا کام اٹکا ہوا ہے۔ ان کے حصول کے درپے ہونا ہی فضول حرکت ہے یا نہیں۔ البتہ جو چیزیں فضول نہیں ان سے ہم تعرض نہیں کرتے۔ اب تقریبات میں جو محض نام و نمود اور شان کے لئے فضولیات میں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے ان کی بھلا کون ضرورت ہے یہ سب تصنیف کی ہوئی فرضیں ہیں۔ اوّل ایسی ضروریات تصنیف کیں پھر ان کے پورا کرنے کے لئے جائز ناجائز بٹورنا شروع کر دیا۔ پھر اسی طرح سلسلہ وار لاکھوں ضرورتیں اپنے سر لپٹائی ہیں۔ ہر ہر چیز عذاب ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ط یعنی آپ کو خوشنما نہ معلوم ہوں ان کے اموال و اولاد کیونکہ اللہ تعالیٰ یوں چاہتا ہے کہ اولاد اور اموال سے انہیں دُنیا ہی میں عذاب دیں آخرت میں عذاب الگ ہوگا۔ دُنیا ہی میں اولاد و اموال کو آلہ تعذیب بنا دیں۔ دُنیا ہی میں عذاب ہو جاوے۔ حقیقت میں عذاب ہی ہے۔ بعضوں کو تو مال کی حفاظت کی فکر میں سونا نصیب نہیں ہوتا۔ جیسے سانپ خزانہ پر جاگتا ہے ویسے ہی یہ لوگ رات بھر جاگتے ہیں اس بہانہ سے تہجد بھی شروع کر دیا ذکر و شغل بھی کر رہے ہیں اور غرض وہی ہے حفاظت مال۔ اگر آج سارا ذخیرہ جاتا رہے تو پھر تہجد بھی ختم پھر کہاں کا ذکر اور کس کا شغل تو رات بھر خود اس طرح پہرہ دیتے ہیں کیونکہ چوکیداروں پر بھی کیا بھروسہ

اگر جائداد ہوئی تو مقدمہ بازی سے فرصت نہیں کبھی تو اس کی فکر کہ فلانے نے نالش کر دی ہے ایک جگہ جیتے دوسری جگہ ہارے اسی طرح ہائیکورٹ پہنچتے پہنچتے ہزاروں کے وارے نیارے ہو گئے اگر ہائیکورٹ تک پہنچ کر اخیر میں نالش خارج بھی ہو گئی تب بھی پورا کورٹ تو ہو ہی گیا۔ کبھی اس کا غم کہ ہائے اتنا تو خرچ کیا پھر بھی مقدمہ خارج ایک مصیبت ہے ؎

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

یہی اولاد کی کیفیت ہے اوّل تو مدتوں کی آرزوؤں کے بعد خدا خدا کر کے اولاد ہوئی پھر کوئی بچہ بیمار ہوا یہاں تک کہ مایوسی تک نوبت پہنچ گئی۔ اب پریشان ہیں کہ اے اللہ کیا ہوگا۔ اگر یہ مر گیا تو میں کیونکر زندہ رہوں گا۔ ہائے کیا حال ہوگا۔ قبل از مرگ واویلا۔ مرنے کا اتنا غم بھی نہ ہوگا جیسی تکلیف اس سوچ میں ہے کہ ہائے اگر مر گیا تو کیا ہوگا۔ غرض کسی طرح چین نہیں بے چین ہیں پریشان ہیں۔ یہ مزا ہے اولاد کا اور اموال کا۔ فرمائیے یہ مصیبت ہے یا نہیں اسی کو فرماتے ہیں عـــــ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا ہی میں آلہ عذاب ہے جس کے پاس مال اور اولاد کی کثرت ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ہر وقت ایک عذاب جان میں مبتلا ہے پھر بتلائیے ایسے شخص کی بابت کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ چین میں ہے ہرگز نہیں۔ دُنیا دار کوئی چین میں ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے ایک حکایت نہایت مطلب خیز اور میرے اثبات مدعا میں واضح اور صریح اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے سُنی ہے کہ کسی شخص کو جو دلی کا رہنے والا تھا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی بڑی تمنا تھی کیونکہ سُنا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام بڑے مقبول الدعوات ہیں ان سے دُعا کرائیں گے بعضوں کو یہ خبط بھی ہوتا ہے اور اس

خبط ہیں ان کی حیات اور موت کو پوچھتے ہیں۔ چنانچہ جب میں دیوبند میں پڑھتا تھا ایک صاحب کا خط حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں آیا تھا۔ اس میں پوچھا تھا کہ آیا حضرت خضر علیہ السّلام ابھی تک زندہ ہیں۔ مولوی صاحب تھے بڑے زندہ دل۔ جواب لکھوایا کہ بھائی ان کا میرے پاس بہت دنوں سے کوئی خط نہیں آیا خبر نہیں زندہ ہیں یا مر گئے۔ بہت دن سے خیریت نہیں آئی۔ جب کوئی خط آوے گا تو اطلاع دے دوں گا۔ لوگ بھی کیا فضول سوال کرتے ہیں۔ مطلب کیا ہمیں اس تحقیق سے۔ ہمارے خضرؑ اور ہمارے عیسٰیؑ کون ہیں۔ جناب رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم جن کی وہ شان ہے کہ اگر اس زمانہ میں سارے انبیاء دوبارہ دُنیا میں تشریف لے آویں تو سب آپ کے اُمّتی ہو کر رہیں چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لاویں گے تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کی شریعت کے تابع ہوں گے پھر بھی ہم کو خضر علیہ السّلام کی ڈھونڈھ ہے بس ہمیں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کافی ہیں ہمیں کسی کی تلاش نہیں چاہیئے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت خضر علیہ السلام خود ایک بار تشریف لائے اور مصافحہ کیا۔ مصافحہ کرکے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے یعنی اللہ تعالٰی کی یاد۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں حضرت ابراہیم بولے میں نے اس کی کچھ ضرورت نہیں سمجھی انہوں نے فرمایا کہ میں خضر ہوں۔ آپ نے فرمایا ہوں گے۔ یہ کہہ کر پھر مشغول ہو گئے۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ بھائی تم تو بڑی بے پرواہی سے ملے لوگ تو برسوں میرے ملنے کی آرزو میں رہتے ہیں اور مُلاقات نہیں ہوتی۔ فرمایا بڑے نادان ہیں جو خُدا کی طلب کو چھوڑ کر آپ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ حضرت خضر نے فرمایا نہیں

خدا ہی کے واسطے مجھے ڈھونڈتے ہیں مجھ سے دعا کراتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ اچھا آپ میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میں نبی ہو جاؤں، فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کہا یہ نہیں ہو سکتا تو آپ مہربانی کرکے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے میرا حرج ہوتا ہے خیر یہ تو ان کا ایک حال ہے۔

ایک وہ لوگ ہیں کہ حضرت خضر کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں لیکن ملتے نہیں۔ ایک یہ تھے کہ خود ان پاس آئے اور انھوں نے پروا بھی نہ کی وہ شخص بھی وظیفے پڑھتا تھا دعا کراتا تھا لیکن حضرت خضرؑ ملتے ہی نہ تھے اتفاق سے ایک روز کہیں مل گئے اس شخص نے پہچانا نہیں کیونکہ ظاہری کوئی علامت تو تھی نہیں اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ ان کے ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہوتی لاحول ولا قوۃ۔ بالکل واہیات۔ لغویات، غرض حضرت خضرؑ نے خود ہی اس شخص سے کہا کہ میں خضر ہوں، کہہ کیا کہتا ہے میری اس قدر کیوں تلاش تھی۔ احمق نے طلب بھی کیا تو کیا کہتا ہے کہ حضرت میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میں دنیا میں بیفکر ہو کر زندہ رہوں۔

حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ ارے یہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں بے فکری نصیب ہو اس نے دوبارہ عرض کیا کہ حضرت آپ دعا تو کر دیں حضرت خضرؑ نے پھر وہی کہا۔ ارے بھائی میں ایسی دعا کر نہیں سکتا ایسے کام کے لئے کیا دعا کروں جو ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر بیٹا کہے کہ میرے لئے یہ دعا کر دو کہ میں اپنے باپ کا بھی باپ ہو جاؤں تو بھلا یہ ہے نا لغو فرمائش کیونکہ ایسا ممکن ہی کہاں ہے۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت خضرؑ نے اپنے اخلاق سے یہ جواب دیا کہ خیر ایسی دعا مانگنا تو بے ادبی کی بات ہے

کیونکہ ایسا ہونا عادت اللہ کے خلاف ہے، ہاں تم تمام دلی میں جس کو اپنے نزدیک بیفکر سمجھو اسے منتخب کر لو پھر میں یہ دعا کروں گا کہ اے اللہ یہ شخص بھی ایسا ہی ہو جاوے جیسا فلانا۔ میں تمہیں چھ مہینہ کی مہلت دیتا ہوں اس درمیان میں اطمینان سے تلاش کر رکھنا میں چھ مہینہ کے بعد پھر تم سے ملوں گا اس وقت اپنی رائے سے مطلع کرنا وہ شخص دل میں بڑا خوش ہوا کہ یہ کیا مشکل بات ہے۔ دلی میں ہزاروں امراء ہیں۔ شاہی کارخانہ ہے۔ بڑے بڑے دولتمند اور رئیس موجود ہیں۔ ایسا شخص مل جانا بہت آسان ہے چنانچہ اس نے دلی میں گھومنا شروع کیا اور ایک ایک رئیس کو دیکھنا شروع کیا جب کسی شخص کے بارے میں رائے قائم ہوتی کہ اس جیسا ہونے کی دعا کراؤں گا۔ اندرونی حالات تفتیش کرنے پر وہ بھی کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا نکلتا یہاں تک کہ چھ مہینے کی میعاد ختم ہونے کو پہنچی۔ اب انھیں بڑا تردد کہ حضرت خضرؑ کو کیا جواب دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے واقعی دنیا میں کسی کو آرام نہیں چین جس کا نام ہے کسی کو میسر نہیں۔ اخیر میں ایک جوہری پر اس کا گذر ہوا۔ دیکھا کہ لاکھوں کا کارخانہ ہے۔ بڑا ساز و سامان۔ سیکڑوں مکان اور دکانیں۔ عالیشان فرش فروش حشم خدم۔ اولاد بھی کثرت سے غرض سارا سامان عیش کا موجود ہے۔ اور خود گاؤ تکیہ لگائے نہایت اطمینان کے ساتھ ہٹا کٹا سرخ سپید بیٹھا ہوا ہے۔ کچھ کام بھی نہیں کارندے ایسے معتمد کہ سب کام انھیں کے ذریعہ سے نہایت خوبی اور انتظام کے ساتھ ہو رہے ہیں اس جوہری کو دیکھ کر یہ حضرت بڑے خوش ہوئے کہ الحمد للہ جیسا شخص میں چاہتا تھا ویسا مل گیا۔ بس اسی جیسا ہونیکی دعا کراؤں گا۔ لیکن

سوچا کہ بھائی احتیاطاً اس سے مل تو لو چنانچہ ملے اور سارا قصہ حضرت خضر کی ملاقات کا اور اپنی دعا کی درخواست کا سنایا اور کہا کہ ساری دلی میں بس تم ایک شخص ملے ہو جن کو کوئی فکر نہیں۔ اب میں حضرت خضر سے یہی دعا کراؤں گا کہ تم جیسا ہو جاؤں۔

یہ سن کر اس جوہری نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ للہ مجھ جیسا ہونے کی دعا ہرگز نہ کرانا۔ مجھ جیسا تو خدا دشمن کو بھی نہ کرے جس مصیبت میں میں مبتلا ہوں وہ دشمن کو بھی نہ ہو۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہا میاں تم صاحب جائداد ہو، صاحب اولاد ہو۔ تندرست ہو۔ ہر طرح کا آرام ساز و سامان حشم خدم، نوکر چاکر دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں اور پھر کوئی کام بھی نہیں اب اور کیا چاہیئے۔ پھر بھی کہتے ہو کہ ایسی مصیبت خدا دشمن کو بھی نہ دکھلائے۔ بڑی ناشکری حق تعالیٰ کی ہے۔ جوہری نے کہا کہ خیر اب تم سے کیا چھپاؤں۔ بھائی میری تو بڑی دردناک حکایت ہے۔ ماجرا یہ ہے کہ جب میری شادی ہوئی تو قسمت سے بیوی مجھے نہایت حسین جمیل ملی اس سے مجھے بیحد محبت ہو گئی شادی ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد وہ سخت بیمار ہوئی یہاں تک کہ مایوسی تک پہونچ گئی میں رونے لگا اس نے کہا یہ سب جیتے جی کی محبت ہے۔ مردوں کو کبھی باوفا نہیں دیکھا یہ لوگ بڑے بے وفا ہوتے ہیں میں مر جاؤں گی تم دوسری شادی کر لوگے۔ میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا میری محبت تمہارے ساتھ بھلا ایسی ہے تمہارے بعد میں کہیں دوسری بیوی کر سکتا ہوں یہ تم کیا خیال کرتی ہو۔ اس نے کہا یہ سب باتیں ہیں کہیں آج تک کوئی بھی رکا ہے جو تمہیں رکے رہوگے۔ چونکہ مجھے اس سے واقعی بے حد محبت تھی میں نے کہا کہ اچھا تمہیں یوں یقین نہیں آتا تو لو

میں ضرورت ہی کو حذف کئے دیتا ہوں اور وہیں استرا لے کر میں نے اپنا اندام نہانی کاٹ کر الگ کر دیا، اور کہا اب تو تمہیں یقین آوے گا۔ کیونکہ جڑ ہی نہ رہی جو ضرورت شادی کی ہو۔ اس بھلے مانس نے بھی کمال ہی کیا کہ اڈا ہی اڑا دیا۔ جیسا ایک افیونچی نے کیا تھا۔

ایک افیونچی صاحب پینک میں بیٹھے مزے لے رہے تھے ایک مکھی بار بار اس کی ناک پر آ بیٹھتی وہ جھنجھلا کر اُسے اڑا دیتا، پھر آ بیٹھتی پھر اڑا دیتا پھر آ بیٹھتی بعض مکھی کچھ ہوتی ہی ہے ایسی ضدی۔ آپ کو جو غصہ آیا تو استرا لے کر اپنی ناک ہی اڑا دی اور مکھی کو خطاب کر کے بڑے اطمینان سے کہتے ہیں کہ لے سُسری اب بیٹھ کہاں بیٹھتی ہے اب تیرا اڈا ہی نہیں رہا جہاں بیٹھے۔

اسی طرح ان حضرت نے بیوی کے سارے احتمالات کی جڑ ہی کو اڑا دیا قصہ مختصر کہ وہ کمبخت پھر مری نہیں اچھی ہو گئی۔ اور اب تک زندہ ہے ادھر میں بیکار ہو ہی چکا تھا۔ اُدھر اس کی جوانی۔ بس اس نے میرے نوکروں سے ساز باز کر لی۔ اب یہ جس قدر اولاد تم دیکھتے ہو یہ سب میرے نوکروں کی عنایت ہے۔ ایک مدّت ہوئی اس بیحیائی کو کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں لیکن کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بھلا کیا منہ لے کر روکوں اور کس برتے پر منع کروں۔ رات دن اسی غم میں گھلتا ہوں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سُن کر وہ شخص انگلی منہ میں داب کر حیرت میں رہ گیا، اور افسوس کرنے لگا۔ جوہری نے کہا کہ میں تو تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھ جیسے ہونے کی ہرگز دعا نہ کرانا لیکن تمہاری سمجھ میں آتا ہی نہ تھا۔ اب تو معلوم ہو گیا اور میں یہ بھی تم سے کہے دیتا ہوں کہ دِلّی تو دلی دنیا میں کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو بے فکر ہو۔ تم کس خبط میں مبتلا ہو۔ اس خیال کو چھوڑو اور جاؤ آخرت کی درستی

کی دعا کراؤ۔

میعاد مقررہ ختم ہونے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام پھر اس شخص کو ملے دریافت فرمایا کہو کیا رائے ہے کونسا شخص تم نے منتخب کیا اُسے بڑی ندامت ہوئی عرض کیا کہ حضرت کیا عرض کروں، واقعی حضرت سچ فرماتے تھے اب مجھ کو اس کا عین الیقین ہو گیا کہ دنیا میں کوئی چین سے نہیں۔

حضرت خضر ہنسے فرمایا کہ ہم نہ کہتے تھے لیکن تمہیں یقین ہی نہ آتا تھا اب تو دیکھ لیا خیر اب بولو کہ کیا چاہتے ہو۔ عرض کیا کہ حضرت بس آخرت کی درستی کی دعا کر دیجئے۔ چنانچہ حضرت خضر نے دعا فرما دی اور وہ شخص دلی کامل ہو گیا۔ سو حضرت واقعی دنیا میں کہیں چین نہیں ہے۔ تلاش کر کے دیکھو تب میرے کہنے کا یقین آوے۔ یہ میرا دعویٰ دیسے لفظاً تو مختصر سا ہے لیکن باعتبار تحقیق کے بہت بڑا ہے۔ بالکل سچی بات ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں میں تم کو کیسے یقین کرا دوں محض دلائل عقلیہ اس کے لئے کافی نہیں ہیں بلکہ یہ تو مشاہدہ کے متعلق ہے۔ آپ ایک سرے سے سب سے بڑے بڑے دنیا داروں کو دیکھنا شروع کیجئے کبھی کسی کو چین سے نہ پائیں گے۔ اگر اس میں بکھیڑا سمجھیں تو میں ایک بات مشابہ دلیل عقلی کے عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ ہر شخص اپنے معاملات میں غور کر لے کہ اول تو کسی کی ہر تمنا پوری ہوتی نہیں کچھ نہ کچھ کسر رہ جاتی ہے لیکن خیر اگر کسی طرح سارا سامان راحت بہم پہنچا بھی لیا جاوے تب بھی چین جس کا نام ہے وہ ہرگز کسی کے قبضہ میں نہیں۔ بڑے بڑے سامان والوں کو بھی دنیا میں راحت میسر نہیں عادت اللہ یوں ہی جاری ہے۔

اب دوسری حالت کو لیجئے یعنی جو خدا کی یاد میں مشغول ہیں کیا معنی

کہ جو اسکے دھیان میں رہتے ہیں اور اس کی پوری پوری اطاعت کرنے والے ہیں۔ کیونکہ بیٹھ کر اللہ اللہ کر لینا محض یہی نہیں اللہ کی یاد پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ یاد کسے کہتے ہیں یاد میں سب داخل ہیں نام جپنا، دھیان رکھنا اسکے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور اصلی یاد یہی ہے اسکو حکیم سمجھنا یعنی اسکی حکمت کا اعتقاد رکھنا۔ اس کو رحیم سمجھنا یعنی اسکی رحمت کا اعتقاد رکھنا یہ سب خدا کی یاد میں داخل ہے جس نے اس طریقہ سے اللہ کی یاد کی واللہ آپ دیکھ لیجئے گا اور میں تو بعد دیکھنے ہی کے کہتا ہوں کہ وہاں ایسا سخت قرنطینہ ہے کہ گو جسم پر اثر ہو لیکن انکے قلب تک پریشانی نہیں پہونچتی، یہ میں نہیں کہتا کہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتے یا ان کا کوئی دشمن نہیں ہوتا یا انکی کوئی غیبت نہیں کرتا ان کو کوئی برا بھلا نہیں کہتا۔ یہ سب قصے ہوتے ہیں اور ان قصوں سے انھیں غم بھی ہوتا ہے، رنج بھی ہوتا ہے۔ تکلیف بھی پہنچتی ہے یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن پریشانی اور الجھن نہیں ہوتی جو کہ اصل چیز ہے۔ تکلیف کی اگر کوئی ظاہری تکلیف بھی انہیں پہونچتی ہے تو اس میں بھی ان کے قلب کو چین ہی ملتا ہے وہ عین غم کی حالت میں بھی مسرور رہتے ہیں آپ کہتے ہوں گے کہ یہ شخص عجیب الٹی تقریر کر رہا ہے اجتماع ضدین ثابت کرنا چاہتا ہے جو کہ تمام عقلاء کے نزدیک محال ہے لیکن نہیں میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہی کے منہ سے کہلوا لوں گا کہ یہ حالت ممکن ہے اور دنیا میں بکثرت واقع ہے۔

فرض کیجئے آپ کا کوئی محبوب ہے جس کی جدائی میں گھل گھل کر آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ صرف ہڈیاں اور پسلیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اسی حالت میں مدتوں کے بعد دفعتاً کہیں وہ آنکلا اور مشتاقانہ آپ کو بغل میں لے کر زور سے دبایا ادھر آپ غایت درجہ کمزور اور ناتواں ادھر وہ ہٹا کٹا۔

بھلا میں اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو اس کے دبانے سے تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ تکلیف تو ایسی ہے کہ ہڈی اور پسلی ٹوٹی جاتی ہے لیکن یہ سوچئے کہ اس تکلیف کا اثر قلب تک بھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ واقعی عاشق ہیں تو واللہ تکلیف تو کیسی قلب میں آپ محسوس کریں گے کہ گویا رگ رگ میں جان آ رہی ہے اور یوں کہیں گے ؎

این کہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب

ہائے یہ میری قسمت کہ جس کو ایک نظر دیکھنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا وہ اس طرح آکر بغلگیر ہوتی کہ وہ محبوب اگر یوں کہے کہ میرا دبانا اگر تم کو ناگوار ہو تو یہ تمہارا رقیب موجود ہے جو میرا مشتاق ہے اور میرے ساتھ ہمکنار ہونے کا بہت آرزومند ہے۔ تمہیں چھوڑ کر اس کے ساتھ یہی معاملہ کرنے لگوں اگر تمہیں کچھ تکلیف ہو رہی ہو تو کہدو۔ ایسی حالت میں عاشق کیا کہیگا یہ کہیگا ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے تاکہ تو خنجر آزمائی کرے)

بلکہ اگر سچ مچ قتل بھی کر دیوے تب بھی وہ بزبان حال یہی کہے گا ؎

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

قتل سے بھی اس کو کلفت نہ ہوگی اگرچہ تکلیف سے کراہے بھی تڑپے بھی

مگر وہ تکلیف طبعی ہوگی قلب کے اندر پریشانی نہ ہوگی اسی طرح اہل اللہ کو اگر کوئی صدمہ پیش آتا ہے تو اس کی وہی حالت ہوتی ہے جیسی میں نے ابھی بیان کی ہے کہ عاشق کو معشوق کے دبوچنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن اندر سے قلب نہایت راضی ہے نہایت خوش ہے، اس کے جسم کو تکلیف ہے لیکن روح کو آرام ہے۔ اگر ان کا بیٹا مرجائے تو وہ محزون بھی ہوں گے آنکھ سے آنسو بھی جاری ہوجائیں گے لیکن قلب کے اندر پریشانی نہ ہوگی کہ ہائے یہ کیا ہوگیا اب کیسی ہوگی ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا میں بقسم کہتا ہوں پھر بقسم کہتا ہوں اور پھر بقسم کہتا ہوں کہ یہ نہیں ہوتا کہ حسرت ہو اور ارمان ہو کہ ہائے یہ زندہ رہتا بلکہ ان کا قلب نہایت مطمئن ہوتا ہے کہ یہ بالکل مناسب ہوا الحمدللہ جو کچھ ہوا بہت ٹھیک ہوا۔ بالکل حکمت ہے سراسر رحمت ہے۔ بلکہ انھیں تفصیلاً حکمتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔ ایمان ان کا درجہ حال میں ہوتا ہے۔ درجۂ اعتقاد میں تو سب مسلمانوں کا ہے ان کو حال کا درجہ حاصل ہوتا ہے یہی راز ہے کہ انھیں خدا سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت مخلوق کے یہ نہیں ہے کہ انھیں مخلوق کی محبت نہیں ہوتی مخلوق کی محبت بھی ہوتی ہے لیکن واللہ ثم واللہ مخلوق کی محبت، محبت حق کے مقابلہ میں بالکل مغلوب گویا معدوم ہوجاتی ہے موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ غالب غالب ہی ہے اور مغلوب مغلوب ؎

چو سلطان عزت علم برکشد — جہاں سر بجیب عدم درکشد

(جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر پڑتی ہے تو چیزیں فنا ہوجاتی ہیں)

؎ اگر آفتاب است یک ذرہ نیست
وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

(آفتاب کی حقیقت حق تعالیٰ کے سامنے ذرہ برابر بھی نہیں اور اگر سات سمندر ہوں تو ان کی حیثیت ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں۔)

جس وقت محبت حق کا غلبہ ہوتا ہے چاہے محبت مخلوق بھی ہو اور مخلوق کے کسی صدمہ سے کلفت بھی ہو لیکن اندر سے پریشانی نہیں ہوتی وہ کلفت پر بھی راضی ہے اور خوش ہے کہ ہمارے لئے یہی مصلحت ہے اسی میں حکمت ہے یہی حال اس کا دعا کے ساتھ ہے کہ عین دعا کے وقت بھی تقاضا نہیں ہوتا کہ ایسا ضرور ہو ہی جاوے اگر نہ ہو تو بھی تنگی نہیں ہوتی وہ اس پر بھی دل سے راضی ہے کہ خدا کی یہی رحمت ہے غرض مذہب اس کا یہ ہے ؎

چونکہ برمیخت بہ بندد بستہ باش
چوں کشاید چابک و برجستہ باش

اور اس کا یہ مذہب ہوتا ہے ؎

نہ خوش تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یار دل رنجان من

(محبوب کی طرف سے جو امر پیش آئے اگرچہ وہ مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے۔ میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں)۔

خواہ غم ہو یا خوشی راحت ہو یا تکلیف ہر حالت میں وہ راضی اور خوش ہے اس کا مذہب یہ ہوتا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

(آپ زندہ کریں تو عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر قربان ہوں۔ دل آپ پر فریفتہ ہے آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے۔)

اب اس سے بڑھ کر کیا ہے کہ سب سے زیادہ مشکل اپنا مرنا ہے آدمی زبان سے تو کہتا ہے کہ مجھے مرنے کی کچھ پروا نہیں لیکن امتحان کے وقت اس کا دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے۔ تو سب سے بڑھ کر اپنی موت کا معاملہ ہے۔ لیکن اللہ والوں کو اپنی موت کی بھی پروا نہیں۔ اور ایک حیثیت سے اپنے مرنے سے بھی زیادہ اہم اپنی اولاد کا مرنا ہے کیونکہ وہ محبوب ہوتی ہے اور محبوب کی جان اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ مگر ان کی حالت موت اولاد کے وقت بھی یہ ہوتی ہے کہ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادہ کا عین عید کے دن انتقال ہوا ادھر جوان بیٹے کی نزع ہو رہی ہے اُدھر نماز کا وقت قریب ہے مولانا نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ لو بھائی خدا کے سپرد، ہم تو اب جاتے ہیں کیونکہ ہمیں نماز پڑھنی ہے انشاء اللہ اب قیامت میں ملاقات ہوگی۔ یہ کہہ کر رخصت ہوگئے اور نماز کا اہتمام شروع کر دیا آنکھ سے تو آنسو جاری تھے لیکن ایک کلمہ بے صبری کا زبان سے نہیں نکلا۔ خوش تھے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی کے جوان صاحبزادہ کا انتقال ہوگیا، لوگ تعزیت کے لئے آئے لیکن چپ بیٹھے ہیں کہ کیا کہیں۔ اہل اللہ کا رعب ہوتا ہے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے اور آخر کہتے بھی تو کیا کہتے۔ اگر کہے کہ رنج ہوا تو اس کے اظہار کی کیا ضرورت اور کہے کہ صبر کیجئے تو وہ خود ہی کئے بیٹھے ہیں۔ آخر ہر جملہ خبریہ کی کوئی نہ کوئی غایت تو ہونی چاہئے۔ بڑی دیر کے بعد آخر ایک نے ہمت کر کے کہا کہ حضرت بڑا رنج ہوا۔ فرمایا معلوم ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے بس پھر سارا

مجمع چپ۔ لوگ آتے تھے اور کچھ دیر چپ بیٹھ کر چلے جاتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا صدمہ حضرت مولانا کو اس درجہ ہوا تھا کہ دست لگ گئے تھے اور کھانا موقوف ہوگیا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی کچھ ذکر کر دے۔ میں بھی اس موقع پر حاضر ہوا اب میں وہاں پہنچکر متحیر کہ یا اللہ کیا کہوں آخر چپ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک مولانا ذوالفقار علی صاحب تھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد بڑے عاشق مزاج اور حضرت حاجی صاحب کے والہ و شیدا۔ ان کا یہ رنگ تھا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب کے انتقال کے بعد اول مرتبہ ان سے ملنے گیا تو میری صورت دیکھتے ہی بڑے جوش کے ساتھ کہا ؎

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری ست
کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری ست

(اے بلبل اگر تجھ کو میرے ساتھ دوستی کا خیال ہے تو رونے لگ اس لئے کہ ہم دونوں عاشق زار ہیں اور ہمارا کام رونا ہے)

اور آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے میں بھی آبدیدہ ہوگیا۔ خیر وہاں کچھ دل کی بھڑاس نکلی حضرت مولانا گنگوہی پر اتنے بڑے بڑے صدمات پڑے لیکن کیا ممکن کہ کسی معمول میں ذرا فرق آجائے چاشت، تہجد، اوابین کوئی معمول قضا تو کیا کبھی موخر بھی نہیں ہونے پایا۔ یہاں تک کے کھانا بھی جب سامنے آیا تو اسے بھی خدا کی نعمت سمجھ کر کھا لیا آنے والے کو یہ حالت دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انھیں کچھ بھی رنج نہیں حالانکہ رنج اس قدر ہوتا تھا کہ میں نے ایک عریضہ صاحبزادہ کی تعزیت کا لکھا تھا۔ اس کے جواب میں مجھے فقط یہ لکھا کہ "شدت ضبط سے قلب و دماغ ماؤف ہوگیا ہے"۔ مجھ کو حیرت ہوئی تھی کہ یہ بھی کیسے ظاہر فرما دیا۔ بےحد عنایت تھی کہ اتنا

لکھدیا۔ ورنہ وہاں ضبط کی یہ شان تھی کہ کسی طرز سے پتہ نہ چلتا تھا نہ چہرہ سے نہ زبان سے وہی معمولات وہی اذکار اشغال وہی تعلیم تلقین کسی معمول میں ذرا فرق نہیں۔ واللہ یہ تعلق مع اللہ کی قوت ہے۔ یہ وہ قوت ہوتی ہے کہ ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس — ہمیں ست بنیاد توحید و بس

(موحد کے قدموں پر سونا بچھا دو کر دیا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھدو امید و خوف اس کو کسی سے نہ ہوگا بس توحید کی بنیاد یہی ہے)

ان کا اعتقاد اور حال یہ ہوتا ہے کہ لا معبود الا اللہ۔ لا حکیم الا اللہ۔ لا مقصود الا اللہ کسی چیز کا اثر ان پر نہیں ہوتا یعنی عقل کو اور حواس کو پریشان نہیں کرتا باقی اثر کیوں نہ ہوتا۔ وہ بے حس تھوڑا ہی ہوجاتے ہیں بلکہ ان کی سی حس تو کسی میں نہیں ہوتی قلب پر بھی ان کے اثر ہوتا ہے مگر وہ اثر پریشانی کی حد تک نہیں پہونچتا بات یہ ہے کہ وہ سب شقوق پر رضا مند رہتے ہیں کہ یوں ہو جاوے بہت اچھا، یوں ہو جاوے بہت اچھا کسی حال میں ناراضی نہیں۔ میرے الفاظ نہیں ہیں اس کیفیت کے بیان کرنے کو خدا نصیب کرے تو معلوم ہو۔ نہایت ہی اطمینان ہوتا ہے قلب کو ذوقی امر ہے۔ بیان سے سمجھ میں آ نہیں سکتا تاہم ہم لوگوں کو اگر خود وہ کیفیت حاصل نہیں ہے تو اس کے آثار کو تو دیکھ لیں۔ آگ نظر نہ آوے تو اس کا دھواں تو نظر آتا ہے۔ دیکھئے سب سے بڑی چیز اپنی موت ہے اس کے ساتھ دیکھیے ان حضرات کا کیا معاملہ ہے۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں اور کس ذوق و شوق سے فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تا در میکدہ شادان و غزل خواں بروم

(جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا ہے۔ راحت جاں طلب کروں اور محبوب حقیقی کے پاس جاؤں۔ میں نے نذر کی ہے کہ جب یہ دن آئے تو خوش و خرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں)

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ پہلے عطاری کی دوکان کیا کرتے تھے ایک دن اپنی دوکان پر بیٹھے نسخے باندھ رہے تھے۔ ایک درویش کمبل پوش دوکان کے آگے کھڑے ہو کر انھیں تکنے لگے، دیر تک اسی حالت میں دیکھ کر حضرت عطار نے فرمایا کہ بھائی جو کچھ لینا ہو لو۔ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ درویش نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری دوکان میں خمیرے شربت معجونیں بہت سی چمکتی ہوئی چیزیں بھری پڑی ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مرتے وقت تمہاری روح کیسے نکلے گی جو اتنی چمکتی ہوئی چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت عطار کو باطن کا تو چسکا تھا ہی نہیں۔ بیدھڑک کہہ بیٹھے کہ جیسے تمہاری نکلے گی ویسے ہی ہماری نکل جاوے گی۔

درویش نے کہا کہ میاں ہمارا کیا ہے اور کمبل اوڑھ کر وہیں دوکان کے سامنے لیٹ گئے۔ اول تو حضرت عطار یہ سمجھے کہ مذاق کر رہا ہے لیکن جب بہت دیر ہو گئی تو شبہ ہوا پاس جاکر کمبل اُٹھایا تو وہ درویش واقعی مردہ تھا۔ بس ایک چھوٹ دل پر لگی اور وہیں ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوکر گر پڑے افاقہ ہوا تو دیکھا دل دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا۔ اسی وقت دوکان لٹا کر کسی پیر کی تلاش میں نکلے۔ پھر وہ طریق کے اندر کتنے بڑے عارف ہوئے ہیں کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(عطار کا عشق تو سات ولایت میں پھیل گیا مگر ہم ابھی تک ایک ہی کوچہ کے مٹکے میں پڑے ہیں)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین کو اس دولت کی خبر ہو جاوے جو ہمارے پاس ہے تو تلواریں لیکر ہم پر چڑھ آویں کہ لاؤ ہمیں دو۔ واللہ یہی بات ہے اس دولت کے سامنے کچھ حقیقت نہیں سلطنت کی۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں اور مجھ سے سوائے اس کے کہ جن کا یہ حال تھا ان کے اقوال نقل کروں اور کیا ہو سکتا ہے فرماتے ہیں ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے
بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(ایک ساعت محبوب کو اطمینان سے دیکھتا دن بھر کی دار و گیر شاہی سے بہتر ہے)

اسی کو خاقانی کہتے ہیں ؎

پس از سی سال این معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(تیس سال بعد خاقانی پر یہ بات واضح ہوئی کہ ایک گھڑی خدا کی یاد میں مشغول ہونا ملک سلیمانی سے بہتر ہے۔)

بالکل سچی بات ہے میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں۔ ہاں ایک تدبیر بتلاتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یوں سمجھ میں نہ آوے تو خود امتحان کر لیجئے اور جن کی یہ حالت ہے کچھ دن ان کے پاس رہ کر دیکھئے میرے دعوے کا یقین آجاوے گا۔ اس کام کے لئے چھ مہینے خالی کرو۔ تین ماہ تو دنیا کے

متموّل لوگوں میں جا کر رہو اور تین مہینے اللہ والوں میں اور ان دونوں کی اندرونی حالت کی تفتیش کرو کہ کس کی زندگی کس طرح گذر رہی ہے۔ واللہ آپ دوزخ اور جنت کا فرق پاویں گے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ حضرات اہل اللہ کبھی بیمار نہیں پڑتے یا ان کا کوئی بیٹا نہیں مرتا یا ان پر کوئی مصیبت نہیں اوّل تو واقعی ان پر مصیبتیں کم آتی ہیں اور اگر ایسا موقع ہوتا بھی ہے تو وہ پریشان نہیں ہوتے۔ صورۃً نہیں بلکہ حقیقۃً پریشان نہیں ہوتے۔ اور یوں تو آخر وہ بھی بشر ہیں واقعات سے ان کو کوفت بھی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات ان سے بعض معاصی بھی صادر ہو جاتے ہیں یہ نہیں ہے کہ وہ فرشتے ہو جاتے ہیں اور ان کو گناہ کا میلان ہی نہیں ہوتا جیسا کہ بعض عوام کا اعتقاد ہے۔ اور واقعی میلان کا ہونا یہی تو کمال ہے۔

گناہوں سے بچنے میں فرشتوں کا کیا کمال ہے کیونکہ انھیں میلان ہی نہیں ہوتا اس غرہ میں نہ رہنا حضرت ان کو میلان ایسا ہی ہوتا ہے جیسا اوروں کو بلکہ بعض دفعہ اوروں سے بھی زیادہ کیونکہ ان کی حس نہایت لطیف ہو جاتی ہے۔ مگر ہاں اس کے ساتھ ہی چونکہ اللہ تعالےٰ سے پورا تعلق ہے اس لئے تقاضائے نفس کے روکنے میں جو کلفت ہوتی ہے اس کو برداشت کرتے ہیں اور واللہ اس کلفت میں بھی ایک لذّت ہوتی ہے۔ سلطنت کی لذت میں بھی وہ مزا نہیں جو اس لذت میں ہے۔ اس کے سامنے سلطنت کی لذت کی کچھ حقیقت نہیں۔ مثلاً ابتلا ہو گیا کسی صورت کے ساتھ بلا قصد و باوجود اہتمام احتراز ہوتا ہے ایسا کیونکہ ادھر تو ان کا ادراک لطیف ہوتا ہے اور پھر کسی کی تحقیر قلب میں ہوتی نہیں اس لئے ان کو جس سے ہوتا ہے بیحد میلان ہوتا ہے۔ بس یہ حالت ہوتی ہے ؎

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہٗ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہٗ

(میرے سینہ میں تو نے نہ نظر آنے والا زخم لگایا ہے مجھے تعجب ہے کہ کس طرح تو نے بلا کمان کے تیر مارا ہے)

مگر ساتھ ہی چونکہ انھیں محبت کا تعلق حق تعالیٰ سے ہوتا ہے طبعی بھی اور عقلی بھی۔ اس لئے وہ محبت اس محبت پر غالب ہوتی ہے۔ اور وہ اس کو مغلوب کرتے ہیں عمل کر کے۔ یعنی اس کے مقتضا پر عمل نہ کرنا۔ کف عن المعصیت نظر کو روکنا خیال کو روکنا۔ تصورات کو روکنا گو اس میں سخت ضیق پیش آتی ہے لیکن اس کو برداشت کرتے ہیں اپنے محبوب حقیقی کے واسطے۔ پھر ایک وجدانی حلاوت محسوس ہوتی ہے اس کی بدولت۔ قول سعدی کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں ؎

خوشا وقت شوریدگان غمش   اگر ریش بینند و گر مرہمش

(اس کے غم کے پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں اور اس پر مرہم رکھتے ہیں)

؎ دمادم شراب الم در کشند
وگر تلخ بینند دم در کشند

(ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

بس ضبط کا کیا اثر ہوتا ہے۔ بس تھوڑے ہی دنوں کے بعد لذت آنے لگتی ہے کہ یہ ساری کلفت تھی کسی کے لئے اور بزبان حال کہتے ہیں ؎

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں لوگ قتل کئے جا رہے ہیں ایک شور ہے تو بھی کوٹھے پر آگیا خوب تماشا ہے)

بس اس سے ان کو حظ ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کے لئے یہ سب کلفتیں برداشت کر رہے ہیں ؎

خورند از برائے گلے خارہا   کشند از برائے دلے بارہا

(ایک پھول کے لئے کتنے کانٹے کھانے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ایک دل کے پیچھے بہت سے غم برداشت کرنے پڑتے ہیں)

اور کبھی ہمت نہیں ہارتے ان کا عمل اس پر ہوتا ہے ؎

طلبگار باید صبور و حمول   کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

(طلب گار منزل کو صابر اور متحمل مزاج ہونا چاہئے۔ کیونکہ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کیمیاگر رنجیدہ خاطر اور دل آزردہ ہو)

اور ان کا یہ مذہب ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں حضرت عارف شیرازی ؎

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم   کہ من نیز از خریداران اویم

(میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرا محبوب مجھے جان پہچان لے کہ میں بھی اسکے خریداروں میں ہوں)

چاہے کوئی لذت بھی نہ ہو۔ فرحت بھی نہ ہو۔ اگر لذت اور فرحت کے لئے امتثال کیا تو کیا امتثال کیا۔ لذت اور فرحت کچھ بھی نہ ہو پھر بھی وہ یوں کہتے ہیں ؎

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم   کہ من نیز از خریداران اویم

بس فقط محبوب حقیقی کے راضی کرنے کے لئے ان سب کلفتوں کو برداشت کرو پھر خواہ وہ ان کلفتوں کو مٹا دیں نفس و شیطان پر غالب کر کے اور راحت

فرمادیں یا اسی طرح کشاکشی میں مبتلا رکھیں مگر اپنی طرف سے اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے۔ نفس کے روکنے میں جو کلفتیں پیش آویں برداشت کرو اور کچھ نہیں تو۔

وہ تو دیکھیں گے کہ میرے راضی کرنے کے لئے کیسے کیسے تقاضوں پر غالب آرہا ہے باقی میں بشارت دیتا ہوں کہ چند روز تو امتحان ہوگا پھر اُدھر سے مدد شروع ہوگی اور انشاءاللہ آپ کو سب تقاضوں پر غالب کر دیا جاویگا۔ کیوں صاحب پہلوانوں کو کشتی لڑتے نہیں دیکھا۔ پہلوان پورا زور صرف کرتا ہے تب مقابل کو پچھاڑتا ہے۔ بیکار ہو کر تو نہیں کھڑا ہوتا۔ اسی طرح تمہارا نفس وشیطان سے مقابلہ ہے اور تم یہ چاہتے ہو کہ دل کے اوپر کوئی مار نہ ہوا ور غلبہ ہو جاوے پوری کوشش کرو۔ سرکار عالی ہمت دیکھ کر اگر تم میں قوت بھی نہ ہوگی غالب آنے کی تب بھی غالب کر دیں گے۔ جب دیکھیں گے کہ عاجز آگیا ہے خود مدد فرمادیں گے تم اپنا سا زور کر کے تو دیکھ لو۔ اگر کہو کہ صاحب اختیار میں نہیں تو یہ صریح قرآن وحدیث کی تکذیب ہے۔ قرآن وحدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اُس قدرت سے کام لو جب تم عامل ہو گے تو تمہیں خود معلوم ہو جاوے گا کہ واقعی ہمیں قدرت حاصل ہے۔ رہا شیطان سو خدائے لایزال میں سیکڑوں قسمیں کھاتا ہوں کہ مومن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ ہر مومن ہر شیطان پر غالب ہے۔ مثلاً نظر حرام کے موقع پر آنکھ اپنی نیچی رکھیں۔ پھر شیطان کیا زبردستی اس پر کرے گا۔ ہاں شاید کوئی شیطان الانس ایسا بھی کر دے تو آنکھیں بند کر لے اور اگر اس پر بھی نہ مانے اور زبردستی آنکھیں چیر کر کھولے تو نظر کی شعاع کو آگے نہ بڑھنے دے۔ یہ تو اس جابر کے اختیار میں نہیں۔

غرض کوئی بات نہیں جو انسان نہیں کر سکتا۔ ہاں تکلیف ضرور ہوتی ہے سو اس کو برداشت کرنا چاہیئے۔ خدا کے ساتھ تو نسبت اور پھر تکلیف سے بچنا چاہو۔ حضرت بلا تکلیف اُٹھائے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ؎

نازپرورد تنعم نہ برد راہ بدوست

عاشقی شیوہ رندانِ بلاکش باشد

اپنی طرف سے تو ساری عمر تکلیف میں رہنے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہیئے پھر مالک چاہے دو دن بھی تکلیف میں نہ رکھے۔ تم کو تجویز کرنے کا کیا حق حاصل ہے یہ خدائی ہے یا بندگی ہے، جناب یہ بندگی ہے کوئی کھیل نہیں ہے۔ پس اپنا مذہب یہ رکھنا چاہیئے ؎

چونکہ برمیخت بہ بندد بستہ باش

چوں کشاید چابک وبرجستہ باش

سوچو تو کہ اگر خدا نا کردہ ساری عمر کے لئے کوئی بیماری لگ جاوے مثلاً اندھا ہو جاتا ہے تو کیا مر رہو گے، آخر برداشت کرو گے اور عمر اسی طرح تیر کر دو گے اسی طرح اگر حق تعالیٰ کسی باطنی مصیبت میں مبتلا کر دے تو صبر کرو انشاءاللہ غالب آؤ گے۔ اور اگر کلفت برابر بھی رہے گی تو کیا ہے اگر اسی میں مر گئے تو شہید اکبر مرو گے۔ حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ عَشِقَ فَکَتَمَ وَعَفَّ مَاتَ شَہِیْدًا اگر کوئی عشق میں مبتلا ہو جاوے اور عفت اختیار کرے اور دوسرے کو رسوا نہ کرے بلکہ اپنے عشق کو چھپائے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر جائے تو وہ شہید مرتا ہے تصور بھی خلاف شریعت نہ کرے چاہے اس گھٹن اور تکلیف سے مر ہی جاوے لیکن خلاف شریعت کوئی کام نہ کرے۔ سنو تو آخر کسی دن تو مرو گے۔ یہ کیوں چاہتے ہو کہ نیت باندھ کے

مریں یعنی مریں بھی جیسے ہم چاہیں۔ جب پیدا نہیں ہوئے اپنی مرضی کے موافق تو موت اپنی مرضی کے موافق کیوں چاہتے ہو۔

(کاتب وعظ عرض کرتا ہے کہ بیان نہایت جوش وخروش کے ساتھ ہو رہا تھا اور مجمع میں ایک سکتہ کا سا عالم تھا بالخصوص ایک صاحب پر جو عشق مجازی میں مبتلا تھے بے حد اثر تھا اور ان پر نہایت شدت کے ساتھ گریہ طاری تھا۔ ان کو ایک دوسرے صاحب بار بار دیکھتے تھے۔ حضرت نے ان کو جھڑکا کہ یہ کیا لغو حرکت ہے تم اپنے کام میں لگو)

تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ جیسے ہم چاہیں ویسے زندہ رہیں اور جیسے ہم چاہیں ویسے مریں۔ تمہیں تجویز کرنے کا حق کیا ہے۔ خدا تعالیٰ جیسے چاہیں گے رکھیں گے آرام میں یا تکلیف میں اور جس حالت میں چاہیں گے ماریں گے۔ لیکن میں بشارت دیتا ہوں اگر تم اپنی طرف سے عمر بھر تکلیف میں رہنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ گے تو اس تفویض کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد راحت نصیب کر دیں گے اور ایسی راحت نصیب کریں گے جس کو تم بھی راحت سمجھو گے۔ ہمت کر کے تو دیکھو ؎

چند روزے جہد کن باقی بخند

بس چند روز کی مصیبت ہے پھر ہنسنا ہے کھیلنا ہے۔ وعدہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔

(جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے)

نافرمانی میں خاص اسی وقت تو لطف آجاتا ہے لیکن پھر بعد کو بس پوری مصیبت کا سامنا ہے۔ مثلاً دن کو ایک حسین عورت سامنے سے گذری۔ نفس

نے دیکھنے کا بہت تقاضا کیا لیکن فوراً آنکھیں بند کر لیں نظر کے روکنے میں اس وقت تو بہت تکلیف ہوگی لیکن جب الگ ہو گئے تو واللہ دیکھو گے کہ دل میں ایک بہار ہوگی اور سارا دن ساری رات آرام میں گذرے گا۔ اور اگر نظر بھر کر دیکھ لیا اور پھر چار دن نظر نہ آئے تو دوزخی کی زندگی گذرے گی کہتے ہیں کہ صاحب نظر کے روکنے کی کلفت نہیں اٹھتی۔ میں کہتا ہوں کہ ایک منٹ کی تو کلفت نہ اٹھی اور چار دن کی کلفت اٹھا لو گے۔ یہ تو وہی ہوا کہ گنا دے بھیلی دے بعض کو بعض معاصی کی نسبت یہ غلطی ہو گئی ہے کہ ایک مرتبہ اچھی طرح دل کھول کر گناہ کر لینے سے ارمان نکل جاوے گا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس سے قلب کے اندر جڑ اور زیادہ جمتی ہے گو اس وقت کچھ تسکین سی ہو جاوے۔ تمباکو کی سی لت ہے کہ جتنا پیو گے اتنی ہی اور لت بڑھے گی۔ اور اگر ہر بار خواہش کو روک لو گے تو کچھ دن بعد بالکل بجھ جاوے گی یوں ہی نفس کو مارو۔ انشاء اللہ مادہ فاسد جڑ پیڑ سے نکل جاوے گا۔ خلاصہ عذر کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب ہمت نہیں ہوتی۔ دین کے واسطے تو ہمت نہیں ہوتی اور دنیا کے واسطے بڑی ہمتیں کرتے ہو۔

حضرت اگر کوئی حاکم آپ پر ایک شخص کو مسلط کر دے کہ جس وقت یہ نامحرم پر نظر کرے فوراً اس کی آنکھوں میں تنکے دے دینا تو سچ کہئے کیا پھر بھی نظر کو نہ روک سکو گے۔ دیکھیں تو پھر نظر کیسے نہیں رکتی۔ پھر افسوس ہے اللہ میاں کے تنکوں کا ڈر نہیں۔ بات یہ ہے کہ تکلیف اٹھانا گوارا نہیں۔ ورنہ سب کچھ ممکن ہے۔ خدا کے طالب نہیں راحت کے طالب ہیں مگر راحت حقیقی بھی تو اللہ ہی کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○

ہیچ کنجے بے ددوبے دام نیست

جز بہ خلوت گاہ حق آرام نیست

(کوئی گوشہ بے دوڑ دھوپ اور بغیر دام کے نہیں ہے۔ سوائے خلوت گاہ کی حق کے آرام نہیں ہے)

جدھر جا: مصیبت ؎

گر گریزی بر امید راحتے　　زاں طرف ہم پیش آید آفتے

(اگر کسی راحت کے خیال پر بھاگتا ہے تو اس جگہ بھی تجھ کو آفت پیش آئے گی)

ہیچ کنجے بے ددوبے دام نیست

جز بہ خلوت گاہ حق آرام نیست

اطمینان قلب کہیں میسر نہیں ہو سکتا۔ اگر اطمینان قلب چاہتے ہو تو قلب کے اندر اللہ کی یاد بسالو۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ذکر شروع کرتے ہی اطمینان کا درجہ کامل ہو جاوے گا بلکہ جب ذکر سبب ہے اطمینان کا تو جتنا ذکر بڑھے گا اتنا ہی اطمینان کا درجہ بڑھے۔ جب ذکر کامل ہو جائے گا اطمینان بھی کامل ہو جاوے گا۔ پھر اس دولت سے مشرف ہوگے مرتے وقت اور صاحب سچ یہ ہے کہ ہزاروں زندگیاں قربان ایسے مرنے پر کہ ارشاد ہوگا۔

یٰۤاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۚ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۔ اے جان اطمینان والی جس کو ذکر اللہ میں چین تھا آجا اپنے رب کی طرف اور بلفظ ارجعی میں ایک لطیفہ ہے یعنی اس میں اشارہ ہے کہ تم تو خدا ہی کے پاس تھے یہاں تو تم آکر اجنبیوں میں مبتلا ہو گئے تو تمہارا مرنا اصل کی طرف واپس جانا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

ہر کسے دور ماند از وصل خویش　　باز جوید روزگار وصل خویش

(جو شخص اپنی معرفت سے دور ہو تو وہ زمانہ سے اپنا وصال تلاش کرتا ہے)

حضرت عارف جامی کہتے ہیں ؎

ولا تا کے دریں کاخ مجازی　　کنی مانند طفلاں خاک بازی

(اے دل کب تک تو اس عارضی اور ناپائدار دنیا میں بچوں کی طرح خاک چھانتا رہے گا)

چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی　　چو دوناں جغد ایں ویرانہ گشتی

(تو کیوں اس آشیانہ سے بیگانہ ہو گیا۔ کمینوں کی طرح اس ویرانہ کا تو الو کیوں بن گیا)

اب اس سے یہ بھی سمجھ لو کہ پھر تم کو دنیا و آخرت کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے اور اس کو اس مثال سے سمجھو کہ تم کبھی جلال آباد سے مظفر نگر جاتے ہو تو جو چیز وہاں اچھی ہوتی ہے اس کو یہاں لا کر برتتے ہو پھر یہاں دنیا میں آکر آخرت سے کیوں اجنبی ہو گئے۔ چاہئے یہ کہ دنیا بھی ملے تو آخرت ہی کے واسطے لے جاؤ۔ قارون کو خطاب ہے۔ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ الآیہ

(ترجمہ) دنیا میں سے کچھ حصہ آخرت کے لئے لے لے اور بھول مت اپنے اس حصہ کو الخ

یا ہر جلال آباد کے تلاش معاش میں جاتے ہو وہاں سے کما کر لاتے ہو اور یہاں کھاتے ہو اسی طرح آخرت کے لئے یہاں سے کمائی کر کے اور بٹور

بٹار کر وہاں لے جاؤ۔ یہاں سے ذخیرہ آخرت جمع کر کے اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ۔ دنیا میں آخرت کی فکر سے غافل مت رہو کیونکہ جہاں سے آئے تھے وہیں لوٹ کر جانا ہے اور یہاں سے لوٹ کر وہاں جاؤ تو کس طرح جاؤ۔ جس طرح آگے اس نفس کے خطاب میں فرماتے ہیں رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً تم اللہ سے راضی ہو اللہ تم سے راضی، دیکھئے بہت سے لوگ لاکھوں روپیہ حکام کی خوشنودی کرنے کو خرچ کرتے ہیں۔ کیا ہر ہر حاکم کی خوشنودی تو مطلوب ہو اور حاکم حقیقی ہی کی خوشنودی مطلوب نہ ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اے نفس مطمئنہ اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ حق تعالےٰ نے یہاں دو ثمرے ذکر فرماتے ہیں۔ خاص بندوں میں شامل ہونا اور جنت میں داخل ہونا۔ ذرا غور تو کیجئے خاص بندوں میں داخل ہونے کو پہلے فرمایا ہے پھر جنت میں داخل ہونا مذکور ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز خاص بندوں میں شامل ہونا ہے جس کی بدولت جنت ملے گی۔ اس جگہ اشارۃً یہ بات بھی ظاہر فرما دی کہ اگر ہمارے خاص بندوں کے ساتھ لگے لپٹے رہو گے تو جنت میں داخل ہونا نصیب ہو جاوے گا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

بے عنایات حق و خاصان حق ۔۔۔ گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(خدا تعالیٰ کی عنایت اور خاصان خدا کی توجہ کے بغیر راہ سلوک میں سبقت نہیں لے جا سکتے)

بہت لوگ اس غرہ میں ہیں کہ کتابیں دیکھ کر ہم کر سکتے ہیں اپنی اصلاح۔ کیونکہ کتابوں میں سب طریقے مذکور ہیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ واقفانِ فن اور اہل تجربہ سب اس پر متفق ہیں کہ عادۃً ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بدون ماہر فن

شیخ کامل کے آدمی تنہا اپنی اصلاح نہیں کر سکتا۔ محض کتابیں دیکھ کر تربیت باطن تو بڑی چیز ہے۔ دنیا ہی میں نظریں دیکھ لو بلا استاد کے کوئی فن نہیں آسکتا کتاب خوانِ نعمت موجود ہے۔ اس میں سب کھانوں کی ترکیبیں مفصل درج ہیں یعنی پلاؤ کس طرح پکایا جاتا ہے۔ شامی کباب کس طرح بنتا ہے، بھلا کوئی پلاؤ اور شامی کباب پکا تو لے بے استاد کے محض کتاب میں ترکیب دیکھ کر۔ اسی طرح تربیت باطن ہو سکتی بدون شیخ کے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

یار باید راہ را تنہا مرو ۔۔۔ بے قلاوز اندریں صحرا مرو

کوئی رفیق ڈھونڈو بدون رہبر کے اس صحرا میں قدم مت رکھو۔

آگے فرماتے ہیں ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ۔۔۔ ہم بعونِ ہمت مرداں رسید

یعنی اگر شاذ و نادر کسی نے اس راہ کو تنہا قطع بھی کر لیا ہے تو یہ محض ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے ورنہ در اصل کسی نہ کسی مردِ خدا کی توجہ اس کے ساتھ بھی متعلق رہی ہے گو خود اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو کہ کدھر سے یہ فیض آ رہا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مرید ہو جاؤ۔ یہ پھنڈ ہے۔ بیعت برکت کی چیز ضرور ہے۔ اس سے انکار نہیں لیکن اصل چیز محبت اور اتباع ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اگر عمر بھر بھی مرید نہ ہو تو مطلق حاجت نہیں، بڑا ناس کیا ہے۔ پیری مریدی کا بہت سے پیروں نے لوگوں کو یہ سکھلایا ہے کہ بغیر مرید ہوئے کچھ نفع ہی نہیں ہوتا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ان سے اگر کوئی مرید ہو گیا پھر چاہے ان کی کیسی ہی بری حالت ہو تب بھی اُس سے راضی اور اگر مرید نہ ہو تو بعضے اس کو تعلیم تلقین ہی نہیں کرتے جب تک مرید نہ ہو یعنی وہ لوگ عام طور پر اذکار اشغال بتلانے سے بخل کرتے ہیں۔ جیسے کوئی طبیب ہو جس کو کچھ آتا جاتا نہ ہو وہ

اپنے مطب کے نسخوں کی بڑی حفاظت کرتا ہے اگر مطب کے نسخے ہی بانٹ دیئے تو پھر اس کے پاس کیا رہ جاوے گا۔

خلاصہ یہ کہ مرید چاہے ہو یا نہیں لیکن کسی محقق سے تعلق پیدا کرو اگر منزل مقصود تک پہونچنا چاہتے ہو تو پہلے راستہ ڈھونڈو۔ اول تو بعضے تعلق ہی نہیں پیدا کرتے اور بعضے تعلق پیدا کرتے ہیں تو صرف یہ کہ مرید ہو گئے بس اسی کو کافی سمجھتے ہیں رہا ذکر شغل وغیرہ اور اصلاح نفس اس کو پیر کے ذمے سمجھتے ہیں۔ گویا جس کو استاد بنایا اُسی کے ذمّہ سبق بھی یاد کرنا ہو گیا ارے اگر استاد نے سبق بھی یاد کر لیا تو اس کے یاد کر لینے سے تجھے تو یاد نہیں ہو گیا۔ یہ سمجھ رکھا ہے کہ مرید ہوتے ہی بس سب ٹاٹ پالان پیر کے ذمّہ ہو گیا بقول کسی جاہل دیہاتی کے پیر کے۔

ایک گاؤں کا پیر اپنے ایک دیہاتی مرید کے پاس پہنچا۔ پیر صاحب کسی بیماری سے اُٹھے تھے اس لئے دُبلے بہت ہو رہے تھے،

دیہاتی نے دیکھ کر کہا ارے پیر توں (یعنی تو) دُبلا بہت ہو رہا ہے۔

پیر صاحب کو موقع مل گیا۔ کہا ارے بھائی دُبلا نہ ہوں تو کیا ہوں۔ روزے تم نہیں رکھتے وہ مجھے رکھنے پڑتے ہیں تمہارے بدلے، نماز تم نہیں پڑھتے وہ مجھے پڑھنی پڑتی ہے تمہاری طرف سے، روزے نماز نے تمہارے مجھے دُبلا کر رکھا ہے۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مجھے تمہارے عوض پلصراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

دیہاتی نے یہ سن کر کہا کہ وہ ہ، ہ ہ تجھے بڑی محنت ہمارے لئے کرنی پڑے۔ جا میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت دیدیا۔

پیر صاحب نے سوچا کہ یہ دیہات کے لوگ ہیں ان کا کیا اعتبار، اب تو دے رہے ہیں پھر کہیں نیت بدل جائے اس لئے ابھی چل کر کھیت پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ کہا تم چل کر قبضہ کرا دو۔

دیہاتی ساتھ ہو لیا اور پیر کو آگے کیا کہ اچھا چل میں تجھے وہ کھیت دکھلا دوں۔ راستہ میں کھیتوں کی ڈولیں پڑیں چلتے چلتے پیر صاحب کا پیر جو پھسلا تو مینڈھ کے نیچے جا رہے، دیہاتی نے اُوپر ایک لات اور رسید کی کہ سہرے تُو تو کہتا تھا کہ میں تمہاری عوض پلصراط پر چلتا ہوں جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے چار اُنگل کی مینڈہ پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا پلصراط پر تو کیا چلتا ہو گا تو جھوٹا ہے۔ جا ہم کھیت نہیں دیتے یہ کہکر راستہ ہی سے لوٹ آیا۔ لات ماری الگ اور کھیت چھین لیا سو الگ۔

اب ایسے جھوٹے پیروں نے صدیئیں گذر گئیں یہ ذہن نشین کرا رکھا ہے کہ پیر سارا بوجھ اٹھا لیتا ہے، آخرت کا بوجھ بھی اُسی کے سر پر اور دنیا کا بوجھ بھی اسی کے سر پر تو وہ پیر کا ہیکو ہوا پلّہ دار ہوا آخرت کا۔ اور دنیا کی مثال بھنگی کی سی ہوئی، کہ ہگو تم اور اٹھاوے وہ۔ مقدمہ بھی اسی کے ذریعہ فتح ہو جاوے گا، بیٹا بھی اسی کے ذریعہ ہو جاوے گا۔ اجی وہ تو دنیا کا اپنا بوجھ بھی نہیں اُٹھاتے تمہارا تو کیا اٹھاویں گے۔ یہاں پر میں ایک مثال دیتا ہوں جو دوستوں کے کام آوے گی۔

پیر اور مرید کا تعلق بالکل مریض اور طبیب کا سا ہے۔ مریض اگر طبیب سے صرف یہ کہدے کہ میں آج سے تمہارا مریض ہوں اور طبیب اس سے اقرار کرلے کہ میں آج سے تیرا طبیب ہوں تو کیا محض اس عہد و پیمان ہی سے شفا ہو جاوے گی

ہرگز نہیں)

علاج تو کرانا ہی ہوگا۔ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جا کر طبیب سے خود مرض کو بیان کرتے ہیں خود کہتے ہیں کہ یہ روگ ہے مجھے۔ یہ نہیں کرتے کہ گئے اور چپ بیٹھ گئے۔ اسی طرح روز چار گھنٹے بیٹھ آئے نہ کچھ حال کہنا نہ نسخہ لکھوانا۔ نہیں بلکہ وہاں تو بار بار ایک ایک حال کو بالتفصیل طبیب کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتا بھی ہے کہ میں سمجھ گیا لیکن اصرار ہوتا ہے کہ ذرا اور سن لیجئے تسلی نہیں ہوتی کہ شاید کوئی اور بات بیان کرنے سے رہ گئی ہو۔

لیکن پیر کمبخت کی یہ کمبختی کہ اس سے کوئی حال اپنے امراض باطنی کا نہ کہا جاوے۔ بلکہ تمہارے اندر جو امراض ہیں ان کو وہ خود ہی بیان کرے اور خود ہی بدون تمہاری طلب کے اُن کا علاج کردے۔ تو گویا وہ فوٹوگرافر ہوا کہ تمہارے دل کے اندر جو کچھ ہے وہ خود بخود اس کے دل میں آجاوے اور اگر کشف کا بھروسہ ہو تو خوب سمجھ لیجئے کہ اول تو کشف اختیاری نہیں کہ جس وقت چاہا دوسرے کے دل کا حال معلوم کرلیا دوسرے اگر کشف ہو بھی گیا تو بدون تمہارے طلب کئے اس کی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ زبردستی سر ہوتا پھرے وہ محتاج نہیں ہے یہ خود محتاج ہے مانگے گا تو دیں گے۔ اور اگر مانگتے بھی عار آتی ہے تو ان کی جوتی سے پھر یہ بھی ہے کہ کشف کی اُن کے نزدیک کوئی قدر نہیں۔ وہ نہ اس کو کمال سمجھتے ہیں نہ اس پر اعتماد رکھتے ہیں۔

کشف را برکفش می زنند

اور واقعی کشف کوئی چیز قابل قدر کے ہے بھی نہیں۔ کافروں تک کو کشف ہوتا ہے۔ جوگیوں کو کشف ہوتا ہے۔ شیطانوں کو کشف ہوتا ہے بلکہ جانوروں تک کو کشف ہوتا ہے۔ یہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ

بہائم کو قبر کا عذاب منکشف ہوتا ہے۔ لو صاحب یہ حقیقت ہے کشف کی جس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں پیروں کا۔

غرض یہ ہے کہ طبیب سے جس طرح رتی رتی اپنا حال ظاہر کردیتے ہو اور اپنے روگ چھپانا نہیں چاہتے۔ اسی طرح پیر سے بھی اپنا کچا چٹھا بیان کردو۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ خود تو کیا بیان کرتے اگر کوئی پیر خود ہی کسی بات پر ٹوکتا ہے تو باتیں بنانے بیٹھ جاتے ہیں۔ کسی غلطی پر متنبہ کیا تو وہیں اس کی توجیہ کرنی شروع کردی۔ جب تم کہتے ہو کہ ہمارے اندر عیب نہیں تو دوسرا کس چیز کی اصلاح کرے۔ جب تم بیمار ہی نہ ہو تو طبیب علاج کیا کرے ؎

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کجا مشکل جواب آنجا رود — ہر کجا رنجے شفا آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود — ہر کجا پستی ست آب آنجا رود

(جس جگہ درد ہوتا ہے دوا اسی جگہ کام دیتی ہے۔ جس جگہ بیماری ہوتی ہے شفا کی ضرورت وہیں ہوتی ہے)

جب تم نے مرض ہی بیان نہ کیا تو کوئی علاج کیا کرے۔ اگر پیر کسی عیب پر متنبہ کرے تو اس کی تقریر کو خوب غور سے سنئے اور سوچ سمجھے یہ نہیں کہ توجیہ کرنی شروع کردے۔ بلکہ اگر وہ عیب اس میں نہ بھی ہو تب بھی اس کا کیا بگڑ گیا۔ چلو ایک کام کی بات ہی معلوم ہوگئی۔ اگر خارش نہیں ہے تب بھی نسخہ تو پوچھ لو کسی وقت کام آوے گا۔ پھر تمہارا یہ سمجھنا بھی قابل اعتبار نہیں کہ ہم میں یہ عیب نہیں بعض اوقات اپنا مرض خود اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔ طبیب نے نبض اور قارورہ دیکھ کر اپنی بصیرت فن سے یہ تشخیص کیا کہ خارشت کا مادہ

یعنی سودا بدن میں پیدا ہوچکا ہے اس کا جلد انسداد کرنا چاہئے ورنہ عنقریب خارشت ہونے والی ہے یہ سنکر مریض کو چاہئے کہ فوراً علاج کی فکر شروع کردے یہ نہیں کہ اس کی تردید شروع کردے کہ نہیں صاحب میں بالکل تندرست ہٹا کٹا ہوں مجھے کیوں خارشت ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ پیر کے سامنے اپنا اصلی مرض بھی بیان کردو اور خود بیان کردو اس کے منتظر نہ رہو کہ وہ خود پوچھے یا کشف سے معلوم کرلے جب طبیب سے سب حال کہدیا جاتا ہے تو وہ مرض تشخیص کرکے نسخہ لکھتا ہے۔ اس کے استعمال کے بعد پھر اطلاع حالات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اب یہ حال ہے پھر اس کے مطابق نسخہ میں مناسب تغیر و تبدل کیا جاتا ہے۔

یہی طریقہ شیخ سے رجوع کرنے کا ہے کہ اوّل مرض بیان کردو پھر وہ جو کچھ تجویز کردے ذکر شغل مجاہدہ یا اور کچھ علاج اس پر عمل کرکے اطلاع ان باتوں کی دو کہ یہ مرض تشخیص کیا گیا تھا۔ یہ علاج تجویز کیا گیا اس کو میں نے اتنے دن استعمال کیا اب یہ حال ہے۔ اب ہم آگے کونسا نسخہ استعمال کریں۔

اب آپ ایمان سے بتلا دیجئے فیصدی کتنے روحانی مریض ہیں جو ایسا معاملہ پیروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر الٹی پیروں کی شکایت ہے کہ توجہ نہیں کرتے اب پیر کیا سر دیدیں۔ کبھی تم نے اپنا مرض بیان کرکے علاج تجویز کرا کے اس پر عمل کرکے حالات کی اطلاع دیکر آئندہ کو ہدایت لی۔ یا بس ہاتھ میں ہاتھ دے کر اور مریدی کا نام کرکے پھر غائب غلّہ سب کام طریقہ سے ہوا کرتے ہیں۔

غرض فَادخلی فی عبادی میں جو خاص بندوں کے ساتھ شامل ہونے کا ذکر ہے اس کا طریقہ برتاؤ کرنے کا یہ ہے جو میں نے بیان کیا دو چیزیں

خلاصہ کے طور پر یاد رکھئے۔ 'اطلاع و اتباع'۔ یہ دونوں لفظ ہم قافیہ بھی ہیں آسانی کے ساتھ یاد بھی رہ جاویں گے۔ امراض اور حالات کی اطلاع کرتا رہے اور جو کچھ شیخ تجویز کردے اس کا اتباع کرتا رہے۔ بس انہی دو چیزوں کو عمر بھر لئے رہے اپنا کچا چٹھا کہدے لوگ پیروں سے بھی اپنے مرضوں کو چھپاتے ہیں۔ بھلا بے کہے کسی کا مرض کیسے آجاوے ذہن میں۔ یہاں تک چاہئے کہ اگر کوئی نیا کام دنیا کا بھی کریں تو اتنا پوچھ لیں کہ باطن میں تو مضر نہ ہوگا۔

ہم یہ تجارت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے مناسب ہے یا نہیں۔ اس غرض سے نہ پوچھے کہ یہ معلوم ہوجاوے گا کہ اس تجارت میں نفع ہوگا یا نہیں اور پیر صاحب اللہ میاں سے پوچھ کر کہدیں گے کہ ہاں ہوگا۔ اس غرض سے ہرگز نہ پوچھے یہ گندی غرض ہے۔ بلکہ یہ پوچھے کہ ہم فلاں تجارت کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے باطن کو تو مضر نہ ہوگی۔ ہم فلاں عہدہ پر منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ ہم انگریزی پڑھنا چاہتے ہیں یا طب پڑھنا چاہتے ہیں یہ ہمارے باطن کو تو مضر نہ ہوگا۔ یہ ہیں پوچھنے کی باتیں۔ اب تو یہ حال ہے کہ جو جی میں آیا کرلیا۔ پیر کو خبر بھی نہیں چاہے باطن کا بیڑا ہی ہوجائے۔ کہتے ہیں یہ ہمارے دنیا کے معاملات ہیں ان کی اطلاع کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ ان معاملات کا بھی باطن پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

اس لئے جب کوئی نیا کام دنیا کا کرے ضرور اس کی اطلاع کرکے پیشتر مشورہ لے لے یہ ہے گویا طریقہ اپنی اصلاح کا یاد رکھو ان سے اپنے امراض کا کہنا ضروری ہے۔ اور اگر ان سے اپنے امراض اس لئے چھپاتے ہیں کہ ہم کو ذلیل سمجھیں گے تو یہ خوب سمجھ لیجئے کہ وہ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے

کہ تم نے اس کو پیر ہی نہ سمجھا۔

اول تو ان میں تکبر نہیں ہوتا وہ خود اپنے آپ کو سب سے زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ پھر ایسا شخص دوسروں کو کیا ذلیل سمجھے گا۔ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جو اہل تحقیق میں سے ہیں وہ اللہ جانے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے۔ غصہ کرنا اور بات ہے۔ اس کے راز ہیں دو۔ دو چیزیں ان کی نگاہ میں ہر وقت رہتی ہیں۔ ایک تو اپنے عیوب جس کی دونوں آنکھیں پھٹ۔ ہوں وہ کانے پر کیا ہنسے۔ دوسرے وہ عالم میں حق تعالے کے تصرفات کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ سب کی ڈوریاں اللہ میاں کے ہاتھ میں ہیں۔ جن کو اُدھر کھینچا وہ ادھر کھنچ گئے جن کو اِدھر کھینچ لیا وہ ادھر کھنچ آئے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کو حقیر کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ غرض ان سے بلا خوف اپنے سب امراضِ ظاہر کر دو اور علاج کرو جو کچھ وہ بتلا دیں یہ ہے طریق خاص بندوں میں داخل ہونے کا جس کا اشارہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ میں ہے۔ اور یاد رکھو یہ وہ دولت ہے کہ اس کا آخرت میں تو حظ حاصل ہو ہی گا۔ دنیا میں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا وہ حظ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے یہ سُنا ہے کہ جنت میں آپس میں دوستوں میں ملاقاتیں ہوا کریں گی مجھے جنت کی تمنا ہو گئی ہے یعنی ملاقاتیں احباب کی یعنی اللہ کے بندوں کی اور اللہ کے بندوں میں شمار ہونا یہ جنت کی بھی اصل ہے جنت اس کی شاخ اور فرع ہے گویا بالقوہ دنیا ہی میں جنتی ہے وہ شخص جس نے اللہ والوں کے ذریعہ سے اللہ سے تعلق پیدا کیا۔

اب تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ ثمرہ ہے اطمینان کا اور یہ طریقہ ہے اطمینان حاصل کرنے کا۔ دیکھا آپ نے اطمینان کیا چیز ہے۔ گویا دنیا کا

بھی نفع اور دین کا بھی نفع۔

اِسی کو فرماتے ہیں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ہوشیار ہو کر سُن لو قلوب کا اطمینان صرف ذکر اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ اس کے بعد آپ ضرورت نہ ہوگی کسی کو پریشان ہونے کی۔

اگر پریشانیوں سے بچنا چاہتے ہو۔ مثلاً بے اولاد ہو یا کوئی بیماری ہے جس سے تنگ آ گئے ہو تو اصلی علاج یہ ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کر دیکھو پھر دیکھنا کہاں ہے پریشانی۔ امراء کو ناز ہے اپنے پلاؤ، قورمہ پر اور اہل اللہ کو اپنے روکھے سوکھے ٹکڑوں میں وہ مزا ہے جو ان کو پلاؤ قورموں میں بھی نہیں۔ میں ان چیزوں کے کھانے کو منع نہیں کرتا۔ مطلب میرا اس کہنے سے یہ ہے کہ آپ کو ایک مزا گھی کا ہے اور ایک مزا گوشت کا۔ ان کو تیسرا مزا اس تصور کا ہے کہ یہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے۔ محبوب کے ہاتھ کی ملی ہوئی مٹھائی ہے۔ جب یہ تصور جم گیا پھر واللہ ان کو اس تصور میں وہ مزا آتا ہے جو امراء کو پلاؤ قورمہ میں بھی میسر نہیں۔ اصلی پڑیہ جو لذت کی ان کے پاس ہے وہ تو یہ ہے۔ چوتھے بھوک کا مزہ ہے۔ ان کا معمول ہے کہ جس روز بھوک نہیں لگتی اس روز کھانا بالکل ناغہ کر دیتے ہیں۔ پھر اگلے وقت کس مزے سے کھاتے ہیں۔

امرار کے یہاں یہ ہے کہ خادم نے اطلاع کی حضور کھانا تیار ہے۔ حضور نے سوچا کہ بھوک ہے یا نہیں۔ بھلا وہ بھوک ہی کیا جس کے معلوم کرنے کے لئے مراقبہ کی حاجت پڑے۔ کہا کچھ بھوک تو ہے نہیں۔ خادم نے عرض کیا کچھ تو حضور کھا لیں (نہیں تو سوکھ کے کھجور نہ ہو جائیں گے حضور)

حضور نے صرف اس ضرورت سے کہ معمول قضا نہ ہو کہا اچھا لے آؤ لاحول ولاقوۃ یہ بھی کوئی وظیفہ ہے کہ قضا نہ ہونے پاوے۔

پانچویں یہ لذت ہے کہ مثل امراء کے ان کا یہ معمول نہیں کہ متعدد کھانے کھائے جاویں۔ جو ایک کھانے میں مزہ ہوتا ہے وہ متعدد کھانوں میں کہاں، متعدد کھانے کھانا اصول طب کے بھی تو خلاف ہے۔ موجز میں ہے۔

وَكَثْرَةُ الْاَلْوَانِ مُحَيِّرٌ لِلطَّبِيْعَةِ کئی چیزیں اگر کھائی جاویں تو معدہ اچھی طرح ہضم نہیں کرتا کیونکہ طبیعت متحیر ہو جاتی ہے اور طبیعت بعد کھانے کے تو متحیر ہوتی ہی ہوگی کھانے سے پہلے بھی اس طرح متحیر ہوتی ہے کہ اس کو کھاؤں یا اس کو، خیر آدھی بھوک اس میں سے کھایا آدھی بھوک اس میں سے۔ پھر تیسری چیز نے کہا مجھے بھی کھاؤ آدھی بھوک کی قدر اس میں سے بھی کھالیا۔ غرض ڈیڑھ بھوک کھا گئے۔ پیٹ ہے یا ربڑ کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ آخر میں ضرورت پڑی کہیں نمک سلیمانی کھا رہے ہیں کہیں چورن پھانک رہے ہیں۔ ارے اتنا کھایا ہی کیوں تھا ایسے بدمذاق لوگ بھی موجود ہیں۔

کانپور میں ایک صاحب نے میری دعوت کی جس میں انھوں نے بجائے روٹیوں کے پراٹھے پکوانے چاہے۔ میں نے کہا میں پراٹھا نہیں کھا سکتا کیونکہ مجھے ہضم نہیں ہوتا تو ایک اور صاحب کیا فرماتے ہیں کہ کیوں ہضم نہیں ہوتا۔ معدہ کا علاج کرنا چاہیئے۔ ہضم کرنا چاہیئے۔

میں نے کہا سبحان اللہ کوئی میں اپنا علاج کروں گا تمہارے پراٹھے کھانے کے لئے، تو وہ حضرات اکثر ایک کھانا کھاتے ہیں اور بڑے

لطف سے کھاتے ہیں امراء اس لطف کے لئے ترستے رہ جاتے ہیں۔

ہم نے بھی مولانا شاہ فضل الرحمٰنؒ صاحب گنج مرادآبادی کے یہاں اکثر ارہر کی دال اور روٹی کھائی تھی۔ جو مزہ اُن کے اس کھانے میں آیا وہ بڑی بڑی دعوتوں میں بھی نہیں آیا۔ اس دال پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لطیفہ یاد آیا۔ ان کے یہاں کوئی رئیس مہمان آئے۔ گھر والوں نے پوچھا کہ کیا پکانا چاہیئے۔ فرمایا بس دال روٹی بھیجدو۔ عرض کیا گیا کہ حضرت لوگ ایسے ایسے لذیذ کھانوں کے کھانے والے ہیں بھلا ان کو دال کیا پسند آئے گی۔

فرمایا میاں كُلُّ جَدِيْدٍ لَذِيْذٌ ان کے لئے تو نئی چیز یہی ہے انھیں مزیدار کھانا کھلانا چاہیئے۔ خیر یہ تو لطیفہ تھا۔

مطلب یہ تھا کہ خوشامد کی کیا ضرورت ہے وہاں کسی کی خوشامد نہ تھی غرض ان کو کھانے میں بھی بڑا لطف آتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سارے چین حالی، قالی، مالی ظاہری باطنی روحانی جسمانی، دنیوی، اخروی اگر ہیں تو اللہ سے تعلق رکھنے والوں کو۔ وہ افلاس میں بھی راضی۔ مرض میں بھی راضی۔ تکلیف میں بھی راضی۔ مصیبت میں بھی راضی۔ غرض سب پر راضی۔ کسی حالت پر ناراض ہی نہیں۔

اب میں ایک حکایت حضرت بہلول کی نقل کرکے پھر ختم کرتا ہوں۔

حضرت بہلول نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔

فرمایا میاں اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جو اس کی خواہش کے موافق نہ ہوتا ہو۔

حضرت بہلول نے عرض کیا کہ حضرت ایسا کہاں سے ہو سکتا ہے یہ تو

کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

فرمایا؟ جس نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کر دیا ہو اس کی خواہش کے خلاف کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر ہے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے خدا کی خواہش کے موافق ہو رہا ہے اور اس شخص کی خواہش خدا کی خواہش میں فنا ہو کر عین خواہش حق ہو گئی ہے۔ لہٰذا جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اس کی خواہش کے موافق ہو رہا ہے۔ اور جب خواہش کے موافق ہے تو خواہ کسی حالت میں بھی ہو چین میں ہے۔

خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ بس ذکر اللہ ہی ٹھیری ایک چیز جس میں چین اور اطمینان منحصر ہے اور جس کا طریقہ بھی معلوم ہو گیا۔ اس طریقہ کا معین ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا اور ان کی نعمتوں کا مراقبہ۔ اس مجموعی طریق پر عمل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ حالات پیدا ہوں گے جس کو ذکر حقیقی کہہ سکتے ہیں۔

خلاصہ طریق کا یہ ہے کہ کسی صاحب کو اپنا رہبر تجویز کرو اور اس کی پیروی کرو اس کے دامن کے سایہ میں رہ کر زندگی ختم کر دو اس کے سوائے نہ کہیں چین ہے نہ آرام۔ میں پھر وہی شعر پڑھتا ہوں ؎

ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست ۔۔۔ جز بہ خلوت گاہِ حق آرام نیست

(کوئی گوشہ بے دوڑ دھوپ اور بے دام کے نہیں ہے سوائے خلوت گاہِ حق کے آرام نہیں ہے)

مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں کہہ چکا۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ تمّ بحمد اللہِ الّذی بنعمتہٖ تتمّ الصالحات ۵

تمّت

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمّٰی بہ

مِلّتِ ابراہیم

منجملہ ارشادات حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال ۲ کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

الوعظ المسمّٰی بہ

مِلّتِ ابراہیم

نام وعظ	مقام وعظ	تاریخ ویوم	وقت	تعداد سامعین
ملت ابراہیم	سورتی جامع مسجد رنگون	جمعہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۲۰ء	بعد نماز جمعہ	اندازاً دو ہزار

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اما بعد فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰھِیۡمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ وَلَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہوا اور ہم نے اُن کو دنیا میں منتخب کیا اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں سے ہیں۔ جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار

کرو انھوں نے عرض کیا میں نے اطاعت کی رب العالمین کی) جس آیت کی میں نے اس وقت تلاوت کی ہے اس میں ایک خاص مضمون موجود ہے جسے باقتضائے وقت بیان کے لئے اختیار کیا گیا ہے اور وہ مقتضائے وقت یہ ہے کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ رنگون میں میرے حاضر ہونے کا یہ سب سے پہلا موقع ہے۔ اس سے قبل نہ میرا یہاں کوئی بیان ہوا نہ یہاں میرے حاضر ہونے کا کبھی اتفاق ہوا اور جب حاضری ہی کا اتفاق نہیں ہوا تو موقع بیان کا تو کیا ملتا۔ تو گویا یہ اوّل بیان ہے میرا اس مقام پر۔ اس لئے جی یوں چاہتا ہے کہ ایسے مضمون کے متعلق بیان کیا جائے جو سب میں اولیت کا استحقاق رکھتا ہو اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ ہم لوگوں کی حالت کے مناسب بیان ہے تو دین ہی کا ہے تو دین کے اجزاء میں جو سب سے اوّل مقدم جزو ہو اس کو اس وقت بیان کرنا زیادہ زیبا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ دین میں اجزاء مختلف ہیں۔ یعنی کچھ اصول ہیں اور کچھ فروع اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ اصول ہمیشہ قابل تقدیم ہوا کرتے ہیں اور مقدم ہوا کرتے ہیں فروع پر۔ یہ بات بھی سب کو معلوم ہے۔ اس کے علاوہ ایک تیسری بات اور بھی ہے جو سمجھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ خود اصول میں بھی دو درجے ہوا کرتے ہیں۔ ایک تو اصول اور ایک اصل الاصول تو ضرور رہا کہ دین کے اندر بھی سب قسم کے اجزاء ہوں بعض تو فروع کہنے کے قابل اور بعض اصول کہنے کے قابل پھر حسب قاعدہ مذکورہ جو اجزاء اصول کہنے کے قابل ہوں ان میں بھی ایک نہ ایک ایسی چیز ہونی چاہیے جو اُن اصول کی بھی اصل ہو اور جس کو اصل الاصول کہہ سکیں۔ اب رہی اس کی تعیین سو ہر شخص کو معلوم ہے کہ دین کے اندر اصل الاصول کیا چیز ہے ظاہر بات ہے کہ وہ ایسی چیز ہو گی جس کے مقابلہ میں نہ کوئی اصل معتدبہ درجہ رکھتی ہو نہ کوئی فرع یہ سب مقدمات بالکل ظاہر ہیں۔ اس کے بعد میں اپنے مسلمان

بھائیوں کے فقط ایک اجماعی عقیدہ کو نقل کئے دیتا ہوں۔ اس سے خود تعیین اس اصل الاصول کی ہوجائے گی۔ یہ عقیدہ اجماعی ہے اور منصوص ہے اور منصوص بھی نص قطعی کہ بدون اسلام کے کوئی طاعت مقبول نہیں۔ جب طاعت پر مقبولیت ہی مرتب نہ ہوئی تو کوئی چیز معتد بہ نہ ہوئی اس کو سب مسلمان مانتے ہیں کسی سے خلاف وارد نہیں اور اگر کوئی خلاف کرے بھی تو وہ مسلمان نہیں کیونکہ نص قطعی کا انکار ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمادی ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ دین اس سے (نزد خدا) مقبول نہ ہوگا) اِس آیت میں تو صاف نفی کردی ہے دوسرے ادیان کے مقبول ہونے کی۔ دوسری آیت میں گو عنوان مختلف ہے لیکن معنون یہی ہے ارشاد ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ حصر کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک دین فقط اسلام ہے اس میں بھی نفی ہے دیگر ادیان کی صحت کی اس کے علاوہ جابجا جہاں اعمال کے نافع ہونے کا ذکر فرمایا ہے یہ قیدیں بھی مذکور ہیں وھو مؤمنٌ وھو محسنٌ۔ یہ قیدیں تصریحاً ظاہر کرتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بدونِ اسلام کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ کوئی کتنا ہی بڑا عمل کرے لیکن مسلمان نہ ہو تو وہ عمل کچھ بھی نہیں کوئی لاکھ مجاہدے ریاضت کرے مگر مسلمان نہ ہو تو کوئی معتد بہ نتیجہ نہیں کیونکہ اس کی عبادت کے اندر کوئی مقبولیت نہیں چنانچہ خود حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ ایسوں کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے) غرض یہ بالکل ایسا

ہے جیساکہ اہلِ عقل خوب سمجھتے ہیں کہ کسی شخص میں اگر سلطنت وقتیہ کی اطاعت نہ ہو تو اس کے سارے کمالات گرد اور ہیچ ہیں۔ بس اسی کے درجہ میں یہ امر ہے جو میں عرض کر رہا ہوں ہرچند۔ اس مثال کی کوئی ضرورت اور حاجت نہ تھی کیونکہ مثال توضیح کے لئے ہوا کرتی ہے سو اس مسئلہ میں کون سا خفا تھا جو اس کی توضیح کے لئے اس مثال کی ضرورت واقع ہوئی مگر ضرورت اس مثال کی یہ ہوئی کہ آج کل کچھ ایسا مذاق بگڑا ہے کہ ایسی موٹی بات میں بھی شبہ پیدا ہونے لگا ہے جو عقیدے کے درجہ میں گو نہ ہو لیکن رائے کے درجہ میں ضرور ہے وہ شبہ مجھے اس وقت یاد آگیا اور وہ شبہ ہی محرک ہوا اس کا کہ اس مثال سے اس کو رفع کیا جائے بعض خطوط میرے پاس آئے ان میں یہ شبہ پیش کیا گیا تھا کہ صاحب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو مسلمان نہ ہو اس میں سارے کمالات موجود ہوں لیکن اس کو نجات نہ ہوگی۔ تو بعض مدعیان عقل نے یہ شبہ پیش کیا کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص میں تمام کمالات موجود ہیں سخاوت بھی مروّت بھی ایثار بھی قومی ہمدردی بھی۔ آج کل بس یہ اخلاق شمار کئے جاتے ہیں۔ اور آج کل بڑی تہذیب ان اخلاق ہی کو سمجھا جاتا ہے اور عقاید کو عقیدۃً تو نہیں لیکن حالاً دائرہ مفہوم تہذیب سے گویا خارج ہی کر دیا ہے بلکہ عقائد کے اندر تو اپنے آپ کو بالکل مختار ہی سمجھ لیا ہے سمجھتے ہیں کہ عقیدہ تو محض خیال کا نام ہے اور خیال کو بھلا کیا دخل نجات میں عقائد کو تو یوں غیر ضروری قرار دے لیا رہے اعمال سو اعمال کو کسی درجہ میں ضرور موثر سمجھتے ہیں مگر ان میں بھی سب اعمال نہیں محض چند اعمال جن کا نام اخلاق رکھ لیا ہے اور انھیں کو مدار ٹھیرا دیا ہے ترقی اور کمال کا اور انھیں اخلاق کا نام تہذیب رکھا ہے اور ان کے یہ نام ہیں ترحم ایثار ہمدردی نفع رسانی حُبّ قومی۔ بس ان چند اخلاق میں تہذیب کو منحصر سمجھ کر شبہ پیش کر دیا کہ ایک شخص سب بزرگوں کی تعظیم تکریم بھی کرتا ہے۔ کسی نبی کی اہانت بھی نہیں کرتا کسی

کا دل بھی نہیں دُکھاتا۔ داد و دہش بھی کرتا ہے مگر فقط رسالت کا منکر ہے گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی بھی نہیں کرتا۔ اور خدا کو بھی مانتا ہے یا خدا کو بھی نہیں مانتا تو یہ کہا جائے گا کہ صرف دو مفروض کمالات نہیں ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف ان دو مفروض کمالات کے نہ ہونے سے اس کے سارے کمالات پر کیسے خاک ڈال دی جائے گی اور اس کو جہنّم میں ٹھونس دیا جائے گا یہ تو بڑی بے رحمی کی بات ہے اور شبہ کو اس سے قوی کرتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں ایک ایسا شخص ہے جو نہ حلال حرام کی پروا کرتا ہے نہ فرائض کو ادا کرتا ہے۔ نہ نماز کا نہ روزہ کا بلکہ پرلے درجہ کا فاسق وفاجر اور بدکار غرض تمام اعمال اور اخلاق اس کے خراب مگر ہے مسلمان تو کہتے ہیں کہ صاحب چونکہ مسلمان ہے اس لئے کبھی نہ کبھی جنّت میں ضرور جائے گا خواہ کُٹ کرپٹ کر ہی جائے مگر جائے گا ضرور۔ تو یہ سمجھ میں نہیں آتا یوں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں لیکن بظاہر یہ معاملہ خدا کی شان کے خلاف ہے یہ تو بالکل تعصب معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ شبہ پیش کرتے ہیں۔ بھلا غور تو کیجئے کیسے افسوس کی بات ہے۔ یہ شبہ ان لوگوں کی زبان اور قلم سے نکلتا ہے جو اپنے کو سچّا اور پکا مسلمان بلکہ قوم کا لیڈر اور مصلح خیال کرتے ہیں وہ شبہات پیش کرتے ہیں۔ سو حضرت میں ان شبہات کا راز بتلا دوں۔ جو جاہل ہو کر اپنے کو محقق سمجھے گا وہ ایسی ہی خرابی میں پڑے گا حضرات محققیت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ بہت بڑی چیز ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ یہ ساری خرابی ان کی دعوئے محققیت کا نتیجہ ہے یعنی انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم محقق ہیں حالانکہ لوازم میں سے محققیت کے یہ سمجھنا بھی ہے کہ ہم محقق نہیں ہیں۔ جب علم وکمال کے ساتھ یہ اعتقاد نہ رہے کہ ہم محقق ہیں تب کہیں جا کر انسان محقق ہوتا ہے۔ اگر یہ لازم منفی ہے تو محقق شدن بھی منفی ہے چاہے عالم فاضل ہی کیوں نہ ہو۔ اور چہ جائیکہ عالم فاضل بھی نہ ہو چنانچہ

آج کل جو اپنے کو محقق سمجھتے ہیں ان کا مبلغ علم بھی تو کچھ نہیں۔ بس کچھ تاریخیں پڑھ لیں کچھ فلسفہ پڑھ لیا اور سمجھنے لگے کہ ہم بہت بڑے محقق ہیں۔ جب اپنے نزدیک محقق ہو گئے تو پھر یہ خیال غالب ہو گیا کہ جو ہماری رائے کے خلاف ہے وہ واقع اور تحقیق کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ جو چاہا شبہ پیش کر دیا چنانچہ یہ بھی ایک شبہ پیش کر دیا جو میں نے عرض کیا۔ میں نے اس لئے اس مثال کی ضرورت سمجھی کہ یہ شبہ رفع ہو جائے ورنہ فی نفسہ یہ مسئلہ بالکل صاف تھا اور محتاجِ مثال نہ تھا۔ تقریر یہ ہے کہ اس مثال کے انطباق کی کہ میں صاحبِ اعتراض اور صاحبِ شبہ سے گورنمنٹ کا قانون پوچھتا ہوں کہ ایک شخص ہو نہایت لائق جس کو تمام کمالات اعلیٰ درجہ کے حاصل ہوں مگر باغی ہو یعنی سلطنت کی اطاعت نہ کرتا ہو اس کی سزا کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس کی سزا پھانسی ہے یا عبور دریائے شور یا حبس دوام اب ایک شخص ایسے مجرم کے مقدمہ کی پیشی کے وقت عدالت میں حاضر ہے جج صاحب نے سزائے حبس دوام کا حکم سُنایا آپ نے سُنا۔ سُن کر آپ نے پوچھا۔ کیوں صاحب اس پر کیا الزام لگایا گیا ہے اور کون سی دفعہ قائم کی گئی ہے جو اس قدر سخت سزا تجویز کی گئی۔ جج صاحب نے کہہ دیا اس نے بغاوت کا جرم کیا ہے اس لئے اس کو حبس دوام کی سزا دی گئی ہے یہ سُن کر آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضور کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ شخص ایم اے ہے ایل ایل بی ہے اور بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کئے ہوئے ہے انگریزی ایسی جانتا ہے کہ انگریز بھی نہیں جانتے۔ جج صاحب نے کہا ہاں معلوم ہے۔ پھر کہا حضور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ شخص سائنس کا بھی بڑا ماہر ہے۔ اس نے وہ وہ صنعتیں ایجاد کی ہیں کہ اہلِ یورپ بھی دنگ ہیں۔ کہا ہاں سب معلوم ہے۔ پھر کہا بڑے ہی غضب کی بات ہے اور بڑی بے انصافی ہے کہ اس کی ساری لیاقتیں پس پشت ڈال دی گئیں اور ساری قابلیتیں خاک میں ملا دی گئیں فقط اتنی سی بات پر کہ باغی ہے حبسِ دوام کی

سزا دے دی گئی۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جج کے اس حکم پر کبھی وسوسہ بھی ذہن میں نہ آئے گا کہ ایسی سخت سزا انصاف کے خلاف ہے یا ترحم کے خلاف ہے۔ کیونکہ سمجھ لوگے کہ بغاوت جرم ہی ایسا ہے جس کی یہی سزا ہونی چاہیئے۔ اگر اس صاحب شبہ کو جج کے فیصلہ پر بھی وسوسہ آتا تو خیر یہ کہا جا سکتا تھا کہ بے چارہ کیا کرے اس کی سمجھ ہی موٹی ہے اس لئے جو وسوسہ خدا پر پہونچا وہی جج پر بھی پہونچا۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ جج کے فیصلے پر تو کبھی وسوسہ نہ آیا اور خدا نے جو اسی کے مثل فیصلہ فرمایا اس پر شبہ پیش کر دیا گیا۔ بھرے صاحبو! یہ کیسا ایمان ہے اور یہ کیسا اسلام ہے کہ اس شخص کے نزدیک جج کا فیصلہ تو عقل کے قریب اور خدا کا فیصلہ عقل سے بعید اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں) ایک شخص سلطنت سے بغاوت کرے تو اس کے سارے اعمال اور اس کی ساری خوبیاں ضبط ہونا تو معقول جو خدا سے بغاوت کرے اس پر شبہ اور اس شبہ کے جواب کے بعد ایک شبہ اور کیا جاتا ہے کہ خیر یہ تو سمجھ میں آگیا کہ اگر خدا سے بغاوت کرے تو واقعی اس کے سارے اعمال حبط ہی ہو جانے چاہئیں لیکن اگر کوئی خدا کو بھی مانتا ہو مگر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتا ہو تب تو اعمال کے حبط ہو جانے کی کوئی وجہ ہی نہیں معلوم ہوتی۔ اور اس شبہ میں بہت سے لوگ مبتلا پائے گئے کہ وہ انکار رسالت کو کفر نہیں سمجھتے میں کہتا ہوں کہ اوّل تو نصوص قطعیہ اس کی تکذیب کرتی ہیں اور جن نصوص سے یہ شبہ واقع ہوا ہے اُن کی صحیح تفسیر ان لوگوں نے نہیں سمجھی یہ تو کلام ہے نقل و تحقیق کی حیثیت سے باقی عقل و الزام کی حیثیت سے یہ جواب ہے کہ جو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا۔ وہ واقع میں خدا کو بھی نہیں مانتا اور مان بھی نہیں سکتا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ خدا کے ماننے کے معنے کیا ہیں ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اسے کہتے ہیں کہ جیسا خدا ہو ویسا ہی اسے اعتقاد کرے۔ اگر

کسی نے اور طرح کا مان لیا تو اس نے خدا کو نہیں مانا بلکہ اپنے خیال کو مانا مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں بادشاہ کو مانتا ہوں۔ اور کوئی پوچھے کہ خبر بھی ہے بادشاہ کیسا ہے اور وہ کہے کہ اس کے ایک آنکھ ہے ایک ٹانگ ہے ہاتھ دونوں کٹے ہوئے ہیں حالانکہ بادشاہ درحقیقت بہت حسین و جمیل ہے اور اس میں کوئی نقص یا عیب نہیں ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس نے بادشاہ کو مانا۔ بادشاہ کو کہاں مانا۔ بادشاہ تو نہایت حسین وجمیل ہے اور سب نقائص سے پاک ہے۔ اس نے تو اپنے خیال سے ایک نیا بادشاہ تصنیف کر لیا ہے اور اس کو مانا ہے تو خدا کے ماننے کے یہ معنے ہیں کہ وہ جیسا ہے ویسا ہی اسے مانے یعنی تمام کمالات کے وجود کا اس میں اعتقاد رکھے اور چونکہ منجملہ کمالات کے ایک کمال سچا ہونا بھی ہے اس لئے اگر خدا کو سچا نہ مانے تو یہ بھی خدا کا نہ ماننا ہی ہوا بلکہ انکار ہی ہوا۔ جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا تو اب یہ دیکھئے کہ حق سبحانہ تعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لہٰذا جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تو خدا کو جھوٹا سمجھا اور اس کے ایک کمال کا انکار کیا یعنی سچے ہونے کا ان سب مقدمات سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ جب کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا تو وہ خدا سے باغی ہوا اور اس کو تسلیم ہی کر لیا گیا ہے کہ جس نے خدا سے بغاوت کی وہ مستحق ہے عذاب ابدی کا۔ تو صاحبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باغی ہونا مستلزم ہے خدا سے باغی ہونے کا اور اس کا جرم عظیم ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے اسی طرح غیر باغی مجرموں کی سزا میں یا اعتراض اور وسوسہ بھی کسی کو نہیں ہوتا کہ صاحب فلانا مجرم تھا اس نے جوا کھیلا تھا یا ڈکیتی کی تھی یا چوری کی تھی اس کو بھی سزا تو دی مگر اس کی برابر نہیں جس نے بغاوت کی تھی دو برس کی قید بھگت کر پھر رہا ہو گیا اور پھر آ کر اپنے بیوی بچوں کی صورت دیکھ لی تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کھلی ہوئی بدتہذیبی کے افعال کے مجرموں کے

ساتھ تو ایسی نرمی برتی گئی جن کے اعمال اور اخلاق سب نہایت ناگفتہ بہ اور ایک شخص اتنا صاحبِ کمال اور ذی لیاقت و وجاہت اور اس کو سزائے حبس دوام دے دی گئی اور دوسرے مجرموں کو بھی قید کی سزا تو دی گئی لیکن ان کی سزا میں ایک ایسی میعاد بھی ہے جس کے بعد رہائی ہو جائے گی لیکن یہ بے چارہ باغی کبھی رہا ہی نہ ہو گا ساری عمر جیل خانہ ہی میں گذرے گی۔ ہمیشہ کے لئے اپنے دوست احباب بیوی بچوں سے جدا کر دیا گیا۔ بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے سو یہ شبہ کسی کو نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو بھی اور جج سے کوئی یہ سوال بھی کرے تو وہ کیا کہے گا۔ یہی کہے گا کہ ان دونوں میں فرق ہے ایک گو قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے مگر صاحبِ قانون کی حکومت کو تو تسلیم کئے ہوئے ہے یعنی گورنمنٹ سے تو بغاوت نہیں کرتا اور دوسرا تو سرے سے گورنمنٹ ہی کو اڑانا چاہتا ہے گورنمنٹ کو گورنمنٹ ہی تسلیم نہیں کرتا تو اس دوسرے شخص کا جرم کسی طرح قابلِ معافی ہے ہی نہیں کیونکہ یہ تو گورنمنٹ کے وجود ہی کو مٹانے کی فکر میں ہے اور پہلا شخص گو قانون کے خلاف کرتا ہے مگر صاحبِ قانون کو تو مٹانا نہیں چاہتا۔ بس وہ یہی جواب دے گا اب میں پوچھتا ہوں کہ اس کا یہ جواب معقول ہے یا نہیں۔ یعنی ہمارے معترضین کے نزدیک بھی معقول ہے یا نہیں ضرور معقول ہو گا کیونکہ سراسر ان کی عقل کے موافق ہے تو حیرت کی بات ہے کہ ایک جواب جج صاحب کے منہ سے نکلے تو وہ معقول اور وہی جواب مولویوں کے منہ سے نکلے تو وہ تشدد ہے تعصب ہے غلو ہے۔ بس نہ معلوم مولوی ہونا جرم ہے کہ جو ان کے منہ سے نکلے اسے ضرور جھٹلانا خواہ وہ کیسے ہی ٹھکانے کی بات کہیں اور اگر وہی بات کسی جدید تعلیم یافتہ کے منہ سے نکلے تو فوراً "آمَنَّا وَصَدَّقْنَا (ہم نے مان لیا اور یقین کر لیا) میرے ایک مخدوم فارسی کے استاد اپنا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ کسی حاکم نے ایک فیصلہ کیا جو اتفاق سے عالمگیریہ کے ایک جزئیہ کے موافق تھا گو عالمگیریہ کے جزئیہ کے بناء پر نہیں تھا مولانا موصوف نے کسی واقعہ کے متعلق ایک مسئلہ کسی مجمع میں بیان

فرمایا کہ عالمگیریہ میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے بڑے بڑے مدعیانِ عقل وہاں موجود تھے کسی نے التفات بھی نہ کیا مولانا تھے بڑے ظریف حاضرین سے فرمانے لگے کہ حال ہی میں ایسے ہی واقعہ کے متعلق ایک مقدمہ ہوا ہے صاحب کلکٹر کے یہاں انھوں نے بھی اسی کے موافق فیصلہ کیا ہے یہ سنتے ہی سب چوکنے ہو گئے اور اصرار شروع ہوا کہ ہاں صاحب ذرا فرمائیے تو کلکٹر صاحب نے کیا فیصلہ کیا۔ مولانا نے وہ فیصلہ بیان کیا جو کہ عالمگیریہ کے اس جزئیہ کے موافق تھا جس کو مولانا اس سے قبل بیان فرما رہے تھے اور کوئی التفات بھی نہ کرتا تھا۔ سب نے سُن کر تسلیم کیا۔ انھوں نے کہا کہ جناب یہ وہی تو بات ہے جو عالمگیریہ میں لکھی ہوئی ہے مگر عالمگیریہ پہلے معتبر نہ تھی اور اب انگریزی فیصلہ کی موافقت سے معتبر ہو گئی۔ حیرت اور تعجب کی بات ہے صاحبو یہ تو حال ہے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم لوگ مومن ہیں ہم مسلمان ہیں۔ یہ کیا ایمان ہے اور کیا اسلام ہے تو اس مذاق کے لوگ بھی اس زمانہ میں کثرت سے موجود ہیں اس لئے میں نے یہ مثال عرض کی تھی کہ اسلام کا مدارِ نجات ہونا ایسا ہی ہے جیسے سلطنت کا فرمانبردار ہونا مقبولیت کا مستحق بننا اور اگر ایسا شخص مجرم بھی ہے تو اپنے جرموں کی سزا بھگت بھگتا کر انجام کار براءت حاصل کر سکتا ہے یا بے سزا پائے ہی محض بطور مراحم خسروانہ کے بری کیا جا سکتا ہے۔ برخلاف باغی کے جس کی سزا کے منقطع ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں بجز تصدیق حکومت و اطاعت اور اعلانِ وفاداری کے۔ اب اس عقیدہ کو دیگر عقائد سے ملایا جائے تو یہ بات ثابت ہو گی کہ اگر کسی عقیدہ کا اصل الاصول نام ہونا زیبا ہے تو وہ فقط اسلام ہے۔ تو اسلام کو اس طرح اوّلیت اور تقدم کا حق حاصل ہے اور چونکہ اس مقام پر یہ میرا اوّل بیان ہے اس لئے پہلے اوّل الاعمال ہی کا بیان کرنا زیادہ مناسب ہوا۔ یہ جو کچھ میں نے اب تک اسلام کی بابت بیان کیا ہے یہ تو علم و عقیدہ کے متعلق ہے جس میں

بفضلہ اکثر مسلمان غلطی سے محفوظ ہیں اور جو غلطی اس کے متعلق نو تعلیم یافتہ حضرات کرتے ہیں اس کو الحمد للہ بوجہ احسن رفع بھی کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسلام کی بابت ہم لوگوں نے ایک عملی غلطی بھی کی ہے اس وقت زیادہ تر اس کا رفع کرنا مقصود ہے۔ وہ عملی غلطی یہ ہے کہ ہم سب کے سب اس کے معتقد ہیں کہ ہم مسلمان ہیں صاحبِ اسلام ہیں اور بحمد اللہ یہ اعتقاد ایک حد تک سچا بھی ہے۔ مگر ایسا ہی سچا ہے جیسا کہ میں ایک مثال کے ضمن میں عرض کرتا ہوں۔ اے صاحبو! کیا کہا جائے ہزاروں غلطیوں میں ہم لوگ مبتلا ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مالدار کا ایک لفظ ہے اس کو ذہن میں محفوظ رکھ کر میرے سوالات کا جواب دیجئے۔ فرض کیجئے کسی کے پاس دس ہزار روپیہ ہے کسی کے پاس پانچ ہزار ہے کسی کے پاس پانچ لاکھ ہے کسی کے پاس ایک لاکھ ہے کسی کے پاس پچاس ہزار ہے وعلیٰ ہذا اب میں پوچھتا ہوں کہ آپ ان میں سے کس کو مالدار کہیں گے اور کس کو نہیں۔ آپ ضرور ہر ایک کی بابت یہی کہیں گے کہ علیٰ قدر مراتب یہ سب مالدار ہیں اور اگر آپ سے پوچھا جائے کہ سو روپیہ کے مالک کو بھی آپ مالدار سمجھیں گے یا نہیں تو آپ کہیں گے کہ ہاں یہ بھی ایک درجہ مالدار ہونے کا ہے اور اگر کسی کے پاس صرف پچاس ہی روپیہ ہوں تو اس کے متعلق بھی آپ کہہ دیں گے کہ ہاں یہ بھی کچھ درجہ کہا جا سکتا ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ والے کے بارہ میں آپ سے یہی سوال کیا جائے کہ وہ بھی مالدار کہا جا سکتا ہے یا نہیں تو آپ پوچھنے والے پر ہنسیں گے کہ آپ بھی عجب عقلمند ہیں کہیں ایک پیسہ کے مالک کو بھی مالدار کہتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی مال میں مال ہے۔ مگر حضرت میں پوچھتا ہوں کہ مال کہتے ہیں کس کو۔ مال کی تعریف آخر یہی تو ہے عَيْنٌ يُّنْتَفَعُ بِهٖ یعنی جس عین سے یا یوں کہیئے جس ذات سے کوئی نفع حاصل کیا جا سکے۔ پھر میں کہتا ہوں ایک پیسہ سے بھی تو نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک پیسہ کا تیل لے کر ڈبیہ میں ڈال کر پھر دیکھو رات بھر

گھر میں کیسا اُجالا رہتا ہے۔ تو کیوں صاحب جب اس پیسہ پر مال کی تعریف صادق آتی ہے تو اس کے مالک کو مالدار کیوں نہ کہا جائے گا۔ آپ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ بھائی مالدار تو اسی کو کہیں گے جس کو قابلِ اعتبار درجہ مال کا حاصل ہو۔ اگر ایک پیسہ والا بھی اپنے کو مالدار کہے یا سمجھے تو شرم کی بات ہے اس کا اپنے آپ کو مالدار کہنا لغۃً صحیح ہے مگر معتدبہ مالدار تو اسی کو کہیں گے جس کے پاس معتدبہ مقدار مال کی ہو خلاصہ یہ کہ معتدبہ مقدار کے مالک کو مالدار کہتے ہیں۔ غرض یہاں تو آپ نے یہ منطق سیکھ لی کہ مطلق کو اس کے اطلاق پر نہ رکھا بلکہ اس کو مقید کیا ایک مقدارِ خاص کے ساتھ اُس مقدار تک پہونچنے سے قبل اس کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اس کو مالدار کہیں۔ سو یہاں تو آپ نے یہ منطق یاد کر رکھی ہے اور اسی کی نظیر میں آپ ہم سے اُلجھتے ہیں۔ بس ایک کلمہ پڑھ کر دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور کہتے ہیں کہ آخر مسلمان کہتے کس کو ہیں اسی کو نا جس کے پاس اسلام ہو۔ سو ہم کلمہ گو ہیں اس لئے ہم بھی مسلمان ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں مسلمان وہی ہے جس کے پاس اسلام ہو لیکن کیسا اور کس درجہ کا اسلام ہو۔ آیا کوئی خاص درجہ اسلام کا مراد ہے یا کسی درجہ کا ہو۔ آپ کے نزدیک کافی ہے۔ کچھ خبر بھی ہے اس کے درجات کتنے ہیں۔ حضرات اس کے بہت سے درجات ہیں جن میں سے اس وقت صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو سب مانتے ہیں ایک ادنیٰ درجہ ایک اعلیٰ درجہ ادنیٰ درجہ اسلام کا کسے کہتے ہیں۔ اُسے کہتے ہیں کہ جس کے بدون مسلمان ہی نہ کہا جا سکے اور وہ کون سا ہے۔ وہ اس کا قائل ہونا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر کوئی اس کا بھی قائل نہ ہو تو وہ کافر ہے۔ یہ تو گویا ادنیٰ درجہ ہوا اسلام کا اب آگے اس کی تکمیل ہوتی ہے نماز سے روزہ سے کثرتِ ذکر سے خشیت سے معرفت سے صبر سے توکل سے اخلاص

سے دغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ سب مکمل ہیں اسلام کے یہ اسلام کا اعلیٰ درجہ ہوا۔ تو یہ دونوں درجے اسلام کے وہ ہیں جن کو سب مانتے ہیں۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ہمارا آپ کا اسلام کون سے درجہ کا ہے اس پر کوئی شیخی باز کہنے لگے کہ جو کامل الاسلام کہے جاتے ہیں وہی کون سے تیر چلا رہے ہیں ان میں ہم سے زیادہ کیا چیز ہے۔ یہی نماز روزہ وہ بھی کرتے ہیں جو ہم کرتے ہیں پھر ہم سے کس درجہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے مگر حضرات آپ ہیں کس ہوا میں ہم میں ان میں بڑا فرق ہے۔ ہمارے پاس تو محض صورت ہے نماز روزہ کی معنی ہیں ہی نہیں اور اس میں میں اپنے آپ کو بھی داخل کرتا ہوں۔ قطع نظر تواضع سے۔ کیونکہ یہ موقع تواضع کا نہیں ہے اس وقت تو بیان واقع کا کیا جا رہا ہے غرض ہم لوگ ادنیٰ درجہ کے مسلمان ہیں اب میں پوچھتا ہوں کہ اس ادنیٰ درجہ کے اسلام پر آخر آپ کیوں کفایت کرتے ہیں آگے کا درجہ کیوں نہیں حاصل کرتے جیساکہ مال کے ادنیٰ درجہ پر کوئی قناعت نہیں کرتا۔ یہاں پر آکر اپنی وہ منطق سب بھول گئے بلکہ ایک نئی منطق ایجاد کی ہے کہتے ہیں کہ صاحب جو حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه فَدَخَلَ الْجَنَّةَ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا وہ جنّت میں داخل ہوگیا سو اس درجہ کا اسلام ہمارے پاس ہے ہی باقی ہم سے نماز روزہ کا جھگڑا نہیں ہوتا اجی جنّت میں داخل ہونا ضروری چیز ہے سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما ہی چکے ہیں کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه فَدَخَلَ الْجَنَّةَ میں کہتا ہوں کہ صرف دَخَلَ ہی فرمایا ہے یا یہ بھی فرما دیا ہے کہ دَخَلَ دُخُوْلًا اَوَّلِیًّا یعنی فوراً جنّت میں داخل ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جنّت میں جائے گا۔ لیکن کب جائے گا اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سزا کے قبل جائے سو آپ کو کیا حق ہے اس کی تعیین کا۔ کیا کوئی دلیل آپ کے پاس ہے اس کی دلیل تو کیا ہوتی بلکہ اُلٹی اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے حدیث میں شراب

خوری پر سود لینے پر جھوٹ بولنے پر حقوق ضائع کرنے پر غیبت پر چغل خوری پر بد نظری وغیرہ پر سخت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ پھر آخر یہ حدیثیں کیا بیکار ہیں یا نعوذ باللہ سچی نہیں ہیں یہ بھی سچی ہیں اور یہ حدیث بھی سچی ہے مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه فَدَخَلَ الْجَنَّةَ دونوں سچی ہیں کیونکہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ہیں لہٰذا میں دونوں کو جمع کرتا ہوں کیونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تعارض اور تناقض ہو نہیں سکتا تو لامحالہ وہ مضمون جنّت میں داخل ہونے کا بھی ٹھیک ہے اور وہ دوزخ کی وعیدیں بھی سچی ہیں۔ یہ دونوں قسم کی حدیثیں دو طرح سچی ہوسکتی ہیں۔ یعنی عقلاً دو احتمال ہیں ایک صورت یہ کہ اوّل اپنے معاصی کی سزا پانے کے لئے دوزخ میں داخل کئے جائیں پھر ایمان کی وجہ سے وہاں سے نکال کر جنّت میں داخل کر دیئے جائیں اور ایک صورت یہ کہ پہلے جنّت میں داخل کئے جائیں پھر دوزخ میں۔ لیکن اس کا تو کوئی قائل ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ تو نصوص قطعیہ سے منفی ہے کہ جنّت میں پہونچا کر پھر وہاں سے نکالا جائے۔ ضرور دوسری شق کو متعین کیا جائے گا اور وہی نصوص کے مطابق بھی ہے یعنی پہلے دوزخ میں سزا پاکر پھر جنّت میں داخل کئے جائیں گے خواہ ایک دن کے بعد یا ہزار برس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور وہاں کا تو ایک دن بھی یہاں کے ایک ہزار برس کے برابر ہے تو ہزار برس تو کیا کچھ ہوگا چنانچہ ارشاد ہے وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق) یعنی ہمارے یہاں کا ایک دن تمہارے یہاں کے ایک ہزار برس کے برابر ہے اگر وہاں ایک دن کی بھی حوالات ہوگئی تو یہاں کی ہزار برس کی قید کی برابر سمجھیئے لیکن ہر حال میں کبھی نہ کبھی ختم تو ضرور ہوگا مگر قبل جنّت کے جو جہنّم میں سزا ہوئی ہے کیا

وہ ایسی ہی سزا ہے جیسی دنیا کی جس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسی ہی ہوتی تو خیر یہ کہہ سکتے تھے کہ چلو دوزخ ہی میں چند روز رہ آئیں گے مگر اے صاحبو وہاں کی سزا کا کیا ٹھکانا ہے اللہ تعالیٰ بچا دے جن اعمال کو لذّت کے لئے اختیار کیا تھا ان سے اُس قدر لذّت نہیں پہونچی جس قدر ان کی سزا کے اندر کلفت ہوگی۔ میں کہتا ہوں کسی کی عمر پچاس ساٹھ برس کی ہوئی۔ پھر اُس میں بھی جو انتفاع کے قابل زمانہ ہوتا ہے وہ تو چند ہی ایام ہوتے ہیں۔ اور گناہ سے لذّت اٹھانے کی تو کچھ ساعتیں ہی ہوتی ہیں اس کے بعد کچھ بھی نہیں تو اس کے لئے ہزار برس کی قید جو کہ ادنیٰ درجہ کی ہے گوارا کرنا کون عقل کی بات ہے۔ بہرحال اس حدیث مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ سے تمسک کرنا بے فکری کے لئے کافی نہیں۔ یہ تو ایک عقیدہ کی تعلیم ہے کہ مومن خلود فی النّار سے محفوظ رہے گا کبھی نہ کبھی جنّت میں ضرور داخل ہوگا۔ مگر یہ کہاں کہا گیا ہے کہ اس کو اس طرح گناہوں کے کرنے میں استعمال کیا جائے۔ اس طرح سے جان جان کر اس کو گناہوں کے کرنے میں استعمال کرنا یہ تو بڑی ہی ناشکری اور دلیری بلکہ گستاخی ہے خلاصہ یہ کہ یہاں وہ منطق کہ ادنیٰ درجہ پر قناعت نہیں کی جاتی بھُول گئے اور ادنیٰ درجہ کے اسلام کو مسلمان بننے کے لئے کافی سمجھ لیا تو ایسے کو مسلمان کہنا ایسا ہی ہے جیسے ہم ایک پیسہ کے مالک کو مالدار کہنے لگیں گو جیسے وہاں باعتبار اطلاق کے ایسے شخص پر مالدار ہونا صادق آتا ہے اسی طرح یہاں بھی ایسے شخص پر مسلمان ہونا صادق آتا ہے مگر جیسا کہ وہاں اس پر نظر ہے کہ جب معتدبہ مقدار مال کی نہ ہوئی تو وہ کیا مال ہوا ایسے ہی یہاں نظر چاہیے کہ جب معتدبہ درجہ اسلام کا نہ ہوا تو وہ کیا اسلام ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار معتدبہ کو نفی ذات کی صورت میں تعبیر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ لیجئے اب بہت صاف معنی ہو گئے

اس حدیث کے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز جان کر چھوڑ دے وہ مسلمان نہ رہا۔ اس کی اور توجیہوں میں محض تکلّف ہے۔ لیکن سیدھی تاویل جو جمہور علمائے اہلِ سنت والجماعت کے مذہب کے موافق ہے وہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ اسلام کی نفی کی ہے مطلق نفی اسلام مراد نہیں۔ جمہور کی یہی توجیہ ہے۔ میں نے اس کو محاورات میں تعبیر کر دیا ہے۔ اب اس کے معنی بالکل صاف ہو گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایسا ہی کافر فرمایا ہے جیسے ہم پیسہ کے مالک کو غیر مالدار کہہ دیتے ہیں۔ گو فی نفسہ نہ وہ علی الاطلاق کافر ہے نہ یہ علی الاطلاق غیر مالدار کہہ دیتے ہیں تو جیسے یہ حکم صحیح ہے اور اس میں کسی کو شبہ نہیں ہوتا نہ کسی مولوی کو نہ طالب علم کو نہ کسی فلسفی کو نہ عامی کو اسی طرح یہاں بھی نہ ہونا چاہیئے۔ تو معلوم ہوا کہ کمال اسلام وہ چیز ہے جس کی نفی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی الاسلام سے تعبیر فرمایا تو صاحبو وہ درجہ اسلام کا ہم کو کیا خوش کر سکتا ہے جس کو نفی اسلام سے تعبیر کیا جا سکے اور واقعی کیا مسلمان ہیں کہ نہ نماز نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ اور کہنے کو ہیں مسلمان۔ مگر اس مسلمان نے یہ فتویٰ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سُنا کہ جو نماز کو عمداً ترک کر دے وہ کافر ہو جاتا ہے حیرت ہے کہ ایسے اسلام سے کیونکر تسلّی ہو جاتی ہے مگر مال کے اس درجہ سے تسلّی نہیں ہوتی۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس اتنی مقدار مال کی تھی کہ وہ مالدار مشہور تھا۔ ایک دن اس کی عدم موجودگی میں کہیں گھر کے اندر چور گھُس آئے اور جو کچھ اندوختہ تھا سب لے گئے صرف دو چار پیسہ جو اتفاق سے اس کی اچکن کی جیب میں تھے وہ تو پڑے رہے باقی سارا مال و متاع جاتا رہا اب اس پر وہ کبھی یہ نہ کہے گا کہ اجی کامل مالدار اگر نہ رہا نہ سہی کیا غم ہے۔ کسی درجہ میں تو مالدار اب بھی ہوں ہی چنانچہ جیب میں چار پیسے موجود ہیں۔ وہاں کبھی جی کو تسلّی نہیں ہوتی کہ چار پیسے تو موجود ہیں بلکہ اگر

کوئی سمجھانے بھی کہ کیوں غم کرتے ہو بلا سے زیادہ مال نہ رہا چار پیسے تو موجود ہیں یہ بھی تو آخر ایک مقدار مال ہی کی ہے اور اس کے اعتبار سے اب بھی تم مالدار ہی ہو۔ تو کیا اس تقریر سے اس کی تسلی ہو جائے گی یا طیش میں آکر یہ کہے گا کہ آپ بھی عجب چیز ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ مال ہو گا۔ بھلا چار پیسے بھی کوئی مال میں مال ہے میرے پاس اب رہ ہی کیا گیا ہے بجز ان چار پیسوں کے۔ اور ان سے کیا خاک کام چل سکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ مال تسلی بخش نہیں ہے تو وہ اسلام کیونکر تسلی بخش ہو گیا۔ آخر وجہ فرق کیا ہے۔ اسی کو مولانا غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

أَرَى الْمُلُوْكَ بِأَدْنَى الدِّيْنِ قَدْ قَنَعُوْا
وَمَا أَرَاهُمْ رَضُوْا فِي الْعَيْشِ بِالدُّوْنِ

یعنی میں دیکھتا ہوں امرا اور بادشاہوں کو کہ وہ ادنیٰ درجہ کا دین لیکر قناعت کر لیتے ہیں نماز پڑھنے لگے تو اپنے نزدیک بہت بڑے عابد زاہد ہو گئے اور اگر کہیں کسی نے کچھ کتابیں بھی پڑھ لیں تب تو پھر کچھ نہ پوچھئے کہ کیا ہو گئے۔ ایک احمق قوم کا شخص تھا اس کا بیٹا ایک عالم کے پاس کچھ عربی فارسی پڑھنے لگا۔ اس کے یہاں سات پشت سے بھی کوئی پڑھا لکھا شخص نہ گذرا تھا۔ جب اس نے ہدایت النحو شروع کی تو آپ گئے مولوی صاحب کے پاس اور کہنے لگے کہ اجی بہت نہ پڑھا دیجو۔ کہیں یہ لوٹ پوٹ پیغمبر نہ ہو جائے۔ صاحب زادہ صاحب نے ہدایت النحو کیا شروع کی اس کے نزدیک گویا پیغمبری ملنے لگی نعوذ باللہ۔ تو اوچھے لوگ کیا سمجھیں کہ علم کیسا ہوتا ہے۔ اس کے خاندان میں کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ علم کہتے کسے ہیں۔ اسی طرح اے صاحب ہم نے پانچ وقت کی نماز کیا پڑھ لی جنت کے خریدار ہی بن بیٹھے۔ بس مطمئن ہیں کہ نیلام ہمارے ہی نام ختم ہو گا،

جب کہ اتنی بڑی قیمت بھی ہم نے لگا دی ہے۔ ایک طالب علم کسی معقول خانہ کے پڑھے ہوئے تکمیل کی غرض سے دیوبند آئے۔ دیوبند میں ماشاء اللہ نمازوں کا بڑا اہتمام ہے کوئی تاکید نہیں کوئی جرمانہ نہیں مگر علم دین کی یہ برکت ہے کہ خود بخود سب طلباء پابند ہیں۔ انھوں نے معقول خانہ میں بھلا یہ رنگ کہاں دیکھا تھا۔ کہنے لگے میاں نمازوں کا کچھ ٹھکانہ بھی ہے ہر وقت نماز ہر وقت نماز اے اللہ کہاں کی نمازیں یہاں پھٹ پڑی ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شبِ معراج میں پچاس نمازوں کے بجائے تخفیف ہو کر جو صرف پانچ رہ گئی ہیں تو وہ تخفیف دوسری ہی جگہوں میں ہوئی ہے۔ مدرسہ دیوبند میں وہ پچاس کی پچاس ہی قائم رکھی گئیں جہاں دو منٹ گذرے بس چلو نماز کو جہاں پانچ منٹ گذرے بس چلو نماز کو جانِ آفت میں آگئی پڑھتے پڑھتے۔ کوئی کہاں تک پڑھے جاوے۔ ان حضرت کو یہ پانچ نمازیں بھی پچاس نظر آتی تھیں تو ایسا شخص اگر پانچ وقت کی نماز پڑھنے لگے تو نہ معلوم اپنے آپ کو کیا سمجھنے لگے۔ پھر ایسوں میں سے خاص کر جو دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ان کی حالت تو کچھ پوچھیئے ہی نہیں یعنی ایک جماعت کی جماعت ہے ہم مسلمانوں میں جس نے دنیا کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہے ان کا مذاق یہ ہے کہ دین تو ادنیٰ درجہ کا بھی کافی ہے مگر دنیا اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہیئے حالانکہ مذاق یہ چاہیئے تھا کہ دنیا کو ضرورت کے موافق اور دین کو کمال کے درجہ کا۔ اسی کو حضرت غزالیؒ نے فرمایا ہے ؎

أَرَى الْمُلُوْكَ بِأَدْنَى الدِّيْنِ قَدْ قَنَعُوْا
وَمَا أَرَاهُمْ رَضُوْا فِي الْعَيْشِ بِالدُّوْنِ
فَاسْتَغْنِ بِالدِّيْنِ عَنْ دُنْيَا الْمُلُوْكِ كَمَا
اسْتَغْنَى الْمُلُوْكُ بِدُنْيَاهُمْ عَنِ الدِّيْنِ

یعنی جیسا ان امراء نے یہ کیا ہے کہ تھوڑے سے دین پر قانع ہو گئے ہیں حالانکہ دنیا کے ادنیٰ درجہ پر قانع نہیں اسی طرح تم یوں کرو کہ دنیا کے ادنیٰ درجہ پر قناعت کر لو لیکن دین کے ادنیٰ درجہ پر قناعت ہرگز نہ کرو بلکہ ہمیشہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے حصول کی فکر میں لگے رہو کیونکہ دین کے درجات کی کوئی انتہا ہی نہیں اس کا اعلیٰ درجہ بھی گویا ادنیٰ ہی درجہ ہے اس کی شان ہے وراء الوراء ثم وراء الوراء مولانا فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست   ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

(اے بھائی اس کی درگاہ بہت ہی بڑی ہے۔ جس منزل پر تیری
رسائی ہوجائے اس پر قناعت کر)

جیسے دنیا میں ترقی کرنے والے برابر کوشش کرتے رہتے ہیں تم دین میں ترقی کی برابر کوشش کرتے رہو۔ کسی وقت چین نہیں چاہیئے اور واقعی چین کیسے آسکتا ہے عاشق کو تو چین مرتے دم تک بھی نہیں اس کی تو یہ حالت ہوتی ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا، ہمچناں باقی

(نہ ان کے حسن کی کوئی انتہا نہ سعدی کے کلام کی۔ جیسے جلندر کا مریض
پیاسا مرجاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے)

اس کی تو یہ حالت ہوتی ہے ؎

دل آرام بر دل آرام جو   لب از تشنگی خشک و برطرف جو

(محبوب گود میں ہے اور محبوب کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ نہر کے کنارے
پر ہیں اور ہونٹ پیاس سے خشک ہیں)

نہ گویم کہ برآب قادر نیند   کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

(میں نہیں کہتا کہ پانی پر قادر نہیں۔ لب دریا ہوتے ہوئے بھی پیاسے ہیں)

اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا
کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(راہِ عشق دوڑنے سے ہرگز قطع نہیں ہوتا۔ جیسے انگور کو جتنا کاٹو گے
اور بڑھے گا)

دیکھئے تو اگر کوئی ادنیٰ سی مردار عورت پر فریفتہ ہوجائے اور وہ عورت اس کو اپنے وصال سے محظوظ بھی کردے تو کیا اس کا جی بھر جائے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ یہی کہے گا کہ ہائے عشق کی کوئی انتہا ہی نہیں ۔ ساری عمر بھی میرے پاس رہے تب بھی جی نہ بھرے ۔ جب ایک ادنیٰ سی مردار عورت کے عشق میں یہ حالت ہے کہ ساری عمر بھی وہ پاس رہے تب بھی جی نہیں بھرتا تو مولانا فرماتے ہیں ؎

ایکہ صبرت نیست از فرزند و زن   صبر چوں داری ز رب ذوالمنن

(اے بندۂ خدا تو اپنے اہل و عیال سے صبر نہیں کر سکتا۔ تو اللہ سے کس
طرح صبر کر سکتا ہے)

ایکہ صبرت نیست از دنیائے دوں   صبر چوں داری ز نعم الماہدون

(اے بندۂ خدا تجھے کمینی دنیا سے صبر کرنے کی طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے
کیونکر صبر کر سکتا ہے)

جب دنیائے دوں سے جی نہیں بھرتا تو خدا سے کیسے جی بھر گیا۔ ایک کلمہ پڑھ کر قناعت کرلی کہ بس بہت ہے دخل الجنۃ کا وعدہ مرتب ہو ہی جائے گا۔ اے صاحبو! دخل الجنۃ بالکل سچ ہے مگر اس کے قبل دوزخ کیسی ہے کچھ دیکھتے بھی ہو۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مالدار اس کو کہتے ہیں جس کے پاس معتدبہ مال ہو اسی طرح مسلمان اس کو

کہتے ہیں جس کے پاس معتدبہ اسلام ہو اس غلطی میں عام طور پر لوگ مبتلا ہیں اس لئے اس کا بھی رفع کرنا مقصود تھا غرض یہ بھی وجہ ترجیح تھی اس آیت کے اختیار کرنے کی ۔ تو غرض اس آیت کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں جو مضمون مذکور ہے اس میں حق جل وعلا شانہ نے اسلام کی حقیقت بتائی ہے کہ اسلام کیا چیز ہے تو فرماتے ہیں وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ فرماتے ہیں کون شخص ایسا ہے جو اعراض کرے ابراہیم علیہ السّلام کے طریقہ سے ابراہیم علیہ السلام کا طریق تو ایک ایسی ملت تھا اور ایک ایسا مشرب تھا کہ کون سا مقبول بندہ ہے جو اس سے روگردانی کرے اعراض کرے اباء کرے استغنا کرے اس کو ترک کرے یا اس سے ہٹ جاوے سوا اُس کے جس نے اپنے نفس کی بیقدری کی سوا اس کے جس نے اپنے نفس کی قدر نہ جانی ۔ سوا اس کے کوئی ایسا نہ کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو نفس کی قدر جانے گا وہ اس کو فائدہ پہونچائے گا اور ضرر سے بچائے گا۔ کیوں نفس کی یہی قدر ہے اس کو نفع پہونچانا اور مضرت سے بچانا۔ تو جو اپنے نفس کی قدر جانے گا وہ ملّتِ ابراہیمی کو ضرور اختیار کرے گا اور کیوں اختیار کرے گا جب وہ چیز ہی اس درجہ کی ہے کیونکہ اس کی ہی برکت سے ابراہیم علیہ السلام اس درجہ کو پہونچے جس کو فرماتے ہیں وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا یعنی ہم نے انھیں مقبول بنایا تھا دنیا میں ۔ اور حرف تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور آخرت کے اندر بھی وہ صالحین میں سے ہیں یعنی اس ملّت کی برکت سے وہ دنیا میں بھی مقبول تھے اور آخرت میں بھی مقبول ہیں ۔ تو وہ ملّت ابراہیم ایسی چیز ہے کہ اس کی بدولت ابراہیم علیہ السلام ایسے درجہ کو پہونچے ۔ تو ظاہر ہے کہ وہ کتنی بڑی چیز ہوگی پھر بھلا ایسی چیز سے کون اعراض کر سکتا ہے سوا جاہل کے اور سوا اس کے جس نے اپنے نفس کی قدر نہ جانی آگے اس ملّت کی تعیین فرماتے ہیں کہ وہ کیا ہے ارشاد ہے

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ یعنی جب ان کے رب نے کہا کہ اسلام اختیار کرو ۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت ابراہیمؑ تو اسلام پہلے سے بھی لائے ہوئے تھے تو پھر اس کے کیا معنے تو یہ سمجھو کہ یہ کہنا ایسا ہے جیسے میاں جی نے سبق پڑھا دیا لڑکے نے اسے یاد کر کے سنا بھی دیا اب دوسرے دن میاں جی نے جب کہا کہ آؤ سبق پڑھو تو وہ کہے کہ اجی کل تو سبق پڑھ چکا ہوں اور یاد کر کے سُنا بھی چکا ہوں ۔ یہ آج پھر پڑھانا کیسا تو وہ میاں جی کہتا ہے کہ ارے بھائی کل جو تم نے پڑھا ہے تو کیا ساری کتاب ختم کر لی ہے کیا اب کچھ پڑھنے کو باقی نہیں رہا ۔ کیا ایک ہی سبق میں علم کی پوری تکمیل کر چکے ۔ ارے ابھی اور بھی تو بہت کچھ پڑھانا ہے تو جس طرح میاں جی کہتا ہے کہ اور پڑھو اسی طرح یہ ارشاد ہے کہ اسلم مگر اتنا فرق ہے کہ وہاں لڑکے نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ کل تو پڑھ چکا تھا ۔ اور یہاں کوئی نبی ایسا نہیں جو اسلم کے جواب میں یہ کہے کہ اسلام لا چکا بلکہ جواب میں وہ کہیں گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا یعنی یہ کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ میں نے اسلام اختیار کیا یہ ترجمہ کا حاصل ہوا اس میں تعیین ہو گئی اُس ملت کی کہ وہ کیا ہے یعنی اسلام غرض ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ جو آیت میں نے بیان کے لئے اختیار کی ہے اس میں اسلام ہی کی فضیلت مذکور ہوئی ہے اور معلوم ہوا کہ یہی وہ ملّتِ ابراہیمی ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے اب اس کے ساتھ اگر سیاق وسباق کو بھی ملا لیجیے تو اسلام کی فضیلت اور عظمت اور زیادہ ظاہر ہوتی ہے یعنی اس کے قبل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے ساتھ جمع ہو کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی اس کا واقعہ مذکور ہے اور اس دوران میں جو دعائیں دونوں نے مل کر مانگی تھیں وہ نقل کی گئی ہیں چنانچہ ارشاد ہے وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (اور جب کہ اٹھا رہے تھے حضرت ابراہیم (علیہ السلام دیواریں

خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی کہ اے ہمارے پروردگار یہ خدمت ہم سے قبول فرمایئے بلاشبہ آپ خوب سننے اور جاننے والے ہیں) پھر ان کی دوسری دُعا نقل فرمائی ہے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ تو یہاں اپنے واسطے بھی دُعا مانگی ہے کہ اے اللہ ہم کو سچا مسلمان بنا دے۔ دیکھئے کتنی بڑی چیز ہے اِسلام کہ انبیاء علیہم السّلام بھی باوجود اتنے بڑے درجہ پہ ہونے کے یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں کامل اسلام عطا فرما۔ پھر کتنی بڑی سخاوت اور خیر خواہی ہے کہ اپنے ساتھ نالائقوں کو بھی یاد فرمایا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اور اے اللہ ہماری اولاد میں سے بھی ایک مسلمان جماعت بنائیو خواہ وہ اولاد جسمانی ہو یا روحانی اس واسطے کہ ایک جگہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ اس کے مخاطب ہیں اُمتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام) ساری اُمت کے حسی باپ نہیں ہوسکتے۔ تو لامحالہ یہاں روحانی باپ ہونا مراد ہے اور کہا جائے کہ خاص عرب مخاطب ہیں جن کے آپ جسمانی باپ بھی ہیں تو اس آیت کا سباق وسیاق اس کا مساعد نہیں چنانچہ اوپر يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا میں عام اہل ایمان کو خطاب ہے کہ خاص عرب کو پھر آگے سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ اور تَكُونُوا شُهَدَاءَ واقع ہے جو کہ صفت مشترکہ ہے تمام امت کی تو معلوم ہوا أَبِيكُمْ عام ہے جسمانی باپ ہونے کو بھی اور روحانی باپ ہونے کو بھی۔ غرض وہ یعنی اہلِ عرب جسمانی اولاد ہیں اور غیر اہلِ عرب روحانی اولاد ہیں ان سب کو بھی اپنے ساتھ دُعا میں یاد فرما لیا البتہ اس اولاد میں سے ان کو مستثنیٰ کر دیا جو اسلام کے ساتھ موصوف نہ ہوں چنانچہ یوں نہیں فرمایا وَذُرِّيَّتَنَا بلکہ مِنْ بڑھا دیا کیونکہ اس کے قبل جو اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ (میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا) کی بشارت سُن کر دُعا کی تھی وَمِنْ ذُرِّيَّتِي اور اس کے جواب میں ارشاد ہوا تھا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ اس سے ان کو معلوم ہو گیا تھا

کہ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو طریقِ حق پر نہ ہوں گے اس لئے اس دعا میں ان کو مستثنےٰ کر دیا اس دعا میں ایک بات یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے لقب اس اُمت کا مسلمہ رکھا جس کا ذکر ایک تفسیر کی بناء پر دوسری آیت میں بھی ہے هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ کیونکہ اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف ضمیر راجع ہو۔ بہرحال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لئے بھی اسلام کو ثابت کیا اور اُمتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے بھی اسلام کی درخواست کی اس سے اسلام کا جو کچھ شرف ثابت ہے ظاہر ہے۔ یہ تو سباق میں نظر تھی آگے سیاق یعنی مابعد میں دیکھئے تو ایک صفحہ کے اندر ہی اندر جا بجا اسلام کا ذکر فرمایا گیا ہے سب سباق وسیاق میں جو میں نے غور کیا تو سات جگہ اسلام کا ذکر ہے ایک وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ میں دوسرا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ میں تیسرے قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ میں چوتھے أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ میں پانچویں فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ میں چھٹے وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ میں ساتویں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ میں اور محاورات عرب میں سات کا عدد یہ کثرت کا مرتبہ ہے اور جب اور مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو ستّر کا عدد استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ سات اور ستّر کا استعمال کثرت کے لئے احادیث کثیرہ میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا کیا درجہ ہے کہ ایک ہی مقام پہ بار بار اس کا کس طرح ذکر کیا جاتا ہے نیز اس مقام کی آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کا مذہب اسلام ہی رہا ہے۔ تو اسلام اتنی قدر کی چیز ہے۔

صاحبو! اس لئے میں نے یہ مضمون بیان کے لئے اختیار کیا ہے تو یہ اسلام کی اہمیت و عظمت کا ذکر ہوا اب اسلام کی حقیقت کو سمجھنا چاہیئے جس کو میں مختصراً عرض کرتا ہوں اسلام اصل میں ایک لغتِ عربی ہے پھر اور قرآن حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نصوص میں جو اس لفظ کا استعمال کیا گیا تو اس کے ساتھ لغوی معنوی پر

ایک قید بڑھ گئی ہے اس لحاظ سے دو قسم کا اسلام ہوا ایک تو اسلام لغوی اور ایک اسلام شرعی۔ اسلام لغوی کے معنے ہیں سپردن سونپ دینا۔ اسی کو تعبیر کر دیتے ہیں گردن نہادن بہ طاعت سے۔ غرض جو تسلیم کے معنی ہیں وہی اسلام کے معنے ہیں۔ مادہ دونوں کا سین لام میم ہے اور ان حروف میں تسلیم کے معنے مودع ہیں چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے بلیٰ مَنْ اَسْلَمَ ای مَنْ فَوَّضَ ذَاتَہٗ اللہ یعنی جس نے سپرد کر دیا اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے لئے۔ غرض اسلام کے معنے ہیں سپرد کر دینا۔ شریعت نے اس میں ایک اور قید بڑھائی یعنی ایک قید تو اَسْلَمَ کے معمول میں بڑھائی اور ایک قید اس کے متعلق میں۔ لغوی اسلام میں کوئی قید نہیں۔ اس کے معنی ہیں مطلق سپرد کرنا جس کو چاہے سپرد کرنا اور جس کے چاہے سپرد کرنا۔ اب اسلام شرعی کی قیدیں سنیئے۔ ایک قید تو یہ ہے کہ اسلم کا معمول کون ہے خود اپنی ذات اور اس کا متعلق کون ہے۔ اللہ حاصل کیا ہوا اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ یہ ہے حقیقت اسلام شرعی کی۔ اب گویا طالب علمانہ عنوانات سے تو فراغت کر چکا۔ میں نے چاہا تھا کہ ایسے علمی عنوانات بیان میں نہ آنے پائیں کیونکہ یہاں کے اکثر حضرات بوجہ اختلاف زبان ایسے مضامین کو کم سمجھتے ہیں مگر کیا کیا جائے بغیر ایسے طالب علمانہ عنوانات کے مضمون منضبط نہیں ہوتا۔ اور مضمون کی حقیقت منکشف نہیں ہوتی۔ اب میں انشاء اللہ بالکل عام فہم تقریر کروں گا مگر غالب یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں پھر بھی ایسے الفاظ آہی جاویں گے خیر ایک آدھ جگہ اب بھی سہی۔ اب بعد تفسیر اسلام کے یہ دعوے قرآن مجید سے ثابت ہو گیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مذہب اسلام یعنی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا رہا ہے اور آپ کو بھی اسی کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ آپ کو تو اور اُمم پر ایک خاص شرف منجانب اللہ عطا ہوا ہے وہ یہ کہ گو تمام اطاعت کرنے والوں کی صفت یہی تھی یعنی اسلام مگر لقب خاص آپ کو ہی دیا گیا۔ یعنی اطاعت کرنے والے اور اسلام لانے والے اور امتوں میں بھی تھے مگر لقب اُمت مسلمہ کسی کا بھی نہیں تھا۔ جتنے مقبولانِ حق

گذرے ہیں صفت سب کی اسلام تھی مگر لقب خدا تعالےٰ نے اُمّت مسلمہ اور کسی کو نہیں دیا۔ مثلاً ایک زمانہ میں دینِ حق کا لقب عیسائیت تھا ایک زمانہ میں یہودیت تھا وعلیٰ ہٰذا القیاس اور گو ہر اُمّت کا ایک خاص طریق رہا ہے یعنی باعتبار فروع کے مگر یہ صفت سب میں مشترک تھی کہ سب خدا تعالےٰ کے مطیع بندے تھے حاصل یہ کہ مشترک صفت سب کی اسلام تھی۔ لیکن لقب اُمّت مسلمہ کا خاص آپ کو ہی عطا کیا گیا۔ یہ کتنا بڑا شرف ہے پھر شرف پر شرف یہ کہ لقب بھی ملا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واسطے سے۔ یہاں گورنمنٹ اگر کسی معزز حاکم کے ذریعہ سے آپ کو کوئی لقب دے تو اس میں دو شرف سمجھے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ گورنمنٹ کا دیا ہوا لقب ہے پھر ایک معزز حاکم کے ذریعہ سے اس لقب کو ہم تک پہونچایا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو لقب عطا فرمایا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے معزز پیغمبر کی زبان سے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان وہ ہے کہ اگر وہ اپنی رائے سے بھی ہمارے لئے یہ رائے فرمادیتے تب بھی بہت بڑا شرف تھا نہ کہ جب رائے سے بھی نہ ہو بلکہ آپ کی یہ شان ہو ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(آپ کا فرمان گویا خدا کا فرمان ہے۔ اگرچہ ایک اللہ کے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے ادا ہوا ہے)۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی خصوص ہماری رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ حضرات اولیاء اللہ ایسے گزرے ہیں کہ جو کچھ بھی انھوں نے کہا اپنے منہ سے نہیں کہا بلکہ خود حق تعالےٰ نے ان کی زبان کے واسطے سے کلام کیا۔ ایک قصہ میں نے اپنے اُستاد علیہ الرحمۃ سے سُنا ہے کہ ایک بزرگ تھے اُن کے پاس ایک مرد اور ایک عورت اپنے بچّہ کو لائے جو مادرزاد اندھا تھا یعنی وہ ماں

کے پیٹ ہی سے اندھا پیدا ہوا تھا اور دونوں رونے لگے کہ حضرت اوّل تو ہمارے اولاد ہی نہ ہوتی تھی۔ بہت دعائیں کیں منتیں مانیں تب تو کہیں یہ بچہ عنایت ہوا۔ مگر افسوس ہم لوگ پھر بھی محظوظ و مسرور نہ ہو سکے کیونکہ یہ اندھا پیدا ہوا۔ اب اس کو دیکھ دیکھ کر ہر وقت جی کڑھتا ہے ہم نے سُنا ہے کہ آپ بہت بڑے مقبول الدعوات بزرگ ہیں للہ ہمارے حالِ زار پر رحم فرمایئے اور دعا کر دیجئے کہ اس کی آنکھیں اچھی ہو جائیں اُس زمانہ کے لوگ آج کل کی طرح بدعقیدہ نہ تھے یہ نہیں کہا کہ آپ اچھا کر دیں بلکہ یہ کہا کہ آپ دُعا کر دیں مگر یہ درخواست سن کر بھی کمال انکسار کے غلبہ سے آپ کو جوش آگیا اور فرمانے لگے بگڑ کر کہ کیا میں عیسیٰ ہوں جن کی دعا سے اندھے مادرزاد اچھے ہو جاتے تھے۔ وہ بے چارے مایوس اور شکستہ دل ہو کر چلے گئے۔ بس ان کا جانا تھا کہ ان بزرگ کی زبان پر بے اختیار یہ جاری ہو گیا ماکنیم ماکنیم ہم اچھا کرینگے ہم اچھا کریں گے لاؤ اس کو بُلا کر۔ خدام کو بڑی حیرت ہوئی کہ یا تو عیسیٰ بھی نہ بنتے تھے اب خدا ہی بننے لگے مگر اس وقت کچھ کہنا بے ادبی تھا۔ دوڑ کر اس کو بلا لائے۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس بچہ کی آنکھوں پر پھیر دیا۔ بس ہاتھ پھیرتے ہی آنکھیں اچھی خاصی ہو گئیں اور وہ لوگ دعائیں دیتے ہوئے خوش بخوش اپنے بچہ کو گھر لے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد موقع پا کر بعض خاص خادموں نے عرض کیا کہ حضرت یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یا تو دعا کرنا بھی گوارا نہ تھا یا ایک ساتھ ایسے دعوے کے ساتھ فرمانے لگے ماکنیم۔ ماکنیم۔ آپ نے فرمایا بھائی یہ میں نہیں کہتا تھا۔ بات یہ ہے کہ جس وقت وہ لوگ چلے گئے تو مجھ پر عتاب ہوا کہ تم نے جو عیسیٰ کا نام لیا تو کیا وہ اچھا کرتے تھے کیا وہ تھے قادرِ مطلق اور فاعل حقیقی یا ہم تھے۔ ہم تو اب بھی قادرِ مطلق ہیں۔ پھر کیوں نہیں ہم سے عرض کیا۔ اگر اچھا کرتے تو ہم کرتے تم کون تھے اس کو مایوس کرنے والے اور اگر اب بھی اچھا کریں گے تو ہم کریں گے غرض اِدھر تو وہ مایوس ہو کر چلے اُدھر مجھ پر یہ عتاب ہوا اور بے اختیار میرے منہ سے

وہی الفاظ خدا تعالےٰ کے نکلنے لگے ماکنیم ماکنیم۔ میں توبہ توبہ یہ الفاظ کیسے کہہ سکتا تھا میری بھلا کیا مجال ہے وہ تو حق تعالیٰ فرما رہے تھے میں تھوڑا ہی کہہ رہا تھا۔ تو اولیاء اللہ کی بعض بعض کی یہ حالت ہوئی ہے ؎

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　انچہ اُستادِ ازل گفت ہماں می گویم

(پس پردہ مجھے طوطے کی طرح بٹھا دیا ہے۔ مجھے جو حکم اُستادِ ازل سے ملا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)۔

اولیاء کی جب یہ شان ہے تو انبیاء علیہم السّلام کی شان کا تو کہنا کیا۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زبانِ مبارک سے مسلم کا لفظ نکلنا بہت بڑا شرف تھا نہ کہ خود حق تعالےٰ نے ان کے منہ سے یہ لفظ کہلوایا اور ہم نالائقوں کو یہ لقب دلوایا تو اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہو سکتا ہے تو دیکھا آپ نے یہ کتنا شریف لقب ہے مگر اب بس کسر اتنی ہے کہ ہم محض لفظوں پر قانع ہو گئے بقول مولانا کے ؎

میم وواؤ و میم و نون تشریف نیست　　لفظ مؤمن جز پئے تعریف نیست

(لفظ مومن میں کوئی بزرگی نہیں ہے یہ میم، واؤ۔ نون صرف پہچان کے لئے ہیں)۔

یہ جو حرف ہیں مومن کے میم واؤ میم نون جس سے لفظ مومن بنا ہے یہ تو محض ایک پتہ کا لفظ ہے باقی میم واؤ میم نون میں کیا رکھا ہے ان سے کہیں کوئی مومن ہوتا ہے۔ ایمان تو قلب سے متعلق ہے مومن تو وہی ہے جس کے دل کے اندر ایمان رچا ہوا ہو سو واقعی بالکل ٹھیک ہے۔ اے صاحبو! محض لڈو کے لفظ کہنے سے کہیں منہ میٹھا ہو سکتا ہے۔ محض روپیہ کے لفظ سے کہیں تم جہاز کے مالک بن سکتے ہو۔ ہماری تو وہ مثال ہو رہی ہے لفظ پرستی کی جیسے کوئی مہاجن تھا۔ اس کے کوئی منیم جی تھے یا منیب جی تھے ہمیں تحقیق نہیں کہ یہ کیا لفظ ہے وہ بے چارے تھے مفلس۔ ایک دن بیٹھے

کارخانہ کا حساب وکتاب کر رہے تھے۔ ایک سائل آیا مگر وہ مہذب تھا۔ چپکا کھڑا رہا کہ اس وقت مشغول ہیں لالہ جی۔ فارغ ہوں تو مانگوں۔ دیر تک کھڑا سنتا رہا کہ دو اور دو چار۔ چار اور چھ دس۔ دس کا صفر حاصل ایک۔ دس اور بارہ ،بارہ کے دو۔ حاصل ایک۔ غرض کہیں حاصل ہوا ایک کہیں ہاتھ لگے دو کہیں حاصل ہوئے چار کہیں ہاتھ لگے چھ۔ وہ برابر کھڑا گنتا رہا۔ دس ہوئے پچاس ہوئے سو ہوئے لے اللہ کتنے حاصل ہوں گے مگر وہ سائل دل میں بڑا خوش کہ یہ تو اقراری مجرم ہے اس سے خوب وصول کروں گا۔ اس کے پاس انکار کا کیا عذر ہو سکتا ہے۔ جب لالہ جی حساب سے فارغ ہوئے تو سائل نے کہا کہ اجی مجھے بھی کچھ مل جائے لالہ جی بولے کہ بھائی میرے پاس تو کچھ بھی نہیں اس نے کہا اجی کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ میرے سامنے ہی تو سیکڑوں ہزاروں حاصل کر چکے ہو۔ کبھی حاصل ہوئے چار کبھی ہاتھ لگے چھ۔ گھنٹہ بھر سے تو میں یہی قصہ دیکھ رہا ہوں۔ اور میں سب جوڑتا گیا ہوں کئی ہزار تک تو نوبت پہونچ چکی ہے اور پھر کہتے ہو کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں اس نے کہا بھائی مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے لفظوں ہی میں حاصل ہوا ہے واقع میں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تو حضرت نرے حساب سے تو کچھ کام چلتا نہیں ،ایک اور بنئے صاحب تھے وہ محاسب بڑے تھے اور اپنی حساب دانی پر بڑا ناز تھا جیسے ہمیں الفاظ پر ناز ہے وہ اپنے کنبہ کو بیل گاڑی میں سوار کرا کے کہیں لے چلے۔ راستہ میں ندی آگئی۔ آپ نے بہلبان سے کہا کہ ٹھہر جا۔ میں پہلے حساب لگا لوں گا گاڑی ڈوب نہ جائے پنسل کاغذ اور ایک بانس لے کر آپ ندی میں گھسے اور جگہ جگہ بانس سے ناپنا شروع کیا کنارہ کے قریب ناپا تو ٹخنوں تک پانی تھا۔ آگے چلے تو گھٹنوں تک تھا اور آگے چلے تو کمر تک تھا اور آگے چلے تو ڈبان تھا۔ آپ نے سب کو جوڑ کر اوسط نکالا تو کمر تک نکلا۔ گاڑی بان سے کہنے لگے بس حساب ٹھیک ہے۔ چل ڈال دے گاڑی کو پانی میں۔ ڈوبے گی نہیں۔ یہ تو رہی

ہوئی چڑھ جا بیٹے سولی پر اللہ بھلی کرے گا۔ نوکر نے کہا بھی کہ ایک جگہ پانی ڈوبان بھی تو ہے۔ اُس نے ڈانٹ دیا کہ تو کیا جانے اوسط کا اعتبار ہوتا ہے کیا ہمارا حساب غلط ہو سکتا ہے۔ کچھ ڈر نہیں ڈال دے گاڑی کو۔ وہ بے چارہ آخر نوکر تھا تابعدار تھا۔ اس نے گاڑی کو پانی میں ڈال دیا مگر وہ پانی تو تابع نہیں ہو سکتا تھا ان صاحب کے اوسط کا۔ غرض تھوڑی دور چل کر حضرت لگے ڈوبنے تو اُس وقت بھی بجائے اس کے کہ کوئی تدبیر کرتا نکلنے کی احمق نے پھر بہی کھاتہ لے کر اپنا حساب جانچنا شروع کیا اور جب اوسط کو صحیح پایا تو آپ فرماتے ہیں کہ ارے لیکھا جوں کا توں پھر کنبہ ڈوبا کیوں حساب تو بالکل صحیح تھا پھر کنبہ کیوں ڈوبا غرض ایسے امور میں ہم اوروں پر ہنستے ہیں یہاں تک کہ انھیں خبطی اور بے وقوف قرار دیتے ہیں لیکن حضرت ہماری مثال بھی اس بنئے [illegible] سے کہ بس الفاظ پر ناز ہے جیسے اسے اپنے حساب پر ناز تھا اپنے نزدیک شیخ چلی کا سا گھر بنا لیا اور خوش ہوئے۔ یہ شیخ چلی ایک خبطی سا شخص تھا یا کوئی مسخرا تھا کسی شخص کو ایک گھڑا تیل کا اپنے گھر لے جانا تھا۔ شیخ چلی کہیں نظر پڑ گئے کہا چل ہمارا گھڑا تو ذرا گھر تک پہنچا دے دو پیسے دیں گے۔ شیخ جی نے منظور کر لیا اور سر پر گھڑا رکھ کر چلے۔ اب آپ نے اپنے دل میں منصوبہ گانٹھا کہ آج ہمیں دو پیسے ملیں گے اُن سے کوئی تجارت کرنی چاہیئے۔ سوچا کہ کون سی صورت اختیار کروں آخر یہ طے کیا کہ ان دو پیسوں کے دو انڈے خرید لوں گا پھر کسی مرغی والے کی خوشامد کر کے مُرغی کے نیچے بٹھلا دوں گا ان میں سے دو بچے نکلیں گے۔ ایک مرغا ایک مرغی انڈوں میں بھی نا ان کے باوا کی عملداری کہ ان کی مرضی کے موافق ہی بچے نکلیں گے۔ ایک نر اور ایک مادہ۔ لیکن فرض کرنا کیا مشکل ہے غرض گھر ہی کی مرغی ہوگی اور گھر ہی کا مرغا بہت سے انڈے ہوں گے اور ان کے خوب بچے ہوں گے جب بہت سے بچے ہو جائیں گے تو انہیں بیچ کر بکریاں خرید لیں گے پھر اسی طرح جب بکریاں بہت سی

ہوجائیں گی تو انہیں بیچ کر گائے خرید لیں گے پھر بھینس پھر بھینسوں کو بیچ کر گھوڑوں کی تجارت کریں گے ۔جب ہزاروں روپیہ جمع ہوجائیں گے تو ایک بڑا محل تیار کرائیں گے جب کاروبار بڑھے گا اور تجارت کے کام میں خوب ترقی ہوگی تو وزیر زادی سے نکاح کریں گے ۔یہاں تک پہونچے ہیں ۔حضرت پھر بچّہ بھی ہوجائے گا جب وہ بڑا ہوگا تو اندر سے ہمیں بلانے آئے گا کہ اباجان چلو اماں جان نے بلایا ہے ۔ہم اسے ڈانٹ دیں گے کہ ہشت ہم نہیں چلتے ۔ہمیں فرصت نہیں ہے ۔اس ہشت کہنے میں آپ نے جو سر ہلایا بے ہوشی میں گھڑا نیچے گر پڑا ۔اور تمام تیل زمین پر پھیل گیا ۔ مالک خفا ہونے لگا کہ ارے کمبخت یہ تو نے کیا حرکت کی تو آپ فرماتے ہیں ۔ میاں جاؤ بیٹھو ۔تم اپنے ذرا سے تیل کو لئے پھرتے ہو ۔میرے نقصان کو نہیں دیکھتے ۔میرا تو سارا بنا بنایا گھر ہی بگڑ گیا سارا کنبہ اور تجارت ہی غارت گئی ۔بیوی بچے سب ختم ہوگئے ۔ تو حضرت یہاں بنالیجئے آپ شیخ چلی کا سا محل ۔قیامت میں معلوم ہوگا کہ نہ کوئی ہاتھی ہے نہ گھوڑا نہ کوئی ساز ہے نہ سامان ۔خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا ۔یہاں تو یہ دعویٰ نہیں کہ نحن کذا نحن کذا ۔ہم ایسے ہم ویسے ۔ وہاں حقیقت معلوم ہوگی کہ ہم کیا ہیں کچھ بھی نہیں بس کیا ہے تھوڑا سا علم پڑھ لیا مولانا صاحب ہوگئے ۔ دو چار ضربیں اِلّا اللہ الّا اللہ کی لگا لیں اور کچھ سُرسُری بدن میں ہونے لگی تو بس شاہ صاحب بن بیٹھے گویا سارے کمالات اپنے نزدیک یہیں پورے کرلئے مگر واقعی حالت ہماری یہ ہے ؎

زاہد شدی و شیخ شدی دانش مند ایں جملہ شدی ولے مسلماں نشدی

(زاہد اور شیخ بننا تو آسان ہے لیکن مسلمان بننا مشکل ہے)

حضرت بالکل سچ ہے ۔مولوی صاحب شاہ صاحب بن لینا آسان سوداگر ملک التجّار سیٹھ صاحب بن لینا آسان لیکن اگر مشکل ہے تو مُسلمان بننا ۔یعنی ہم لوگوں کی سُستی اور کاہلی کی بدولت مشکل ہے ورنہ واقع میں تو الدین یُسرٌ ۔ دین میں سرتاسر سہولت

ہی سہولت ہے چنانچہ ارشاد ہے ما علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین دیکھئے یہاں بھی ذکر مِلّتِ ابراہیم یعنی اسلام ہی کا ہے جس کی تمہید یہ ہے کہ ماجعل علیکم فی الدّین من حرج اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جو دین ہے ۔کیونکہ دین سے مراد بقرینہ مابعد وہی ہے ۔اس میں تمہارے واسطے ادنیٰ درجہ کا بھی حرج یعنی تنگی نہیں ہے حرج نکرہ ہے اور تحت میں ہے نفی کے اور نکرہ جو تحت میں نفی کے ہوتا ہے عموم کے لئے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ذرا بھی تنگی نہیں حضرت اتنا بڑا دعویٰ نہیں ہو سکتا تھا اگر ذرا بھی احتمال ہوتا تنگی کا کیونکہ ہر زمانہ میں اسلام کے دشمن کثرت کے ساتھ رہے ہیں پھر کفارِ عرب کا تو مقابلہ تھا خاص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ لوگ رات دن اعتراض ڈھونڈا کرتے تھے ۔ چنانچہ ارشاد بھی ہے یبغونھا عوجاً دین میں ہمیشہ کجی کا کمی کا اعتراض ڈھونڈا کرتے تھے مگر ملتا نہ تھا ۔یہاں تک کہ علی الاعلان دعویٰ کیا گیا ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں شبہ کی گنجائش ہی نہیں اگر کوئی شبہ ہو تو پیش کرو ۔حضرت ایسے زمانہ میں جب کہ عرب بلکہ تمام عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بھرا پڑا تھا اگر اس دعوے میں ذرا بھی شائبہ شبہ کا ہوتا تو حضرت وہ لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مارے اعتراضوں کے تلخ کر دیتے ۔گنواتے کہ فلانے حکم میں یہ تنگی ہے فلانے حکم میں یہ ثقل ہے فلانے حکم میں یہ گرانی ہے ۔تو جب کہ لاکھوں مخالف تھے بلکہ سارا عالم مخالف تھا ایسے وقت میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ وہاں اس کے رد میں کوئی انگشت نمائی بھی نہ کر سکا اور آج یہ نئے عقلاء اعتراض کرنے بیٹھے ہیں کہ دین میں یہ سختی ہے دین میں یہ تکلیف ہے دین میں یہ دشواری ہے ۔ اگر واقعی تکلیف یا تنگی ہے کسی قسم کی تو فرمائیے اس زمانہ کے لوگوں نے یہ اعتراض کیوں نہیں پیش کیا اور اگر کہو کہ پیش کیا ہوگا تو میں کہتا ہوں

کہ کہیں نہ کہیں تو منقول ہونا چاہیئے کیونکہ اس زمانہ سے اب تک مخالفت کی میراث برابر چلی آرہی ہے تو اگر کوئی مخالف ایسی بات کہتا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب نہ بن پڑا ہوتا تو اُن کے ورثاء اور نائب اس کو ضرور نقل کرتے چلے آتے اور آج تاریخ میں وہ بات ضرور منضبط ہوتی بات یہ ہے کہ کسی کا منہ نہ تھا کہ سچی بات کو رد کرے گو ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ ہم رد کرسکتے ہیں چنانچہ کبھی کبھی کھسیان پن دکھانے کو یہ بھی کہہ ڈالتے کہ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اگر ہم چاہیں تو اس کا معارضہ کرسکتے ہیں مگر ہم چاہتے ہی نہیں۔ ارے بھائی کیوں نہیں چاہتے۔ اور کب چاہو گے اس سے زیادہ اور کون وقت آوے گا۔ اس وقت سے زیادہ کیا ذلیل ہوگے کہ جزیہ تم پر مقرر کیا گیا۔ قتل تم کئے گئے۔ قید تم ہوئے اور لو نشاء ہی کی نوبت اور ساعت نہیں آتی۔ بس معلوم ہوا کہ واقع میں عاجز تھے کچھ نہیں ہو سکتا تھا اور صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام دعوے کے ساتھ کہتے ہیں چنانچہ اس وقت میں ہی صلائے عام اور ندائے عام دیتا ہوں ساری دنیا کو کہ ایک مقام پر بھی دین میں تنگی تو ثابت کردیں ایک شخص بھی ثابت نہیں کرسکتا۔ اور صاحب یہ نہ سمجھیئے کہ یہ یوں ہی اڑا رہا ہے دین میں تنگی تو ہم رات دن مشاہدہ کرتے ہیں تو ہاں ممکن ہے یہ وسوسے دل میں دوڑے ہوں کہ صاحب یہ غضب کا دعویٰ ہے کہ دین میں کوئی تنگی ہے نہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً تجارت ہی میں لاکھوں تنگیاں ہیں جن سے لین دین ہے ہم ان سے کہتے ہیں کہ ہم سود نہیں دیتے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ جاؤ ہم مال نہیں دیتے۔ اب مر دبھو کے تم تو کہتے ہو کہ دین میں تنگی نہیں ہے اور اپنی آنکھوں سے تنگی دیکھ رہے ہیں تو ممکن ہے یہ وسوسے دل میں دوڑے ہوں مگر واقعہ یہی ہے کہ دین میں ذرا تنگی نہیں ہے چنانچہ اس مضمون پر میرا بیان مستقل بیان ہوچکا ہے نفی الحرج اس کا نام ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگ لکھوا لکھوا کر بغل میں

رکھ لیتے ہیں۔ صاف کر کے شائع نہیں کرتے ورنہ وہ بیان اس وقت پیش کرنے کے قابل تھا اس میں میں نے یہی ثابت کیا ہے کہ دین میں مطلق تنگی نہیں جس وقت میں نے اس بیان کے شروع میں دعویٰ کیا تھا بڑے بڑے عقلاء موجود تھے اور سب حیران تھے کہ اتنا بڑا دعویٰ کیونکر نبھے گا۔ اس کا تو خلاف واقع ہونا بالکل ظاہر ہے مگر جب بیان ختم ہوچکا تو سب نے تسلیم کرلیا کہ صاحب واقعی ثابت کردیا۔ خیر وہ سارا وعظ تو کہاں نقل کرسکتا ہوں۔ اس وقت ایک چھوٹی سی بات عرض کرتا ہوں انشاء اللہ وہی کافی ہوجاوے گی سارے وسوسوں کے لئے یہ جو آیت ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ سو یہ دیکھئے کہ حق جل شانہ نے تنگی کی نفی کس سے کی ہے۔ ظاہر ہے کہ دین سے کی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ تنگی جو پیش آتی ہے اس کا محل آیا دین کا کوئی جزو ہے یا کچھ اور ہے اسی کی نظیر ایک اور آیت یاد آئی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ قرآن ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہاں بھی بڑا شبہ واقع ہوتا ہے کہ صاحب کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے حالانکہ اس میں ہزاروں کو شک ہے۔ اس کا ایک بہت اچھا جواب ہے وہ یہ کہ لاریب کا تعلق اگر ہے تو قرآن کے ساتھ ہے نہ کہ لوگوں کے ساتھ یعنی دراصل خود قرآن میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور اگر کوئی خواہ مخواہ شک کرے تو یہ شک اس میں شک کرنے والے کے اندر ہوا کہ قرآن کے اندر کہ وہ بالکل پاک ہے ہر قسم کے شک وشبہ سے اگر کوئی کہے کہ یہ تو محض شاعری ہے یوں ہر صاحب باطل اہلِ حق کو کہہ سکتا ہے کہ تم کو جو میرے طریق میں جو شک ہے اس کا محل وہ طریق نہیں بلکہ تمہارا قلب ہے جواب یہ ہے کہ اہلِ باطل ایسا نہیں کہہ سکتا کیونکہ جب دلیل سے اُس کا طریق باطل ہے تو محل شک وہ طریق ہی ہے بخلاف۔ اہل حق کے کہ واقع میں جب وہ امر حق ہے تو منشا شک کا وہ امر حق نہ ہوگا معترض کا صرف ذہن ہوگا اور میں اس

کی ایک نظیر رکھتا ہوں۔ ایک شخص نہایت سفید کپڑے استری کئے ہوئے اور کلف دار پہنے ہوئے ہے اور ایک شخص ہے کہ زرد شیشوں کی عینک لگائے ہوئے ہے یا یرقان صفراوی کا بیمار ہے جسے دنیا کی ہر چیز میں زردی نظر آتی ہے یا بقول مولانا ؎

چوں برگردی دبرگردد سرت

کوئی کہنے لگے کہ زمین کو حرکت ہو رہی ہے۔ میرا سارا گھر گھوم رہا ہے تو اس سے یہی کہا جاوے گا کہ گھر تو کیا تیرا سر گھوم رہا ہے۔ حالانکہ اس کا مشاہدہ ہے وہ کہے گا کہ کیا غضب کی بات ہے کہ تم میرے مشاہدہ کی تکذیب کرتے ہو مگر ہم کہیں گے کہ ہم تیرے مشاہدہ کو غلط نہیں کہتے تجھے تو واقعی گھر گھومتا ہوا معلوم ہو رہا ہوگا مگر فی الواقع اس گھومنے کا گھر کے ساتھ تعلق غلط ہے۔ تیرے سر کے ساتھ تھا تو نے گھر کے ساتھ سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح کوئی مُبصر سفید کپڑے کو کہے ذَالِكَ الثَّوابُ لَا صَفْرَةَ فِيْهِ اس کپڑے میں بالکل زردی نہیں ہے اور اس کو سُن کر وہ شخص جو یرقان کا مریض ہے یا زرد عینک لگائے ہوئے ہے یہ کہنے لگے کہ میں تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں واللہ اس میں زردی ہے تو محقق مُبصر کی جانب سے کیا جواب ملے گا۔ وہ جواب یہ دے گا کہ بھائی تو دیکھ تو رہا ہے صحیح مگر سمجھ رہا ہے غلط۔ یہ صفرت جو تجھے نظر آرہی ہے تیری آنکھ میں ہے۔ تیری عینک میں ہے کپڑے میں نہیں ہے اسی طرح حق تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ دین میں تنگی نہیں ہے یہ نہیں کہا کہ آپ کے جو گاہک صاحب یا منیجر صاحب یا مال بھیجنے والے صاحب ولایت میں ہیں ان کے معاملے میں تنگی نہیں ہے یہ فرمایا ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ اس کا چاہے امتحان کر لو ساری دنیا اگر یہ دین اختیار کر لے پھر جو کہیں بھی گاڑی اٹکے اور قانون میں تنگی ہونے کا یہی امتحان ہے کہ اگر ساری دنیا وہ قانون سہل اختیار کر لے تو کہیں گاڑی نہ اٹکے اور اگر پھر بھی کہیں گاڑی اٹکنے لگے تو یہ البتہ علامت ہے قانون کی تنگی کی اور اگر اس کو سب نے اختیار نہیں کیا اور اس وجہ سے تنگی پیش آنے لگی تو یہ علامت اس

کی نہیں کہ قانون میں تنگی ہے بلکہ عمل نہ کرنے والوں میں تنگی کہی جائے گی۔ اسی طرح دین کو اگر سب اختیار کریں تو ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ کہیں بھی تنگی واقع نہ ہوگی مگر چونکہ بعض نے تو اسے اختیار کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا اور معاملہ ان کا ان ہی سے پڑتا ہے اس لئے اختیار کرنے والوں کو لامحالہ تنگی پیش آئے گی لیکن محل تنگی کا وہ اختیار نہ کرنے والے ہیں نہ کہ دین۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب حاذق کسی دیہاتی کو نسخہ لکھ کر دے لیکن اس دیہاتی کا گاؤں ایک ایسا گندہ مقام ہے جہاں نہ مرغ ملتی ہے نہ انڈا ملتا ہے نہ بکری کا گوشت نہ کدو کی ترکاری نہ ماش کی دال نہ چنے کی دال اور ملتا کیا ہے وہاں کریلا۔ بینگن اور مسور کی دال بھینس کا گوشت غرض جتنی مضر چیزیں ہیں وہ تو وہاں ملتی ہیں ان کے سوا اور کچھ وہاں ملتا ہی نہیں۔ ایسے دیہاتی نے حکیم صاحب سے نسخہ لکھایا پھر پوچھا کہ کھانا کیا کھاؤں حکیم صاحب نے کہا بکری کا گوشت کھاؤ بولا اجی وہ تو ہمارے گاؤں میں نہیں ہوتا۔ کہا اچھا مونگ کی دال توری ڈال کر کھاؤ۔ بولا یہ چیزیں بھی نہیں ہوتیں۔ بھائی لوکی کھاؤ۔ اجی وہ بھی نہیں ہوتی چنے کی دال ہی سہی۔ صاحب یہ بھی نہیں ملتی۔ غرض جو جو چیز حکیم صاحب بتاتے جائیں وہ یہی کہتا جائے کہ صاحب یہ بھی نہیں ہوتی یہ بھی نہیں ملتی۔ آخر حکیم صاحب نے جھلا کر کہا کہ آخر تیرے گاؤں میں کچھ ہوتا بھی ہے۔ اس نے کہا ہمارے ہاں تو بینگن ہوتا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا خبردار بینگن ہرگز مت کھانا۔ سخت نقصان کرے گا۔ کہا کریلہ ہوتا ہے۔ کہا یہ بھی مت کھانا۔ مسور کی دال ملتی ہے۔ دیکھو یہ بھی مت کھانا۔ اب وہ دیہاتی صاحب غصہ میں بھرے ہوئے باہر گئے اور کہنے لگے بس جی دیکھ لیا حکیم صاحب کو اس قدر تشدد ہے اس قدر تنگی ہے کہ جس چیز کو پوچھو یہ بھی مت کھانا، جس چیز کو پوچھو یہ بھی مت کھاؤ اور ایسی چیزیں بتلا دیں جو ہمارے گاؤں میں ہوتی ہی نہیں۔ ان کا علاج بڑا سخت ہے ان کے علاج میں بڑی تنگی ہے سب یہی کہیں گے احمق کو کہ حکیم صاحب کے علاج میں تو تنگی نہیں انھوں نے

تو دس چیزیں بتائیں لیکن اب وہ اس کو کیا کریں کہ تیرے گاؤں ہی میں مضر چیزوں کے سوائے کوئی مفید چیز نہیں ملتی۔ تو تیرے گاؤں میں تنگی ہے احمق نہ کہ حکیم صاحب کے علاج میں اب جتنی ترقی کی صورتیں ہیں ان میں سے شریعت نے سیکڑوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اور بہت کم صورتوں کو ناجائز بتلایا ہے لیکن اب دوسرا وہ معاملہ تو کرے جو ناجائز ہے اور وہ معاملہ نہ کرے جو جائز ہے تو سبب تنگی کا وہ ہے یا دین اور یہ یقینی بات ہے جو تنگی پیش آتی ہے یا تو اہل معاملہ کی وجہ سے پیش آتی ہے جیسا ابھی ذکر ہوا اور یا آپ کی کم ہمتی کی وجہ سے پیش آتی ہے تو اس کے ذمہ دار آپ لوگ ہوئے یا دین تو غرض دین فی نفسہ اتنا آسان ہے کہ اس میں شائبہ بھی تنگی کا نہیں لیکن ہم نے خود اس آسان کو اپنے سوء استعمال سے دشوار بنا رکھا ہے۔ اب اس کا کیا علاج مثلاً نماز پڑھنا ہے یہ بھی کیں مشکل ہے کہ اٹھ کر چند سہل اعمال کر لئے ویسے بھی تو تاجر صاحب ۸ بجے سو کر اٹھتے ہیں کبھی بہت سا وقت تجارت سے خالی رہتا ہے سو اگر اس درمیان میں ذرا سویرے اُٹھ کر فجر کی نماز ہی پڑھ لیتے تو اس میں کونسا خلل تھا تجارت کا۔ اسی طرح دین کی ساری باتیں آسان ہیں نماز بھی روزہ بھی مگر ہم نے خود اُن کو مشکل بنا رکھا ہے بلکہ زیادہ تر تو سبب تنگی کا کم ہمتی ہے جیسے مشہور ہے کہ واجد علی شاہ کے یہاں ایک احدیوں کی جماعت تھی ان کی ایک یوں ہی افواہی حکایت سُنی ہے کہ دو شخص تھے ایک تو بیٹھا ہوا تھا اور ایک لیٹا ہوا۔ ایک سوار کا وہاں گذر ہوا۔ لیٹے ہوئے نے پکار کر کہا کہ میاں سوار ذرا یہاں تو آنا۔ وہ آیا کہ نہ معلوم بے چارے کو کیا حاجت ہوگی۔ پوچھا کہ کیا کام ہے۔ کہا میاں یہ جو میرے سینہ پر ایک بیر پڑا ہوا ہے گھوڑے سے اتر کر ذرا میرے منہ میں ڈال دو۔ سوار نے کہا لاحول ولا قوۃ میں تو سمجھا تھا کہ معلوم کیا ضروری اور مشکل کام ہوگا۔ بھلا یہ بھی کوئی کام ہے۔ خواہ مخواہ میرا راستہ کھوٹا کیا۔ ارے بھلے مانس تو خود اُٹھا کر منہ میں کیوں نہیں ڈال لیتا۔ کیا تیرے ہاتھ نہیں ہیں۔ اس نے کہا اجی صاحب بھلا کہاں ہاتھ سینہ

تک لے جاؤں اتنا بکھیڑا کس سے ہو اگر ذرا تمہیں ڈال دوگے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا صاحب انسان کو ایسا بھی بے مروت نہ ہونا چاہیئے۔ سوار سخت متحیر ہوا اس کے پاس والے سے کہا کہ ارے تو کس مصرف کا ہے تو بھی تو یوں ہی بیکار بیٹھا ہوا ہے تو ہی بیر اُٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دے اس نے بگڑ کر کہا کہ بس جی مجھ سے کچھ نہ بولو۔ نہیں تو لڑائی ہو جاوے گی تمہیں میرے دکھ کی میرے درد کی کچھ خبر بھی ہے۔ آئے اور بس رائے دیدی اس سے اور مجھ سے یہ معاہدہ ٹھہرا تھا کہ ایک دن ہم بیٹھیں اور تم لیٹے رہو اور ایک دن تم بیٹھو اور ہم لیٹے رہیں اور جو بیٹھا ہو وہ لیٹے ہوئے کا کام کر دیا کرے۔ کل اس کے بیٹھنے اور میرے لیٹنے کا دن تھا مجھے لیٹے لیٹے جمائی آئی ایک کتا آ کر میرے منہ میں موتنے لگا کہ بیٹھا دیکھتا رہا اور کُتے کو ہٹایا تک نہیں۔ اب میں اسے ضرور بیر کھلاؤں گا۔ سوار کی حیرت کی حد نہ رہی کہ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے عالی ہمتی کا کہ منہ کے اندر کُتے کے موتنے میں بھی اس کے منتظر ہیں کہ کوئی اور ہٹا دے اور بیر اُٹھانے میں اس کے منتظر ہیں کہ کوئی اور اُٹھا کر منہ میں ڈال دے خود کون اُٹھائے احدیت میں فرق آ جائے گا۔ خیر یہ تو واہیات گھڑی ہوئی حکایت ہے۔ ہمارے مدرسہ میں ایک طالب علم تھے۔ یہ جماعت بھی بہت سُست ہے مگر خیر دنیا کے کاموں میں سُست ہو تو ہو دین میں سُست نہ ہو۔ ان کے حجرہ میں ایک چوہیا نے سوراخ کر لیا تھا اور بہت سی مٹی باہر نکال کر جمع کر دی تھی۔ وہاں ایک حاجی ہیں انہیں طالب علموں سے محبت ہے یگانگت کا برتاؤ رکھتے ہیں وہ ایک دن اُس حجرہ کے پاس ہو کر گذرے تو مٹی کا ڈھیر نظر آیا۔ خیر انہیں کچھ خیال ہوا سوراخ میں وہ مٹی بھر دی اور خوب ٹھوک پیٹ کر اسے بند کر دیا۔ اگلے دن چوہیا نے پھر مٹی نکال کر سوراخ کر لیا کسی نے کہا مٹی بھر کر ٹھیک کر دیا ہوتا تو آپ کیا فرماتے ہیں حاجی جی آ کر کریں گے حاجی جی اب گویا ان کے نوکر ہو گئے ساری عمر کے لئے۔ تو حضرت دنیا میں ایسی ہمت کے ابھی لوگ موجود ہیں اسی طرح زیادہ سبب دین میں تنگی محسوس ہونے کا یہ کم ہمتی ہی ہے

ہم ان حکایتوں پر تو ہنستے ہیں لیکن دین کے اندر ہماری کم ہمتی کی بھی یہی حالت ہے ۔ میں سچ کہتا ہوں جن سے نماز روزہ نہیں ہوتا حضرت اگر حکام میں سے کوئی انہیں بلادے جس کا قرب موجبِ عزت ہو تو جو عذرات نماز روزہ کے لئے ہو رہے ہیں ان میں سے جو ایک بھی باقی رہ جاوے جس وقت موذن کہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ یعنی نماز کے لئے آؤ اس وقت کہتے ہیں کہ بھائی ہم سے تو مسجد تک نہیں جایا جاتا ۔ کون اتنی دور جانے اور اگر کوئی اردلی آکر پیغام دے کہ صاحب کلکٹر نے آپ کو یاد کیا ہے تو فخر سمجھ کر فوراً چلنے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے ۔ چار میل پر بھی ڈیرہ ہوگا تو وہیں جا کر مشغول ملاقات ہونگے اور آکر فخر کریں گے کہ ہمیں صاحب کلکٹر نے بلایا تھا تو یہ کیا بات ہے وہی شخص جو محلہ کی مسجد میں بھی نہ جا سکتا تھا اسے چار میل کے فاصلہ پر کس نے جا پہونچایا ۔ وہ کیا کہ مسجد تک جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا اور وہاں جانے کا ارادہ کر لیا اسی ارادہ کا نام ہمت ہے تو ساری کمی ارادہ اور ہمت کی ہوئی ۔ واقعی حضرت قصد ہی نہیں ورنہ بڑے بڑے دشوار کام آسان ہو جاتے ہیں یہ قصد کا اثر نہیں تو اور کیا ہے کہ تجارت کے لئے کہیں افریقہ کہیں کہیں کہیں کہیں جا پہونچتے ہیں جو شخص مسجد میں نہ جا سکے وہ ایک دم سے ناٹال اور افریقہ پہنچے ۔

آخر کیا فرق ہے ارادہ ہی کا تو فرق ہے اے حضرت اگر ارادہ دین کا کر لو اور پھر کوئی دشواری پیش آئے اُس وقت تو ہم جواب کے ذمہ دار ہیں اور مشورہ کے باقی جتنی بھی دشواریاں اب پیش کی جارہی ہیں ابھی ان کے جواب کا وقت نہیں نہ سوت نہ کپاس جولاہے سے ٹھینگم ٹھینگا ۔ یہ سب سوال و جواب اور قیل و قال ایسی ہے جیسی افیونیوں کی جس سے کچھ حاصل نہیں ۔ افیونیوں کو مٹھائی کا بہت شوق ہوتا ہے ۔ دو افیونی تھے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے ایک بولا یار گنّوں کی کاشت کریں گے بڑا مزہ رہے گا ۔ گنا تڑاق سے توڑا اور چوسنے لگے دوسرا بولا ہاں یار بڑا لطف رہے گا تڑاق پڑاق توڑا اور چوس لیا ۔ اس پر پہلے نے بگڑ کر کہا کہ میں نے ایک ہی گنا توڑا تھا تو نے

دو کیوں توڑ لئے دوسرا بولا ہمارا کھیت ہے چاہے سو کھادیں تو کون ہے روکنے والا تو بھی کھا لے ۔ بس جناب اسی بات پر لڑائی ہو گئی ۔ کوئی ان سے پوچھے ارے احمقو وہ گنے ابھی ہیں کہاں جن پر لڑائی بھی ہونے لگی ۔ غرض لڑائی اتنی بڑھی کہ مقدمہ قاضی کے یہاں پہونچا قاضی نے انھیں اس حماقت کی اس طرح سزا دی کہ دونوں سے کہا کہ پہلے اس کاشت کا محصول سرکاری داخل کروگے پھر مقدمہ کی سماعت کی جاوے گی ۔ چنانچہ جناب اس نے پہلے تو دونوں سے محصول داخل کرا لیا ۔ پھر دونوں سے کہا کہ دیکھو خبردار برابر برابر گنّے توڑا کرو ۔ یہ فیصلہ کر دیا ۔ خواجہ صاحب نے (یہ احقر کاتب وعظ کی طرف مزاحاً اشارہ تھا بحوالہ احقر کے سابق عہدہ ڈپٹی کلکٹری کے ۱۲ کاتب) بس اسی طرح دین کے متعلق سوال و اشکالات تو بہت اور کام کے نام دم نکلتا ہے ۔ حالانکہ حالت ہونا یہ چاہیے ؎

اندریں راہ کار باید کار　　　　کارکن کار بگذر از گفتار

(باتیں چھوڑ کر عمل میں لگ ۔ اس طریق الفت میں صرف عمل ہے)

فرماتے ہیں شیخ شیرازی ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　　　کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

(یعنی راہِ طریقت میں قدم رکھنا چاہیے اور عمل کرنا چاہیے ۔ کیونکہ بغیر قدم رکھے عمل کے دعوے کی کوئی حقیقت نہیں) ۔

(چونکہ یہ شعر دوبارہ پڑھا گیا تھا اس لئے دوبارہ ہی لکھا گیا ۱۲ کاتب) خدا جانتا ہے خدا کے یہاں نہ مولویت کا دعویٰ کچھ کام دے گا اور نہ مشیخت کام دے گی ۔ اگر کام دے گا تو یہی کہ اپنے کو خدا کے سپرد کر دو جس کا نام ہے اسلام کامل بس یہ کام دے گا اور کچھ بھی نہیں تو خدا کے واسطے ہمتیں درست کر کے کامل اسلام اختیار کر لو اور دشواری کے وہم سے ہمت مت ہارو ۔ ذرا اختیار کر کے تو دیکھو میں قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں ۔ دیکھئے آدمی قسم جب ہی کھاتا ہے جب پورا بھروسہ ہو ۔ اس سے سمجھ لیجئے کہ مجھے کوئی تو بھروسہ ہے

خود اپنا معائنہ مشاہدہ یا بزرگوں کی تقریر یا تقلید کسی چیز پر تو اطمینان ہے ۔ جس پر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جتنی دشواریاں تمہیں دین میں اب نظر آ رہی ہیں اگر ارادہ کی تکمیل کرو اور عمل شروع کردو تو خدا کی قسم سب دشواریاں جو تمہیں نظر آ رہی تھیں وہ محض ہمارا وہم تھا اور کچھ بھی نہیں ۔ میں ایک مثال دیتا ہوں ۔ جنگل میں دیکھا ہوگا یا کسی پختہ سڑک پر دیکھا ہوگا کہ راستہ کے دونوں طرف درخت ہوتے ہیں اور دور تک نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر دونوں لائنیں درختوں کی مل گئی ہیں اور راستہ بند ہوگیا ہے یا سمندر کی سیر کو کبھی گئے ہوگے تو سمندر آسمان کے کنارہ سے ملا ہوا نظر آیا ہوگا یہ اور معلوم ہوتا ہوگا کہ بس آگے سمندر نہیں ۔ اب فرض کرو ایک شخص ہے بالکل ناتجربہ کار جس کو کہیں کا تجربہ نہیں نہ بر کا نہ بحر کا ۔ اس کو دریا میں لے چلے ۔ ایک مقام تھا جہاں دریا کا بھی راستہ قطع کرنا تھا ۔ اب وہ آسمان کے کنارہ کو پانی سے ملا ہوا دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ آگے چل کر راستہ بند ہے اور یہ سوچ کر کہ یہ سر پوش سا کیا ڈھکا ہوا ہے جہاز اس سے ٹکرا نہ جائے گا جہاز والے سے پوچھتا ہے کہ بھائی پہلے مجھے یہ تو بتا دو کہ کدھر کو جائے گا جہاز ۔ تم چل تو رہے ہو مگر آگے راستہ ندارد ۔ اب جہاز والا ہر چند کہتا ہے کہ بھائی تم چپکے تو چلے چلو راستہ صاف پڑا ہوا ہے میرا تو بارہا کا دیکھا ہوا ہے ۔ میں تو رات دن کا آنے جانے والا ٹھہرا اور تم نے کبھی دریا کا سفر کیا نہیں اس لئے یوں سمجھ رہے ہو کہ راستہ بند ہے لیکن دراصل یہ بات نہیں ۔ تمہیں تجربہ نہیں لیکن وہ کہتا ہے کہ نہیں جناب پہلے ہمیں سمجھا دو تب چلیں گے کیونکہ ہمیں تو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے کہ آگے چل کر راستہ بند ہے ۔ خیر ابھی تو دس میل ہی آئے ہیں پھر دور پہونچ کر لوٹنا پڑا تو طوالت ہوگی ۔ یہیں سے واپس چلے چلو اب کیا اس احمق کے کہنے سے جہاز والا اپنا جہاز پیچھے کو ہٹائے گا ۔ یا کوئی اسی طرح احمق ہو جس کی میں نے پہلے مثال دی تھی کہ سڑک پر دونوں لینیں درختوں کی ملی ہوئی ایسا دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ آگے راستہ بند ہے اور اپنے رہبر سے کہتا ہے کہ آگے چل کر

تو درخت مل گئے ہیں اور راستہ بند ہو رہا ہے تم کدھر لئے چل رہے ہو ۔ وہ ہر چند کہتا ہے کہ درخت یہیں سے ملے ہوئے نظر آ رہے ہیں وہاں ملے ہوئے نہیں ہیں تم چلنا تو شروع کرو ۔ راستہ ملے گا ۔ اب وہ سنتا ہی نہیں ۔ اب بھلا ایسے احمقوں کا کیا علاج

اسی طرح اے صاحبو! جب تم نے چلنا شروع نہیں کیا ہے جبھی تک دین کے راستہ میں تمہیں پتھر اور پہاڑ نظر آ رہے ہیں ۔ ارے بھائی تم چلو تو پھر جتنے پتھر اور پہاڑ ہیں سب خود بخود ہٹتے چلے جائیں گے اول تو اس راستہ میں پہاڑ ہیں نہیں ؎

اے خلیل اینجا شرار و دود نیست　　جز کہ سحر و خدعۂ نمرود نیست

(یہ شعر دوبارہ پڑھا)

(اللہ کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں اور جو کسی کو رکاوٹ معلوم ہوتی ہے وہ نمرود جیسے سحر اور جادو کی شکل ہے)

اور جو پہاڑ تمہیں اس وقت نظر آ رہے ہیں وہ حقیقی نہیں ہیں خیالی ہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ دین میں تنگی اور دشواری اوّل تو ہے ہی نہیں اور اگر ہو بھی تو ایسی برکت ہے طلب کی اور اخلاص اور وفا کی اور سچے اسلام کی کہ بڑے بڑے پہاڑ ھباءً منثورا ہو جاتے ہیں ۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید　　خیرہ یوسف وار می باید دوید

(اگرچہ عالم میں نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے ۔ مگر یوسف (علیہ السلام) کی طرح بھاگ نکلنے کی کوشش تو کرنی چاہیے)

ہائے کیا مضمون ہے ۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا بہانہ سے اپنے محل کے اندر لے گئی تو سات دروازے تھے اس محل کے ۔ ہر ایک دروازہ کو بند کر کے اس میں ایک ایک قفل بھاری لگاتی چلی گئی ۔ جب ساتوں دروازے مقفل ہو چکے تب اطمینان کے ساتھ اس نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ اب اگر بھاگنا بھی چاہیں گے تو بھاگ کر جائیں

گے کہاں۔ اس وقت اگر وہ ایسے ہی شکی ہوتے جیسے کہ ہم لوگ ہیں اور حق تعالیٰ پر پورا توکل نہ ہوتا تو بھاگنے کی کوشش ہی نہ کرتے مگر خدا پر توکل کر کے بھاگے کہ میں اپنا کام تو کردوں وہ اپنا کام کریں گے۔ جو کام میرے اختیار میں ہے وہ تو مجھے پورا کرنا چاہیئے۔ بس جناب دوڑنا تھا اور قفلوں کا خودبخود ٹوٹ کر نیچے گرنا اور پٹوں کا کھلنا غرض ایک ٹوٹا دوسرا ٹوٹا تیسرا اسی طرح ٹوٹا پھر چوتھا پھر پانچواں غرض سارے قفل ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام ساتوں دروازوں کو پار کر کے باہر ہو گئے تو مولانا اس کو یاد دلا کر فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید　　　خیرہ یوسف وار می باید دوید

یعنی گو نفس و شیطان سے بچ کر نکلنے کا راستہ تو دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا لیکن تم خدا پر بھروسہ کر کے دوڑ دو دیکھو اللہ میاں غیب سے راستہ پیدا کرتے ہیں یا نہیں۔ ارے بھائی تم تو اپنی سی کوشش کرو اور اصلاح کا ارادہ تو کرو پھر کوئی اشکال پیش آوے تو پیش کرو۔ کام کرنے سے پہلے تو یہ باتیں کرنا فضول ہیں مجھے ایک جواب اپنے استاد مولانا محمد یعقوب قدس سرہ العزیز کا بہت پسند آیا جو انھوں نے ایک طالب علم کو دیا تھا دیکھئے اہلِ مناظرہ کے جواب اور قسم کے ہوتے ہیں۔ اہلِ حقیقت کے اور قسم کے اہل مناظرہ کے جواب تو بس زبان ہی تک رہتے ہیں اور اہلِ تحقیق کے جواب قلب تک اُترتے ہیں۔ دورانِ درس میں ایک طالب علم نے ایک حدیث پر شبہ کیا تھا اس کا جواب مولانا نے دیا تھا۔ حدیث یہ ہے کہ جو اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ایسے پڑھے کہ لَا یُحَدِّثُ فِیْهِمَا نَفْسَهٗ یعنی اس میں اپنے جی سے باتیں نہ کرے یعنی حدیث النفس کے طور پر جو ہم لوگ ادھر اُدھر کی باتیں سوچا کرتے تھے اس سے وہ نماز بالکل خالی ہو۔ بے سوچے اگر ادھر اُدھر کے خیالات آجاویں تو کچھ ڈر نہیں مگر خود نہ سوچے اور بے سوچے آنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ انھیں دل میں رکھے بھی نہیں یعنی احداث

اور ابقاء دونوں اس کی جانب سے نہ ہوں۔ یعنی نہ خود پیدا کرے نہ خود باقی رکھے۔ بس متوجہ الی اللہ رہے اور اگر کوئی خیال خودبخود آجائے تو کچھ حرج نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ نماز میں حضوری بہت آسان ہے جس کو لوگوں نے خواہ مخواہ مشکل سمجھ رکھا ہے تو مولانا کی خدمت میں یہ حدیث ہو رہی تھی کہ جو ایسی دو رکعت پڑھ لے گا غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ یعنی اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ایک طالب علم بولا کیوں حضرت کیا ایسی نماز ممکن ہے جس میں خیالات نہ آویں اوّل تو اس نے سوال ہی غلط کیا حدیث شریف میں تو یہ ہے کہ لَا یُحَدِّثُ فِیْهِمَا نَفْسَهٗ لَا تَتَحَدَّثُ فِیْهِمَا نَفْسُهٗ مگر مولانا نے اس مواخذہ سے تعرض نہ فرما کر کیا خوب جواب دیا کہ میاں کبھی ارادہ بھی ایسی نماز پڑھنے کا کیا تھا جس میں کامیابی نہ ہوئی۔ کبھی پڑھ کر کبھی دیکھی بھی، اگر پڑھ کر دیکھتے اور ناکامی ہوتی تب تو پوچھتے ہوئے بھی اچھے معلوم ہوتے۔ شرم نہیں آتی کہ کبھی ارادہ تو کیا نہیں اور پہلے ہی اعتراض کرنے بیٹھ گئے حدیث پر بھائی، کبھی اس حدیث پر عمل تو کر کے دیکھا ہوتا۔ جب قدرت نہ ہوتی جبھی اعتراض کیا ہوتا۔ سو واقعی اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے پلاؤ کی تعریف کی کہ بڑا الذیذ ہوتا ہے یہ سُن کر ایک کہتا ہے جو ہمیشہ ستو ہی گھول گھول کے پیتا رہا ہے کہ پلاؤ گلے سے اُترے گا کیونکر لمبے لمبے چاول کانٹے سے پھر لقمہ میں بہت سے اور جو پھنس جائیں تو مثلاً ایک لقمہ میں ۵۰ چاول ایک دم سے آگئے وہ کانٹے کی طرح لمبے نوکدار اور حلق کا ذرا سا سوراخ۔ بھلا لقمہ اُترے گا کیسے آپ نے یہ بات حکیم جی سے پوچھی کہ صاحب ذرا مجھے سمجھا دیجئے کہ پلاؤ کا لقمہ گلے سے اُترے گا یا نہیں۔ کوئی پتلی چیز ہوتی تو اُتر بھی جاتی۔ اب حکیم صاحب سمجھانے بیٹھے کہ دیکھو یہ صورت اُترنے کی ہو گی کہ یہاں تو یہ چاول لمبے لمبے نظر آرہے ہیں وہاں پہونچ کر گول ہو جائیں گے وہاں حلق کے اندر تخلخل ہو جائے گا مگر اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا اشکالات پر اشکالات

بس سیدھا جواب یہ ہے کہ ارے احمق کھا کر تو دیکھ جس وقت اٹھے گا اُسی وقت پوچھیے اصلی جواب تو یہی ہے۔ حضرت ان بزرگوں کے جواب ایسے ہی ہوتے ہیں کہ پھر کسی کو گنجائش ہی کلام کی باقی نہیں رہتی۔ سُنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک۔ بھلا کیا منہ رہا اس طالب علم کا کہ پھر کوئی اشکال پیش کر سکے مولانا کے جواب کے بعد واللہ اگر مولانا حقیقت سمجھانے بیٹھ جاتے اس طالب علم کو تو ہزاروں شبہات پیش آتے۔ اس کا شبہ تو کام کرنے ہی سے رفع ہو سکتا تھا۔ اس کا شبہ علمی تقریر سے دور نہ ہوتا کیونکہ جو عملی کام ہیں ان میں جو شبہات پیدا ہوں وہ عمل ہی کرنے سے زائل ہوتے ہیں ورنہ نری علمی تحقیقات سے کچھ کام نہیں چلتا۔ تو بزرگوں کے جواب جو جناب ایسے ہی ہوتے ہیں اور حقیقت میں صحیح جواب یہی ہیں، اسی طرز پر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ تکمیل اسلام یعنی اسلام کامل حاصل کرنے کا ارادہ کر لو پھر اگر نا کافی ہو تب تو کچھ اچھے بھی معلوم ہو کوئی اشکال پیش کرتے ہوئے اور ارادہ کرنا کیا مشکل ہے کر کے تو دیکھو حاصل یہ کہ واقع میں ارادہ کے بعد جب دین میں کچھ دشواری نہیں اور دین ہے اسلام اور اسلام کی حقیقت ہے سُپرد کرنا اور وہ ہے آسان تو بس اپنے کو خدا تعالےٰ کے سُپرد کر دو اب یہ سمجھنا باقی ہے کہ سُپرد کرنا کسے کہتے ہیں سو اس کے لئے ایک موٹی مثال عرض کرتا ہوں دیکھئے وکیل کے سُپرد جو مقدمہ کر دیا جاتا ہے تو اس کے کیا معنے ہوتے ہیں یہی معنے ہوتے ہیں کہ بس اب تم اس میں کوئی دخل مت دو۔ اب مقدمہ جانے اور وکیل جانے۔ اور وکیل بھی خاص کر جبکہ معتمد بھی ہو۔ کارساز بھی ہو۔ خیر خواہ بھی ہو دانا بھی ہو قادر بھی ہو۔ بعض وکیلوں میں تو یہ بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ کبھی شاید قانون نہ جانتا ہو شفقت میں کمی ہو اور جہاں ایسا ہو جیسے بیٹے کا تو مقدمہ اور باپ وکیل یا جیسے کوئی مریض اپنے آپ کو ایسے حکیم کے سپرد کر دے کہ وہ طبیب بھی ہے اور باپ بھی ہے اور طبیب بھی ایسا کہ حکیم محمود خاں سے سند حاصل کئے ہوئے۔ اس کے

سپرد کرنے کے کیا معنی ہوں گے۔ یہ معنے ہوں گے کہ تم مت دخل دو اور دخل نہ دینے کے کیا معنی یہ کہ اگر مریض کچھ کھاوے تو حکیم جی سے پوچھے نسخہ پیوے تو حکیم جی سے پوچھے۔ میں جب بیمار پڑتا ہوں تو ایسا کرتا ہوں کہ کوئی ایک طبیب اپنے علاج کے لئے تجویز کر لیتا ہوں اور سُپرد کرنے کے اس معنے پر اس طرح عمل کرتا ہوں کہ اگر کوئی بھی کچھ بتلاتا ہے کیونکہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب محبّت ہوتی ہے تو نفع کی چیز بتانے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے۔ تو میں کسی کی دل شکنی نہیں کرتا۔ کہہ دیتا ہوں کہ بھائی فلانے حکیم میرے معالج ہیں تم ان کو کہہ دو انھیں سمجھا دو اگر وہ مناسب سمجھیں گے تو مجھے بھی کوئی عذر اس کے استعمال میں نہ ہوگا اگر ایسا نہ کروں تو میں کس کس کا علاج کروں کیوں کہ محبّت میں ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ ضرور بتانے لگتا ہے اسی واسطے میں کہتا ہوں ضرورت اس کی ہے کہ ایک خدا کو اختیار کر لو ہم نے بچاس اللہ اختیار کر رکھے ہیں کہیں نفس کہیں برادری کہیں قوم کہیں روپیہ، کہیں کچھ کہیں کچھ۔ سب کو راضی نہیں کر سکتے بس ایک کو لے لو ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار ۔۔۔ بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

(مصلحت یہ ہے کہ سارے جہاں کی مصلحت چھوڑ کر دوست محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائیں)

اور یہ مشرب ہونا چاہیئے مسلمان کا ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے ۔۔۔ چہ کنم کہ چشم بدبیں نہ کند بکس نگاہے

(سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند ہی کے خیال میں مست ہوں۔ کیا کروں میں، کاش کہ بدخو کی نظر کسی پر بھی نہ پڑتی)

اور یہ مذہب ہونا چاہیئے ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند ۔۔۔ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے اس کے لئے تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو)

اور حضرت خدا کے ساتھ تو یہ علاقہ کیوں نہ ہونا چاہیئے لوگوں نے تو مخلوق کے ساتھ یہ علاقہ پیدا کر لیا ہے۔ اب آخر مجنوں کا قصہ معلوم ہی ہے سب کو لیلیٰ مورخین نے لکھا ہے کہ سانولی تھی۔ بہت اچھی نہ تھی۔ لیکن دل ہے جہاں آ گیا۔ ایک حکایت مولانا نے لکھی ہے ؎

گفت لیلےٰ را خلیفہ کاں توئی　　گر تو مجنوں شد پریشان و غوی

بادشاہ وقت نے جب لیلیٰ کی تعریف سُنی تو حکم دے دیا کہ بُلا لو۔ چنانچہ وہ حاضر کی گئی دیکھا تو ایک سانولی سی عورت۔ کہا ماشاءاللہ آپ ہی ہیں جنھوں نے مجنوں کو پریشان کر رکھا ہے ؎

از دگر خوباں تو افزوں نیستی　　گفت خاموش چوں تو مجنوں نیستی

یعنی اوروں سے زیادہ تو کوئی بات تجھ میں نہیں معلوم ہوتی۔ لیلیٰ نے کہا چپ رہ تو مجنوں تھوڑا ہی ہے ؎

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا　　ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اگر تیرے پاس مجنوں کی آنکھ ہوتی تو اس وقت تیری نظروں میں دونوں عالم بے قدر ہو جاتے تو حضرت جس کا حُسن ادنیٰ درجہ کا ہے اس کی محبت میں تو طالب کی یہ حالت ہو جائے کہ دونوں عالم اس کی نظروں میں بے قدر ہو جائیں اور آپ خدا کی محبت میں اتنی حالت بھی نہ کر دکھلادیں افسوس ؎

عشقِ مولا کے کم از لیلےٰ بود　　گوئے گشتن بہرِ او اولےٰ بود

کیونکہ عشق کا مدار حُسن ہے اور حُسن کہاں خدا کا کہاں لیلیٰ کا۔ حُسن مجازی تو ایک پرتو ہے حُسنِ حقیقی کا سو دنیا کا حُسن و جمال وہیں کا ظِل ہے۔ انہی کو کہتے ہیں ایک عارف ؎

حُسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ　　بس بہ چشمِ عاشقاں خود را تماشا کردہ

(مجنوں کی شکل میں تو نے اپنے کو ظاہر کیا ہے۔ اور چشمۂ عاشقاں کو تو نے

اپنے لئے تماشا بنایا ہے)

تو ایسی حالت میں غضب کی بات ہے کہ خدا کے ساتھ وہ علاقہ نہ ہو جو مجنوں نے لیلےٰ کے ساتھ کر کے دکھایا۔ یعنی اپنے کو ہمہ تن فنا کر دیا محبتِ لیلیٰ میں۔ حقیقت میں سپرد کرنا وہی ہے جس کو فنا ہو جانا کہتے ہیں تو ضرورت اس کی ہے کہ ہر مسلمان فنا ہو جائے۔ فنا ہو جانے کے یہ معنے نہیں کہ سنکھیا کھا لے۔ گلا گھونٹ لے۔ مَر جاوے۔ اجی حضرت وہ تو چیز ہی اور ہے وہ کیا چیز ہے وہ تو ایک ہی کا ہو رہنا ہے ایک ہی کی سپردگی میں اپنے آپ کو دے دینا ہے، ایک ہی کی اطاعت اختیار کر لینا ہے۔ پھر بھلا اس فنا میں مرنا کہاں بلکہ اس کا تو یہ اثر ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(خنجر تسلیم کے زخمیوں کو ہر زمانہ میں ایک اور جان عطا ہوتی ہے)۔

اور اس فنا کی تو یہ حالت ہے ؎

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد　　انچہ در وہمت نیاید آں دہد

(فانی اور حقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں باقی جان عطا کرتے ہیں جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا)

تو فنا کے یہ معنے نہیں ہیں کہ مر جاؤ بلکہ یہ معنے ہیں کہ اپنی رائے کو چھوڑ دو۔ اپنے ارادہ اور آرزو کو چھوڑ دو۔ وہ حالت کر لو جیسی کہ حضرت عارف شیرازی نے بیان فرمائی ؎

فِکر خود و رائے خود در عالمِ رندی نیست　　کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(اپنی رائے اور فکر کو راہِ سُلوک میں کچھ دخل نہیں۔ اس راہ میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے)

اب بھلا رائے کا چھوڑ دینا بھی کوئی مشکل کام ہے بلکہ اس میں تو بڑی راحت ہے۔ لیجئے صاحب یہ ہے دین اور یہ ہے اسلام جو مطلوب ہے، جس کو لوگ مشکل مشکل کہہ رہے ہیں۔ کس قدر آسان نکلا۔ بس اس کی تعلیم کرنے میں لوگ ہم ملانوں کو بدنام کرتے ہیں کہ تشدد

کرتے ہیں مشکل کام بتلاتے ہیں اسی کی تعلیم کرتے ہیں لوگ ہم میں طرح طرح کے عیب اور نقصان نکالتے ہیں واقعی ہم میں ایک عیب ضرور ہے کہ ہم نے خدا کے دین کو بہت آسان اور مختصر کرکے مخلوق کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ ادنیٰ توجہ سے ہر شخص کو دسترس ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکل ہے یا آسان ہے اور کرنے سے پہلے یہ سارے خوف اور وہم ہیں اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کسی مریض کو طبیب نے علاج کی رائے دی اب اس کو حقیقت تو معلوم نہیں علاج کو دشوار سمجھ کر کہتا ہے کہ صاحب کہاں دوائیں لاؤں کہاں اہتمام کروں کہاں بکھیڑا کروں وہ ہنس کر کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کبھی علاج کیا نہیں اچھا تم اپنے آپ کو ہمارے سپرد کر دو اور تندرستی لے لو۔ اس نے کہا اچھا صاحب کر دیا سپرد کر کے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی چیز ایسی نہیں تجویز کی جو مشکل ہو۔ نسخہ بھی وہ لکھا جو شہر میں ملتا ہے۔ غذا بھی وہ بتائی جو شہر میں ملتی ہے۔ نسخہ کے دام بھی وہ جو وسعت سے زیادہ نہیں کیونکہ کامل طبیب مفردات سے علاج کرتا ہے یا دو تین اجزاء سے اور معمول کے مطابق جو غذا مریض کھاتا ہے اسی کو برقرار رکھتا ہے البتہ اس میں کچھ اصلاح کر دیتا ہے۔ ایسا طبیب حاذق اتفاق سے اس مریض کو مل گیا۔ آٹھ دس دن ہی علاج کیا تھا کہ نہ بخار رہا نہ کھانسی رہی۔ بالکل تندرست ہو گیا۔ طبیب نے پوچھا کہو بھائی تم تو کہتے تھے کہ علاج بڑا مشکل ہے۔ کہا میری حماقت تھی۔ میں نے باقاعدہ علاج کبھی کیا نہ تھا۔ سُن سُن کر اوہام میں مبتلا ہو گیا تھا یہ تو بڑا آسان نکلا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسی طرح اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر کے دیکھو کتنا آسان ہے سارا قصہ البتہ یہ ضرور ہے کہ خواہ علاج کتنا ہی آسان ہو مگر عادات و معمولات میں کچھ نہ کچھ ترمیم ضرور کی جاتی ہے مگر وہ بھی دشوار نہیں ہوتی۔ جیسے مشفق طبیب یوں تو نہیں کہتا کہ تم بیوی کو طلاق دے دو۔ بچوں کو چھوڑ دو۔ مال اسباب کو خیرات کر ڈالو۔ سب حالت بدستور رہنے دیتا ہے ہاں معمولات میں تھوڑی سی درستی کر دیتا ہے جب شفیق طبیب ایسا کرتا ہے جو حق تعالیٰ کی برابر تو نہ ماں رحیم ہے نہ باپ ان کی تجویز تو سب ہی سے زیادہ سہل ہوگی چنانچہ دیکھ لیجئے حق تعالیٰ نے جو احکام ہمارے

لئے تجویز فرمائے ہیں خود انہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری کس قدر سہولت اور رعایت مدنظر رکھی ہے مثلاً یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اگر پانی نہ ہونے کی وجہ سے غسل یا وضو نہ ہو سکے اور سونے سے وضو یا سوتے ہوئے احتلام ہو جانے سے غسل واجب ہو گیا تو تیمم کی اجازت ہوتی ہے لیکن اس میں ایک بات کمال کی ہے۔ یعنی عجیب قصہ ہے کہ اگر سفر میں پانی وضو کے لائق تو ہو لیکن غسل کے لائق نہ ہو یا پانی موجود ہو لیکن پانی سے غسل کرنا مضر ہو تو ظاہر عقل یہ کہتی ہے کہ ایسے وقت میں صحبت کی اجازت نہ ہونی چاہیئے کیونکہ خواہ مخواہ بیوی سے مشغول ہو کر قصداً تو ناپاک بنے اور اب پانی ڈھونڈھتے ہیں تو ملتا نہیں یا ملتا ہے مگر عذر ضرر کا کرتے ہیں پھر پوچھتے ہیں کہ صاحب تیمم جائز ہے یا نہیں۔ ایسے موقع پر شریعت کو حق تھا کہ کہہ دیتے کہ تمہیں قصداً ناپاک بننے کو کس نے کہا تھا جاؤ ہم تیمم کی اجازت نہیں دیتے۔ سر کھاؤ اپنا۔ مرد جس وقت پاک تھے اس وقت معلوم تھا کہ پانی غسل کے لائق نہیں ہے یا غسل مضر ہوگا پھر ضرورت کیا تھی خواہ مخواہ مجبور بننے کی۔ ہم اجازت نہیں دیتے چنانچہ دنیا میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے رخصت مانگی اپنے آقا سے اس نے ذرا انکار کیا کہ جھٹ ایک دوا ایسی پی لی جس سے بخار چڑھ آیا آقا کو پتہ لگ گیا کہ اس نے قصداً بغرض حصول رخصت بخار چڑھا لیا ہے۔ اس نے صاف انکار کر دیا کہ ہم کبھی تم کو رخصت نہ دیں گے۔ دیکھئے دنیا میں تو یوں واقع ہو رہا ہے اور عقل کے بھی خلاف یہ بات نہیں لوگ بہت عقل عقل کرتے پھرتے ہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری رائے اور عقل جس کے تم بڑے معتقد بن رہے ہو تمہاری دشمن ہے چنانچہ مثال مذکور میں عقل صحبت کی اجازت نہیں دیتی مگر شریعت نے عقل کے تشدد کو پسند نہ کر کے سہولت کا مشورہ دیا اس آیت میں یہی مضمون ہے وَاعْلَمُوٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے کہنے کے موافق کرتے تو تم مشقت میں پڑ جاتے وجہ یہ ہے کہ یہی ہم نہیں جانتے کہ ہمارے لئے مصلحت کیا ہے۔ غرض خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں ہماری ہر طرح کی مصلحت اور رعایت

ملحوظ رکھی گئی ہے ایسی کہ خود ہماری عقل بھی اتنی رعایت تجویز نہیں کرتی۔ تو حضرت عقل کو چھوڑیئے اس کی بڑی پرستش کرتے تھے مگر دیکھئے عقل کا فتویٰ اس موقع پر یہ ہے کہ تیمم کی اجازت نہ ہو کیونکہ جب پانی موجود نہ تھا یا مضر تھا تو قصداً اپنے اوپر غسل واجب کیوں کیا۔ اب شریعت کا فتویٰ سُنیئے۔ مثلاً ایک ایسا ہی شخص پوچھتا ہے کہ ایسی صورت میں غسل کا تیمم کر کے نماز پڑھنا مجھے جائز ہے۔ شریعت کا نائب کہتا ہے کہ ہاں ہاں جائز وہ شخص پوچھتا ہے کہ ایک شخص کو یہ معلوم تھا کہ پانی نہیں ہے۔ باوجود اس کے اس نے اپنی بیوی سے مشغول ہو کر اپنے اوپر غسل واجب کر لیا کیوں جی اس کو کچھ گناہ ہوا کچھ کراہت ہوئی۔ وہ کہتا ہے بالکل نہیں۔ وہ پوچھتا ہے کیوں صاحب تیمم میں کچھ بھی نقصان رہے گا وہ کہتا ہے بالکل نہیں۔ یہ میں نے ایک چھوٹا سا نمونہ بتایا ہے اسی سے اندازہ کر لیجئے شفقت کا۔ پھر بھی اگر اپنے کو خدا تعالےٰ کے سپرد نہیں کرتے تو کون آدے گا جس کے سپرد اپنے آپ کو کرو گے۔ غرض جس طرح طبیب کے سپرد اپنے آپ کو کرتے ہو اسی طرح اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دو۔ یعنی اب تو یہ ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا اس میں تھوڑا سا تصرف کرنا ہوگا۔ میں بہت چھوٹی سی بات تبلاؤں گا تفصیل آپ سے آپ وقتاً فوقتاً معلوم ہوتی رہے گی۔ میں ایسا گُر تبلاؤں گا جس سے ہر وقت ذہن میں تفصیل کے جمع رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ تفصیل خود بخود وقتاً فوقتاً معلوم ہوتی رہے گی۔ وہ گُر یہ ہے کہ اب تو یہ ہے کہ جو جی میں آتا ہے کر کرا لیتے ہو۔ جو جی میں آتا ہے کہہ سُن لیتے ہو جو جی میں آتا ہے کھا پہن لیتے ہو۔ جو جی میں آتا ہے خرید بیچ لیتے ہو۔ اب تو یہ حالت ہے اور فنا کے یہ معنے ہیں کہ جو جی میں آیا اسے فوراً کرنے نہ بیٹھ جاوے بلکہ ذرا رُکے۔ یعنی جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ دل میں پیدا ہو اسے فوراً نہ کرو بلکہ اس کا حکم پوچھو علماء شریعت سے کہ وہ کیا کہتے ہیں سو پوچھنے پر معلوم ہوگا کہ شریعت نے یہ نہیں کہا کہ گوشت گھی مت کھاؤ نکاح مت کرو۔ بچوں کو پیار مت کرو۔ کیا کہا ہے فقط یہ کہا ہے کہ وہ کام نہ کرو جس میں تمہارا ضرر ہے مگر اس کا فیصلہ تمہاری رائے پر نہیں رکھا

اگر بچہ کی رائے پر ماں باپ اسے چھوڑ دیں تو اس کا نتیجہ بچہ کی ہلاکت ہے مثلاً بچہ نے سانپ کو دیکھا کہ چمکتا ہوا اور منقش ہے وہ اس کی ظاہری خوبصورتی اور نقش و نگار کو دیکھ کر اس کے پکڑنے کے لئے لپکا۔ باپ ہر چند اسے روکتا ہے لیکن نہیں مانتا ہٹاتا ہے لیکن اصرار کرتا ہے جب کسی طرح نہ مانا تو زور سے ایک چپت لگایا اور زبردستی پکڑ کر گھسیٹ لے گیا۔ اب میں کہتا ہوں کہ اس نے جو یہ دھول مارے آیا یہ رحمت اور شفقت ہے یا تشدد اور بے رحمی ہے اور اگر فرض کرو اتفاق سے اس بچہ کو اپنی رائے پر عمل کرنے کی وہ باپ اجازت دیدے تو ظاہر ہے کہ سانپ اسے کاٹ لے گا اور وہ مر جاوے گا تو پہلی صورت میں گدھے سے گدھا بھی کہے گا کہ سُبحان اللہ کیا مہربان باپ ہے۔ بڑی نگرانی اور بڑی محبت سے اپنے بچہ کو پالا ہے اور اگر بچہ کے کہنے پر کہ سانپ کو پکڑ لوں باپ نے اجازت دے دی اور کہہ دیا کہ ہاں پکڑ لے بیٹا اور بچہ کا دل نہ دُکھایا تو کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی اس کو مہربانی نہ تبلاوے گا بلکہ سب یہی کہیں گے کہ محبت یہی تھی کہ چپت لگاتا اور سانپ نہ پکڑنے دیتا۔ وہ ظالم تھا ڈاکو تھا خونخوار تھا باپ نہ تھا۔ پھر خدا کو جو باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے آپ چاہتے ہیں کہ جو ڈاکو باپ نے کیا وہی وہ کرتا یعنی ہمیں اجازت دے دیتا کہ جو جی میں آدے کرو۔ اب انصاف کے ساتھ فیصلہ اپنے نفس سے کرو کہ کون سی صورت مہربانی کی ہے آیا یہ کہ کبھی کبھی چپت لگا دیا کریں وہ بھی جب کہنا نہ مانو اور اگر کہنا مانو تو پیار پر پیار۔ محبت پر محبت۔ اور وہ مار بھی شفقت ہے مگر حساً نہیں۔ تو یہ ہے وہ گُر۔ گویا سارے وعظ کا خلاصہ یہ ہے۔ یہاں غالباً آپ ایک شبہ یہ پیش کریں کہ جب ہماری مرضی کے موافق نہ ہوں گے تو ہمیں تکلیف ہوگی اور ہمارا حرج ہوگا مگر ذرا ٹھہر کر اور سوچ کر کہیئے جو کچھ کہنا ہو اوّل تو ہر جگہ یہ کہنے کا منہ نہیں کہ تکلیف اور حرج ہوگا مثلاً جی چاہا ڈاڑھی ذرا صفا چٹ کر دیں گورے معلوم ہوں گے۔ حسین معلوم ہوں گے تو میاں تبلایئے اگر شریعت کی ممانعت پر عمل کیا تو کون سی تکلیف ہوئی کون سا حرج ہوا البتہ ایک تاجر تو خیر کہہ سکتا ہے کہ سود

کو چھوڑ دوں تو مالی حرج ہوگا۔ یہ تو خیر کچھ معقول بھی ہے گو انشاءاللہ اس کا جواب بھی ایسا بتلا دوں گا جس سے یہ اعتراض ماکول ہو جاوے گا مگر خیر ظاہراً تو کچھ ہے لیکن شریعت اگر ڈاڑھی منڈانے کو منع کرے شریعت اگر غیبت کو منع کرے شریعت اگر انگریزی لباس پہننے سے منع کرے تو اس میں کون سا ضرر ہوگا۔ اگر اس میں دعویٰ تکلیف اور حرج کا ہو تو میں کہتا ہوں وہیں کا نام بتا دیجئے کہ وہ تکلیف اور حرج کیا ہے۔ اگر تکلیف اس کو کہتے ہو کہ خیال کے خلاف ہے تو حضرت یہ جو گورنمنٹ کی نوکری ہے یہ تو اس میں بھی ہے کہ آفس میں جانا ہے لیکن بارش ہو رہی ہے تو نوکری بھی مت کرو۔ دنیا کا کون سا ایسا کام ہے جو نفس سے بالکل خلاف نہ ہو۔ خلاف تو ہزاروں باتیں ہیں۔ مثلاً تار آیا کہ بیٹا بیمار ہے لیکن کچہری جانا ضرور۔ یہ بھی نفس کے خلاف ہے مگر اور جگہ اعتراض نہیں کرتے۔ قانون سرکاری تو یہ کہتا ہے کہ کیسا بیٹا کام پر حاضر ہونا پڑے گا اس کو کوئی نہیں کہتا کہ کیسا سخت قانون ہے کہ ہم تو بیٹے کے غم میں پڑے ہوئے ہیں وہاں دفتر سے یہ حکم چلا آ رہا ہے کہ آؤ جی گھر سے نکل کر تو جناب ایسا قانون تو کوئی دنیا میں بھی نہیں جس میں نفس کے خلاف کوئی بات بھی نہ ہو پھر نہیں معلوم اللہ میاں کے قانون ہی کو کیوں ہر بات میں سخت بتایا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر شریعت نے ڈاڑھی منڈانے سے منع کر دیا تو اس میں تکلیف اور حرج کیا ہو گیا کہیں چوٹ لگ گئی (بلکہ منڈانے میں تو استرہ لگ جانے کا خوف بھی ہے ۱۲ کاتب) آمدنی گھٹ گئی سردی لگنے لگی گرمی لگنے لگی کیا ہو گیا ہاں یہ تو ہوا کہ بزعم تمہارے صورت اچھی نہ رہے گی سو اول تو یہ ضرور نہیں کہ ڈاڑھی سے صورت بُری معلوم ہونے لگتی ہو ڈاڑھی کوئی دُم ہے کہ چہرہ پر بُری معلوم ہو لاحول ولا قوۃ بلکہ واقعی اگر شریعت کی حد میں ہو تو چہرہ کی زینت ہے یوں کوئی ایڑی تک بڑھا لے یہ اس کی ہمت ہے۔ اختیار ہے باقی شریعت نے مجبور صرف ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنے پر کیا ہے۔ اور ایک مٹھی ڈاڑھی تو بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ خوب صورت نہ بھی معلوم ہو تو کس کی نظر میں خوبصورت نہیں

معلوم ہوتی صرف چند احمقوں کی نظر میں باقی جس کے ساتھ اصل تعلق ہے یعنی حق سبحانہ تعالیٰ انھیں تو خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ بلا تشبیہ اگر کسی بازاری عورت پر کوئی جنٹلمین صاحب عاشق ہو جائیں اور وہ عورت یوں کہے کہ تم ڈاڑھی نہ منڈایا کرو مجھے تو ڈاڑھی اچھی معلوم ہوتی ہے تو اگر وہ صاحب سچے عاشق ہیں تو خدا کی قسم اسی دن سے ڈاڑھی منڈانا چھوڑ دیں گے۔ اب اُن کے دوست احباب ہنستے ہیں کہ آیئے مولوی صاحب آیئے ملاں صاحب لیکن وہ عاشق صاحب بجائے متاثر ہونے کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ میاں تم کیا جانو اس ڈاڑھی کی حقیقت تمہیں اچھی نہ معلوم ہوتی ہو لیکن اسے تو اچھی معلوم ہوتی ہے جس پر میں جان تک فدا کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے اب کسی سے کیا مطلب اب تو میں نے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند — دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اب تو میری حالت اس نو خرید غلام کی سی ہے جس سے اس کے نئے آقا نے اس کا نام اور کھانے پہننے کے متعلق معمول پوچھا تھا اور اس نے اپنے آقا کے پوچھنے پر یہ جواب دیا تھا کہ اب تک جو کچھ بھی میرا نام ہو لیکن آج سے جو تم مجھے کہنے لگو وہی میرا نام ہے جو پلاؤ وہی میرا پانی ہے جو کھلاؤ وہی میری غذا ہے جو پہناؤ وہی میرا لباس ہے اسی طرح اس بازاری عورت کے لئے وہ عاشق ڈاڑھی پر ہنسنے والوں سے کہہ دے گا کہ میاں اسے تو پسند ہے۔ تم بلا سے بُرا سمجھتے رہو تم سے مجھے لینا کیا ہے حضرت یہی مذہب ہوتا ہے عاشق کا ؎

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلان — مانمی خواہیم ننگ و نام را

(اگرچہ عقلمندوں کے نزدیک بدنامی ہے۔ لیکن ہم ننگ و ناموس کے خواہاں نہیں).

مگر اس سے پہلے اس کی ضرورت ضرور ہے ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را — خاک بر سر کن غم ایام را

(اے ساقی جام چھوڑ کر اٹھ جا اور گذرے ہوئے ایام کی یاد دل سے نکال دے!)

یعنی جام محبت پینے کے بعد یہ مذہب نصیب ہوجاتا ہے۔ اس سے ہی تمام شبہات خدشات تمام سوالات تمام اشکالات رخصت ہوجاتے ہیں اور نری قیل وقال سے کچھ نہیں ہوتا آج کل قیل وقال اور بحث وجدال وہ بھی محض فضول ولاطائل کا ایک مستقل شغل ہوگیا ہے۔ چنانچہ ایک بڑے تعلیم یافتہ فرماتے تھے کہ فروری میں روزے مقرر ہوتے تو بہت مناسب تھا گرمی کے دنوں میں جو روزے آجاتے ہیں بڑی مصیبت آجاتی ہے اللہ اکبر کچھ حد ہے ۱۶ گھنٹے تک پیاسا رہنا پڑتا ہے اس دشمنِ عقل نے یہ نہ سمجھا کہ فروری کے مہینہ میں تمام اقلیموں میں تو دن چھوٹا نہیں ہوتا۔ اب تو نری تختی سب کو بانٹ رکھی ہے۔ نمبر ۱ بھگتو مگر اس سے بھی قطع نظر کرکے کہتے ہیں کہ ہم کو ضرورت ہی کیا اعتراض کرنے کی جو چاہا اللہ میاں نے مقرر کردیا اگر اس معترض کے قلب میں محبت ہوتی تو اعتراض کا اس میں گذر تک نہ ہوتا۔ ایک مجمع تھا تعلیم یافتوں کا اس میں میں نے یہ مضمون بیان کیا تھا کہ خدا سے محبت پیدا کرلو سارے شبہات جاتے رہیں گے خدا کی قسم یہی اصل علاج ہے شبہات کا کیونکہ قاطع وساوس صرف محبت ہے اور کوئی چیز نہیں۔ نہ دلائل میں نہ براہین میں نہ لکچر میں نہ تقریر ہے نہ وعظ ہے۔ بس شبہات کی جڑ جو کٹتی ہے تو محبت سے ہی۔ فرض کرو ایک بازاری عورت پر کوئی جنٹلمین صاحب عاشق ہوگئے جن کے پاس کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے نکٹائی بھی ہے اس نے ان کے لئے ایک ایسی پوشاک تجویز کی جس میں سوائے ناک کٹائی کے اور کچھ بھی نہیں یعنی اس نے کہا کہ میں جب ملوں گی جب اپنے یہ سب کپڑے اتار کر اور صرف ایک لنگوٹا باندھ کر ایک بازار سے دوسرے بازار تک ننگ دھڑنگ دس چکر لگا آؤ گے اگر عاشق ہے تو اس سے بھی زیادہ پر آمادہ ہوجائے گا اور یہی نہیں بلکہ شبہ بھی نہ ہوگا حالانکہ شبہ تو ہونا چاہئے تھا کہ کیوں بی اس میں تمہارا کیا نفع میری تو رسوائی اور تمہارا کچھ نفع نہیں۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم نے نماز نہ پڑھی تو اللہ میاں کا کیا بگڑا مگر یہاں کوئی نہیں بولتا۔ اتفاق سے ایک بڈھے عاقل تھے بڑے فلسفی تھے۔ آپ پوچھتے ہیں بی مجھے رسوا کرنے میں تمہارا کیا بھلا ہو

گا۔ وہ کہتی ہے کہ خیر اگر تمہیں یہ رسوائی گوارا نہیں تو جا کر گھر بیٹھو اب خوشامدیں کر رہے ہیں کہ نہیں نہیں خفا مت ہو میں نے تو یوں ہی حکمت دریافت کرلی تھی ورنہ مجھے حکمت معلوم کرکے کیا لینا مجھے تو تمہاری رضامندی چاہیئے۔ تو جناب اس مردار کے کہنے میں اوّل تو شبہ ہی نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو اس سے فوراً رجوع کرکے عمل کرنا شروع کردے گا تو وجہ فرق کی کیا۔ وجہ فرق کی یہ ہے کہ اس کمبخت سے محبت ہے اور اللہ میاں سے محبت نہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا اس شخص کو مشورہ بھی دے کہ میاں یہ تو نہایت واہیات اور بیہودگی کا کام ہے اس کی حکمت اور مصلحت تو پوچھ لی ہوتی۔ تو وہ یہی کہہ دے گا کہ میاں جاؤ یہ کوئی پوچھنے کا موقع ہے یہ تو فنا کا موقع ہے جو کچھ کرنا چاہیئے۔ ہائے ہائے یہ مذہب ہمارا خدا کے ساتھ کیوں نہیں۔ خلاصہ یہ کہ

ہائے ہائے یہ مذہب ہمارا خدا کے ساتھ کیوں نہیں۔ خلاصہ یہ کہ خدا کے ساتھ محبت نہیں ہے ورنہ کوئی حکم گراں نہ معلوم ہوتا ساری کم ہمتی اسی سے ہے کہ محبت نہیں ہے۔ اگر وسوسے دور کرنے ہیں تو محبت پیدا کرلو۔ پھر یہ شبہ پیدا نہ ہوگا کہ اگر ہم اپنے آپ کو حق تعالےٰ کے سپرد کردیں گے تو کام اٹکے گا۔ اوّل تو ہر جگہ یہ سوال نہیں ہو سکتا مثلاً ڈاڑھی رکھنے میں کون سا کام اٹکتا ہے۔ اگر کہیں کہیں یہ شبہ ہو بھی سکتا ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے روٹیاں نہ ملیں گی تنگی پیش آئے گی تو اس کا شبہ ایک جواب تو یہ ہے کہ محبت پیدا کرلو اگر محبت پیدا کرلو گے تو خدا کی قسم تمہارا یہ مذہب ہوجائے گا کہ ؏

متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

جان جیسی پیاری چیز بھی دینے پر تیار ہوجاؤ گے۔ حضرت اب اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کیرانہ میں ایک طالب علم اسی مشرب کے مولانا فتح محمد صاحب سے مثنوی شریف پڑھنے آتے تھے انھوں نے ایک سوال کا ایسا ہی جواب دیا تھا اور وہ عاشقانہ جواب ہے۔ اور ایک اور بھی ہے جسے میں بعد کو عرض کروں گا صرف اسی عاشقانہ جواب پر اکتفا نہ کروں گا کبھی کوئی یوں کہنے لگے کہ یہ کام ہمارے کرنے کا نہیں۔ مولوی لوگ ہی ایسی ہمت کرسکتے ہیں۔ بہرحال

مولوی صاحب نے اس طالب علم سے پوچھا کہ بھائی روٹیوں کی کیا فکر کرو گے۔ اس نے کہا اجی مولوی صاحب روٹیوں کی کیا فکر ہے اللہ میاں کی جان ہے۔ اگر وہ اسے دنیا میں رکھنا چاہیں گے خود روٹیاں دیں گے اور اگر نہیں دیں گے اپنی جان لے لیں گے۔ یہ آخر کبھی نہ کبھی تو نکلے ہی گی اس کی کیا فکر۔ چھوڑیئے اس قصہ کو۔ ہمت تو دیکھئے آپ مرنے پر تیار ہو گئے کہ کبھی نہ کبھی تو مریں ہی گے ابھی سہی۔ جیسے کسی ملاح سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں مرے تھے اس نے کہا دریا میں۔ پوچھا دادا۔ کہا دریا میں۔ کہا میاں تمہیں ڈر نہیں معلوم ہوتا کہ اتنے تو تجربے ہو چکے ہیں پھر بھی تم یہیں نوکری کرتے ہو۔ اس وقت تو اس نے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ صاحب کیا کریں باپ دادا سے یہی پیشہ چلا آتا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے اس سے پوچھا کہ آپ کے والد صاحب نے کہاں انتقال فرمایا تھا کہا گھر میں کہا دادا صاحب نے کہا گھر میں۔ پوچھا پردادا صاحب نے کہا گھر میں۔ کہا پھر آپ کو ڈر نہیں معلوم ہوتا کہ جس گھر میں آپ کے اتنے بزرگ مرتے چلے آرہے ہیں اسی میں آپ رہتے ہیں حاصل یہ کہ مرنا تو ہے ہی دریا میں مرے تب کیا۔ اور گھر میں مرے تب کیا اور مصر و شام میں مرے تب کیا۔ اسی طرح فاقہ میں مرے تب کیا تو اس طالب علم کا یہ مذہب تھا۔ صاحب کچھ استغناء میں اثر ہوتا ہے۔ جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی ایک صاحب مولوی صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے جو یہ گفتگو سنی تو ان پر اثر ہو گیا۔ سمجھے کہ یہ تو بڑا اچھا آدمی ہے۔ ان کا جی چاہا کہ کچھ خدمت کردوں۔ کہا کہ مولوی صاحب آج میرے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ مولوی صاحب نے کہا اچھا بھائی مگر میں مکان پر نہ آؤں گا میرا حرج ہوگا۔ اگر کھلانا ہو تو کھانا یہیں بھیج دینا۔ اب آپ نے اس میں بھی نخرے شروع کئے حالانکہ دعوت کا عموماً یہ دستور ہے کہ مہمان خود میزبان کے گھر جا کر کھانا کھاتا ہے لیکن ان کے عذر کو بھی قبول کر لیا گیا کہ اچھا صاحب ہم یہیں کھانا حاضر کر دیں گے پھر تو جناب اس واقعہ کا قصبہ بھر میں چرچا ہو گیا کہ یہ طالب علم ایسے ہیں۔ بڑے سیر چشم ہیں۔ پھر تو صبح بھی دعوت شام بھی دعوت اور دعوت کا کھانا عموماً روزمرہ کے کھانے سے اچھا ہوتا ہے۔ غرض خوب دعوتیں اڑائیں۔

جتنی مثنوی پڑھی یار دعوتیں ہی اڑاتے رہے۔ جب پڑھ چکے السّلام علیکم کہہ کر یہ جا وہ جا میں پوچھتا ہوں اوس کو کہاں سے روٹیاں مل گئیں لیکن اس جواب کو جو آزاد ہو گا وہ تو قبول کر لے گا۔ اور جو آزاد نہ ہو گا وہ کہے گا کہ واہ صاحب واہ اچھی رائے دی۔ اور جو کوئی نہ پوچھے تو بھوکوں ہی مر جاؤ۔ جیسے ایک واعظ بے چارے یہ بیان کر رہے تھے کہ پلصراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ ایک فارسی صاحب بھی کہیں وعظ میں بیٹھے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ملا صاف بگو کہ راہ نیست۔ مولوی صاحب پھر صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہاں چلنے کا راستہ ہی نہیں اس ایرپھیر سے کیا حاصل کہ تلوار سے بھی تیز بال سے بھی باریک یوں کہو کہ وہاں چلنے کا راستہ ہی نہیں۔ اسی طرح میرے اس جواب کو سُن کر آپ صاحبان دل میں کہتے ہوں گے کہ مولوی صاحب نے اچھی رائے دی پھر سب کو زہر دے کر اور گلا گھونٹ گھونٹ کر ہی کیوں نہ ختم کر دو۔ ترس ترس کر مرنے سے تو یہی اچھا کہ ایک دم سے جان نکل جائے۔ اچھی رائے دی صاحب کہ تجارت اور کاروبار سب چھوڑ کر بیٹھ رہیو اور بس مر رہیو۔ کوئی نہ کوئی دفن کر ہی دے گا بھائی ہماری سمجھ میں تو یہ جواب آیا نہیں۔ سو دوسرا جواب اور بھی ہے مگر وہ بھی پسند آئے گا۔ وہ یہ کہ شان و شوکت کو چھوڑ دو اور کوئی ایسا کام جو حلال ہو اس کو اپنا ذریعۂ معاش بناؤ یہ کوئی بے عزتی کی بات نہیں۔ دیکھو حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام زرہ بنایا کرتے تھے جو لوہار کا کام ہے۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ ڈپٹی کلکٹر ہی ہو جاویں ملک التجار ہی ہو جاویں ملک النجار ہی سہی۔ نجار پر یاد آیا۔ حدیث شریف میں ہے کَانَ زَکَرِیَّا نجاراً حضرت زکریا علیہ السّلام نجار تھے یعنی بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے۔ مردوں کو انبیاء علیہم السّلام کی تقلید سے عار نہ آنی چاہیئے اور عورتوں کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تقلید کو اپنا فخر سمجھنا چاہیئے جو باوجود اس کے کہ صاحبزادی تھیں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم شاہِ دو عالم کی لیکن چکی پیسا کرتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے ہاتھوں میں آبلے پڑ جاتے تھے۔ ایک روز حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ سُنا ہے کچھ غلام

لونڈی تقسیم ہونے کے لئے آئے ہیں تم بھی گھر کے کام کاج کے لئے کوئی لونڈی اپنے ابا سے مانگ لاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دولت خانہ پر حاضر ہوئیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں ان سے کہہ کر چلی آئیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپسی پر اطلاع ملی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مکان پر خود تشریف لائے اور آکر حضرت فاطمہؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ عشاء کے بعد کا وقت تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں وہ اٹھنے لگیں آپؐ نے فرمایا لیٹی رہو۔ آخر صاحبزادی تھیں بے تکلف لیٹی رہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیسے آئی تھیں کیا کام تھا۔ اب وہ تو مارے شرم کے کچھ عرض نہ کر سکیں چپ رہیں۔ اس قدر شرماتی تھیں کہ دنیا کے نام لینے کی بھی ہمت نہ ہوئی آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو مقصد تھا! عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ لونڈی دوں یا اس سے بھی اچھی چیز دوں۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے واسطے کیا اختیار کیا حضرت فاطمہ بولیں کہ حضرت اچھی چیز سب مانگتے ہیں میں بھی اچھی چیز ہی مانگتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوتے وقت سبحان اللہ ۔ الحمد للہ ۔ لا الٰہ الا اللہ ۔ اللہ اکبر تینتیس تینتیس بار پڑھ لیا کرو۔ بس اس پر راضی ہوگئیں۔ بھلا اب تو کسی عورت کو راضی کر لو کہ سونے کے کڑوں کا کیا کرو گی۔ یہ تسبیح پڑھ لیا کرو۔ بیوی صاحبہ یہی کہیں گی کہ واہ جی واہ میں تو سونے کے کڑے ہی لوں گی بھلا ان کو تو راضی کر لو اللہ اکبر کیسی صاحبزادی تھیں اس بناء پر میں تو یہی کہتا ہوں عورتوں سے چکی پیسوا ور شان کو چھوڑو۔ کہاں کی شان یہ ہے جواب مگر اخیر درجہ میں ایک اور جواب بھی عرض کرتا ہوں جس میں شان بھی نہ جائے گی اور آمدنی بھی نہ گھٹے گی وہ یہ ہے کہ بھائی جو کچھ کما رہے ہو کماؤ اور جس حالت میں ہو اسی میں رہو۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کی اجازت دیتا ہوں بلکہ میں توبہ صادقہ کو چندے ملتوی کرتا ہوں تاکہ اگر کامل اصلاح نہ ہو اور نہ سہی تو گو در گو تو نہ رہے۔ کچھ تو خیر ہو۔ اگر دوا نہیں پیتے پرہیز ہی کر لو۔ اگر پرہیز بھی نہیں ہوتا تو دستوں کی دوا

ہی کھا لیا کرو اور اگر اس کے کھانے سے بھی گریز ہے تو پھر اپنی ایسی تیسی میں جاؤ۔ بھائی اگر مریض ہو کم ہمت تو اس کی اتنی رعایت تو خیر طبیب مشفق کر سکتا ہے کہ دوا کے استعمال کو کچھ دن کے لئے ملتوی کرے اور فی الحال کوئی ایسی ہی تدبیر بتادے جس سے مرض نہ بڑھے لیکن اس تدبیر کے استعمال میں کچھ تو تغیر اپنی موجودہ حالت میں کرنا ہی پڑے گا۔ لہٰذا فی الحال میں بھی ایک ایسی بات عرض کرتا ہوں کہ جس سے نہ آپ کی تجارت کا کچھ نقصان ہو نہ آپ کی آمدنی کچھ گھٹے نہ آپ کی شان و شوکت میں کچھ فرق آوے اور گو اس سے صحت نہ ہوگی مگر مرض بھی نہ بڑھے گا پھر انشاء اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت آپ کا کام بھی بن جاوے گا اور صحت بھی ہو جاوے گی انشاء اللہ میں ایک ایسا نمک دست آور بتائے دیتا ہوں کہ جس میں دنیا کا حرج تو مطلق نہیں اور دین کا نفع انشاء اللہ یقینی گو کامل نہ سہی مگر عدم سے وجود غنیمت ہے وہ نمک یہ ہے کہ دن بھر تو گو کھاتے رہو جیسا کھا رہے ہو لیکن سوتے وقت یہ کرو کہ مسجد میں نہیں بلکہ لیٹنے کی جگہ جہاں خلوت ہو بلکہ چراغ بھی گل کر دو تاکہ کوئی دیکھے نہیں اور کرکری نہ ہو دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو کہ اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادہ سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو۔ مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ میں سخت نالائق ہوں۔ سخت خبیث ہوں سخت گنہگار ہوں۔ میں تو عاجز ہو رہا ہوں آپ ہی میری مدد فرمائیے میرا قلب ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں آپ ہی قوت دیجئے۔ میرے پاس کوئی سامان نجات نہیں۔ آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے۔ ایک دس بارہ منٹ تک خوب استغفار کرو اور یہ بھی کہو کہ اے اللہ جو گناہ میں نے اب تک کئے ہیں انھیں تو اپنی رحمت سے معاف فرمادے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا لیکن پھر معاف کرالوں گا۔ غرض

اس طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار اور اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب۔ اپنی زبان سے کہہ لیا کرو کہ میں ایسا نالائق ہوں ایسا خبیث ہوں میں ایسا بُرا ہوں غرض خوب بُرا بھلا اپنے آپ کو حق تعالےٰ کے سامنے کہا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو۔ بد پرہیزی بھی مت چھوڑو صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ حضرت آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت بھی قوی ہو جائے گی۔ شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاوے گا کہ آج آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔ اچھا اب یہ بھی کوئی مشکل طریقہ اصلاح کا ہے اس طریقہ پر کس کا اعتراض ہو سکتا ہے اس پر عمل کرنے کے بعد کوئی دکھلاتے کہ اس میں یہ خرابی ہے یہ دشواری ہے میں تب جانو۔ غرض کچھ تو کرو اس پر تو صبر نہیں ہوتا کہ اسلام کے سامنے نہ فانی ہیں نہ آرزو ہے فنا کی۔ بھائی اگر فنا نہیں ہوتیں تو ہو فنا کی یہ ہوس بھی انشاءاللہ خالی نہ جائے گی۔ حضرت اور کچھ نہیں اتنا فائدہ ضرور ہوگا اگر روز کے روز معافی نہ چاہتے رہے تو جرائم بڑھتے چلے جائیں گے اور سزا قوی ہوتی چلی جائے گی اور اگر روز کے روز معافی چاہتے رہے تو گناہوں کا بوجھ تو ہلکا ہوتا رہے گا پھر جتنا رہ جلئے گا وہ شاید مرتے وقت توبہ سے جاتا رہے ایک عزیز خدا نہ کرے دس جرموں کا مجرم ہو اور پیروی کرنے سے وہ نو جرموں سے بری ہو سکتا ہے گو ایک میں پھنس جانے کا خوف غالب ہو تو کیا کوئی عاقل یہ کہے گا کہ جب سزا ہی سے نہ بچا تو پھر ضرورت ہی کیا ہے پیروی کی۔ یا جتنی تخفیف سزا میں ہو سکے گی اسی کو غنیمت سمجھے گا اسی طرح اے صاحب جو تدبیر تعزیرات الٰہیہ سے بچنے کی آسانی کے ساتھ ہو سکے اس کو تو اختیار کیجئے اگر رہائی کی تدبیر نہیں کر سکتے تخفیف کی تو تدبیر آسان ہے اسی کو کیجئے خلاصہ مطلب یہ ہے میرا کہ اگر حق تعالےٰ سے اطاعت کا تعلق نہیں ہے تو معذرت ہی کا تعلق سہی۔ کچھ تو تعلق ہو۔ ایسی بھی غفلت کیا کہ فکر ہی نہیں کرتے سوچتے ہی نہیں کروٹ ہی نہیں لیتے صاحب

یہ حالت تو ہم سے نہیں دیکھی جاتی اسے تو بدلو۔ کچھ تو تغیر اپنی حالت میں کرو۔ خلاصہ دستور العمل کا یہ ہے کہ جو کام جی میں آوے اوّل سوچو۔ فوراً مت کر لیا کرو۔ بلکہ سوچا کرو کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہو کرو۔ اگر ناجائز ہو اوّل چھوڑنے کا قصد کرو۔ اگر نفس کہے کہ اس کے چھوڑنے میں تکلیف ہے تو دیکھو کہ وہ تکلیف قابلِ برداشت ہے یا نہیں اگر قابلِ برداشت ہے سہہ لو اگر نہیں ہے تو خیر جہاں مبتلا ہو رہے ہو وہاں اتنا تو کرو کہ رات کو استغفار اور دُعا نجات کی کرو۔ یہ ہوا خلاصہ دستور العمل کا اور یہ ہے اسلام کا پہلا سبق اس سے عمل کی توفیق ہوگی پھر عمل کی برکت سے علوم حاصل ہونگے پھر ان علوم سے اسلام کی تکمیل ہو جائے گی اور جب خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے سوچو کہ یہ جائز ہے یا ناجائز اب ضرورت ہوگی تلاش احکام کی۔ پھر اس کی آسان صورت یہ ہے کہ ہر روز کچھ کچھ مسئلے جاننے والوں سے پوچھتے رہا کرو اسی طرح دروازے کھٹکتے کھٹکتے کھلنے شروع ہو جائیں گے اس طور سے تھوڑے دنوں میں بہت دور نکل جاؤگے اور خبر بھی نہ ہوگی تھکو گے بھی نہیں۔ یہ جو مضمون میں نے بیان کیا ہے ظاہر میں معمولی سا ہے لیکن میں اسی پر فخر کرتا ہوں کہ ایسا مضمون قلب میں آیا جو کام کا سنوارنے والا ہے گو بظاہر معمولی معلوم ہوتا ہے کیونکہ کسی جگہ میں تنگی اور دشواری نہیں پیش آنے دی تو صاحبو اسلام کا سبق تو شروع کرو پھر انشاءاللہ ترقی ہوتے ہوتے اسلام حقیقی نصیب ہو جائے گا پھر دیکھو گے کہ دنیا ہی میں اس حدیث کے معنے سمجھ میں آجاویں گے اور اس حدیث میں جو جنّت کی کیفیت مذکور ہے وہ دنیا ہی میں نظر آجائے گی۔ حدیث یہ ہے اُعِدَّدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ یہ حدیث قدسی ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کے کان نے سُنیں۔ نہ کسی کے دل پر کبھی گذریں۔ صاحبو میں کہتا ہوں دنیا ہی میں آپ کو اس کا نمونہ نظر آجائے گا جب آپ یہ وتیرا اختیار کر لیں گے تو اس کے چندہی روز بعد وہ کیفیت پیدا ہوگی کہ آپ دیکھ کر حیرت کریں گے کہ یہ تو کبھی ہمارے ذہن میں نہ آئی تھی۔

کبھی دیکھا سنا بھی نہ تھا واللہ وہ وہ باطنی نعمتیں حاصل ہوں گی کہ ہر وقت اطمینان اور راحت اور بشاشت اور سلطنت باطنی میں زندگی بسر ہونے لگے گی اس وقت آپ کہیں گے کہ بادشاہوں کی بھی زندگی اس زندگی کے سامنے ہیچ ہے۔ اس وقت نہ کوئی تکلیف تکلیف معلوم ہوگی نہ کوئی کلفت کلفت یہاں تک کہ موت جو سب میں ڈراؤنی چیز ہے یہ بھی محبوب معلوم ہونے لگے گی جیسا کہ ان کو معلوم ہوئی جن کے منہ سے یہ نکلا ؎

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم　　　راحتِ جاں طلبم وزپئے جاناں بردم

(وہ دن بہت اچھا ہے کہ اس ویرانہ مکان (دنیا) سے جان کو آرام مل جاتے اور محبوب کے پاس پہونچ جاؤں)۔

موت کی تمنا کرتے ہیں کہ کیا ہی خوشی کا وہ دن ہوگا کہ اس منزلِ ویراں یعنی دنیا سے محبوب حقیقی کی طرف روانہ ہوں گے۔ اس وقت اگر کوئی کلفت یا بیماری بھی پیش آوے گی تو وہ ایسی معلوم ہوگی کہ جیسے آپ کسی محبوب پر عاشق ہوگئے ہوں اور وہ آپ کو منہ بھی نہیں لگاتا ہو اتفاق سے مدتوں بعد اس کو رحم آگیا اور وہ خود ہی آیا آپ کو تلاش کرتا ہوا آگیا پیچھے سے دفعتہً بے خبری میں ایسے زور سے دبایا کہ آپ کی ہڈی پسلی بھی ٹوٹنے لگیں جب تک خبر نہیں تھی کہ کون ہے اس وقت تو نہایت تکلیف محسوس ہو رہی تھی لیکن جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو وہ محبوب ہے جو کبھی منہ بھی نہ لگاتا تھا۔ آج یہ میری قسمت کہ خود آکر ہم بغل ہو رہا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ اپنے قلب کو ٹٹول کر دیکھئے کیا اب بھی آپ کو وہ تکلیف محسوس ہوگی جو پہلے ہو رہی تھی کہ ہڈی پسلی ٹوٹی جاتی تھی۔ وہ محبوب قوی ہے تم ضعیف ہو اس کے زور سے دبانے سے یہ ضرور ہے کہ ہڈی پسلی ٹوٹی جاتی ہیں مگر ذرا دل میں سوچ کر دیکھو کہ وہ تکلیف کیا اب بھی تکلیف ہے یا راحت ہے بدن کو تو بے شک تکلیف ہے لیکن دل کو وہ راحت پہونچ رہی ہے کہ روئیں روئیں میں گویا جان آرہی ہے۔ اب وہ محبوب کہتا ہے کہ اگر تمہیں میرے دبانے سے تکلیف ہو رہی ہو تو میں تم کو چھوڑ کر تمہارے اس رقیب کو اسی طرح دبانے لگ جاؤں۔ کیونکہ یہ رقیب

بھی اس تمنا میں ہے یہ بھی چاہتا ہے کہ مجھے بغل میں لے لو۔ اس وقت یہ عاشق کہے گا جو حضرت عراقی کہتے ہیں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تیغ کا کشتہ بنے۔ دوستوں کا سر ہی سلامت رہے کہ اس پر آپ کا خنجر چلے)۔

اور یہ کہے گا اس وقت ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　　دل فدائے یارِ دل رنجان من

(تیرا رنجیدہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ دل ایسے یار پر قربان جو میرے دل کو رنجیدہ کرے)

اے میری جان تم کہتے ہو تکلیف میں کہتا ہوں تمہاری تکلیف بھی مجھے راحت ہے ؎

ناخوشِ تو خوش بود بر جان من　　　دل فدائے یار دل رنجان من

کیونکہ عاشق کا یہ مذہب ہوتا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(زندہ کریں تو آپ کی عطا اور اگر قتل کریں تو آپ پر فدا ہوں۔ دل آپ پر فدا ہے جو کچھ کریں میں آپ سے راضی ہوں)

پھر تکلیف تکلیف نہیں معلوم ہوتی۔ یہ تکلیفیں تو اب تکلیف نظر آرہی ہیں پھر وہ تکلیفیں بھی راحت ہو جائیں گے اس وقت وہ درجہ حاصل ہوگا۔ لیکن چونکہ وہ درجہ ابھی حاصل نہیں ہے اس لئے سہل کر دیا ہے میں نے رستہ کی ایسی بات بتائی ہے جس میں تکلیف ہی نہ ہو جس میں سہولت ہی سہولت ہو۔ یعنی دن بھر گناہ ہونے کے بعد رات کو حق تعالیٰ سے دعا اور استغفار کر لیا کرو جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا مگر ایک چیز کی اور ضرورت ہوگی وہ یہ ہے کہ میں نے ابھی تخم پاشی یعنی بیج ڈالنے کی ترکیب بتائی ہے میں نے ایک چھوٹا سا بیج ایسا بتایا ہے کہ جس کی کاشت بہت آسان

ہے لیکن جیساکہ تخم پاشی کے بعد آب پاشی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر پانی نہ دو وہ بیج پھوٹتا اور بڑھتا نہیں اسی طرح اس میں بھی ایک چیز کی اور ضرورت ہے اور وہ بھی آسان نہ ہے یعنی اللہ والوں کی صحبت خدا کے ان مقبول بندوں کی صحبت جن کو یہ درجہ نصیب ہو چکا ہے۔ یہ آب پاشی ہے اسی تخم پاشی کے بعد مگر اس میں جانچ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ہر شخص کو دیکھ کر عاشق نہ ہو جانا۔ یعنی لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ ہر شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ مذاق بگڑا ہوا ہے آج کل بہت سے سیاح پھرتے ہیں اور لوگوں کو پھانستے پھرتے ہیں۔ اور لوگوں کی بھی یہ حالت ہے ؎

لختے بر داز دل گذرہ دہر کہ ز پیشم   من قاش فروشِ دلِ صدپارہ خویشم

(میرے سامنے سے ہر گذرنے والا دل کا ایک ٹکڑا لے جا رہا ہے۔ میں اپنے دل صدپارہ کی ایک پھانک بیچتا ہوں)۔

ہر شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں ایسا ہرگز نہ چاہیئے۔ ہر شخص اللہ والا نہیں ہے بلکہ اُس کی کچھ پہچان بھی ہے اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ سب سے اوّل دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ شریعت کا بھی پابند ہے دوسرے یہ کہ دنیا کا لالچ تو اس میں نہیں۔ یہ پہچانیں۔ میں اس لئے بتلائے دیتا ہوں کہ دھوکہ میں نہ آویں رہزن کو رہبر نہ سمجھ لیں۔ تیسری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ اس کی صحبت میں یہ دیکھے کہ دنیا کی محبت کتنی گھٹی حق تعالیٰ کی محبت کتنی بڑھی چوتھی بات۔ یہ ہے کہ اس کے پاس رہنے والوں میں سے اکثر کی حالت باعتبارِ ترک معاصی و تقویٰ و اہتمام حلال و حرام کے کیسی ہے پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو روک ٹوک بھی کرتا ہو چھٹی علامت یہ ہے کہ بہ ضرورت کے موافق علم دین رکھتا ہو اور علماء سے محبت رکھتا ہو ساتویں علامت یہ ہے کہ اہلِ علم و صلاح بہ نسبت عوام کے اس کی طرف زیادہ مائل ہوں اگر یہ علامتیں موجود ہیں تب تو وہ صحبت کے قابل ہے ورنہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہ ہر دستے نباید داد دست

(یعنی بہت سے آدمیوں کی شکل میں شیطان زمین پر بستے ہیں اس لئے ہر کس و ناکس کا اندھا ہو کر مرید نہ بنے)

اور اس زمانہ میں بالخصوص اس شخص کے ظاہری اعمال کے صالح ہونے پر نظر کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے۔ بعض بدعقیدہ لوگ کہتے ہیں کہ بس صاحب اہل باطن ہونا چاہیئے نماز روزہ کی کیا ضرورت ہے صرف خدا کی یاد اپنے قلب کے اندر ہونے کی ضرورت ہے۔ اس دھوکہ میں ہرگز نہ آنا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گر انارے میخری خنداں بجز   تا دہد خندہ اش ز دانہ او خبر

آہ کیا عمدہ طریقہ تعلیم فرماتے ہیں۔ کیوں نہ ہو وہ تو بڑے عارف ہیں کہتے ہیں کہ انار خرید و تو بند محض نہ خرید و بلکہ کھلا ہوا خرید و ؎

نامبارک خندہ آں لالہ بود   کہ ز خندہ او سواد دل نمود

یعنی ایک خندہ تو ہے انار کا جس سے اس کا نفیس ہونا معلوم ہوتا ہے ہاں یہ صاحب باطن ہے کیونکہ اعمال صالحہ کا صدور اعتدال و استقامت کے ساتھ بدون اصلاح منشا یعنی باطن کے نہیں ہو سکتا۔ اور ایک خندہ ہے لالہ کا اوپر ہی سے اندر کی سیاہی نظر آتی ہے اسی طرح اعمال فاسدہ سے باطن کی سیاہی پر استدلال ہوتا ہے غرض خود اس کے اعمال بھی درست ہوں اور اس کی صحبت میں بھی یہ اثر ہو کر دوسرے کے اعمال بھی درست ہو جائیں اس شخص کی صحبت اکسیر اعظم ہے اور یہ جو میں نے اہل اللہ کی صحبت کو پانی سے تشبیہ دی ہے اس میں ایک اور بھی علمی فائدہ ہے وہ یہ کہ بعض لوگ فقط صحبت پر اکتفا کرتے ہیں خود عمل کچھ نہیں کرتے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے کھیت کے اندر سمندر کا سمندر کھینچ لے اور سارا دریا بہا لائے لیکن بیج نہ ڈالے تو اس میں کون سی چیز نکلے گی۔ سمندر کے اندر بیج تھوڑا ہی موجود ہے مطلب یہ کہ بیج تو ہو عمل اور پانی ہو صحبت اس وقت یہ حالت ہو گی جس کو حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً الآیہ اور اب

دیکھیں گے کہ انشاء اللہ اس چھوٹے سے بیج سے وہ درخت نکلے گا کہ سارے عالم پرچھا جائے گا۔ پھر اس صحبت کے دو درجے ہیں اگر اہلِ حق کی صحبتِ حسیّہ بھی میسر ہو۔ یہ تو بڑی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اسی کو فرماتے ہیں مولانا ؎

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعت ست   بہتر از صد سالہ زہد و طاعت ست

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعت ست   بہتر از صد سالہ زہد و طاعت ست

(نیک لوگوں کی ایک گھڑی کی صحبت سو سال کے زہد و طاعت سے بہتر ہے)

اور اسی طرح اہلِ حق کی صحبت کے مقابلہ میں اہل باطل کی صحبت کی یہ حالت ہے ؎

تا توانی دور شو از یار بد   یار بد بدتر بود از مار بد

یعنی یار بد سانپ سے بھی بدتر ہے۔ کیوں ؎

مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند   یار بد بر جان و بر ایماں زند

(زہریلا سانپ تو جان ہی کو مارتا ہے۔ مگر بُرا دوست ایمان اور جان دونوں کو ختم کر دیتا ہے)۔

اور اگر اہلِ حق کی صحبت حسیہ میسر نہ ہو کیونکہ ہر شہر میں ایسے لوگ موجود نہیں ہوتے پھر دوسری صورت یہ ہے کہ ان سے خط و کتابت رکھو مگر خالی یہی نہیں کہ نوٹ بھیجو یا روپیہ بھیجو۔ یا خیریت منگاؤ یا بیٹے کے واسطے یا بیوی کے واسطے تعویذ گنڈے منگاؤ خیر یہ بھی سہی کبھی کبھی اگر دوسرے کام سے فرصت ہو۔ لیکن اصل مقصد یہ ہے کہ جب لکھو اپنی بیماریاں لکھو اور اپنے معمولات لکھو کہ مجھ میں یہ یہ عیب ہیں یہ یہ کر رہا ہوں اب آئندہ میں کیا کروں جیسے اگر طبیب کے پاس ہو تب تو سبحان اللہ اور اگر دور ہو تو خط میں جو حال ہو وہ لکھو اور جو نسخہ وہ تجویز کر کے بھیجے اُسے برتو۔ برتنے کے بعد پھر حال لکھو غرض دو چیزوں کا سلسلہ عمر بھر جاری رکھو اطلاع اور اتباع یعنی احوال کی اطلاع اور اوامر کا اتباع۔ اسی طرح اتباع کے بعد پھر اطلاع پھر اس اطلاع کے بعد اتباع پھر اطلاع پھر اتباع غرض ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش   تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

(اس راستہ میں خوب کوشش کر۔ آخر دم تک بے کار مت رہ)

یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے۔ جب بیماری ساری عمر کی ہے تو علاج ساری عمر کا کیوں نہ ہوگا گو شتم پشتم ہی سہی حتیٰ کہ دو مہینے ہی میں ایک خط لکھو مگر لکھو ضرور۔ اور یہ لکھتے ہوئے شرماؤ نہیں کہ وظیفہ جو بتایا تھا وہ چھوٹ گیا تھا یا مطالعہ کتب جو تجویز کیا تھا اسے نباہا نہیں یہاں تک کہ فرض نماز بھی فرض کرو قضا ہونے لگی ہو تب بھی شرماؤ نہیں بلکہ اب پھر پڑھنا شروع کر دو اور اطلاع کر دو شرمانا اس رستہ میں ہرگز نہیں چاہیئے خواہ کیسی ہی گندی حالت کیوں نہ ہو جائے اس کی بھی اطلاع کر دو۔ ایک دریا تھا اس کے کنارے کے پاس سے ایک ناپاک آدمی گذرا دریا نے اس سے کہا کہ آ میں تجھے پاک کر دوں۔ اس نے کہا تو صاف و شفاف اور میں پلید و ناپاک میرا منہ کیا کہ میں تیرے پاس آؤں پاک ہو کر تیرے پاس آؤں گا دریا نے کہا بچہ جی پاک کروں گا بھی میں ہی اگر تم مجھ سے شرماؤ گے تو ساری عمر ناپاک ہی رہو گے بس ایک دفعہ بے حیا ہو کر آنکھیں بند کر کے میرے اندر کود پڑو۔ مجھ میں ایک موج اُٹھے گی اور تمہارے سر پر کو ہو کر اُتر جائے گی اور تمہیں دم میں پاک صاف کر دے گی تو اہل اللہ سے اپنا کچا چٹھا کہہ دو۔ بہت سے لوگ اس لئے نہیں کہتے کہ ہماری شان گھٹ جاوے گی ارے ان کے نزدیک تیری شان ہی کیا ہے جو گھٹ جاوے گی بعضے ڈرتے ہیں کہ خفا ہو جائیں گے ارے ان کی خفگی بھی رحمت ہے یہ ساری تکبر کی باتیں ہیں ارے وہ پھانسی بھی دے دیں گے تو اس میں بھی تیری بہتری ہی ہو گی اس واسطے کہ ؎

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ   شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

(حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کی طرح اس کے سامنے اپنا سر جھکا دے۔ ہنستے کھیلتے اس کی تلوار کے سامنے جان دیدے)۔

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست   نائب ست او دست او دست خداست

(جو جان دینے والا ہے وہ اگر مار ڈالے تو جائز ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے لئے
یہ فعل جائز ہے تو کبھی خود کرتے ہیں کبھی نائب سے کراتے ہیں)۔

؎ ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ — شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

تو اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ غرض خفگی وغیرہ کا بالکل خیال نہ کرو۔ بس اس طرح اس سے تعلق رکھو کہ اگر اس کی طرف سے خفگی ہو نکال دے پھر بھی تعلق قطع نہ کرو۔ وہ نکال دے تو تم مت نکلو اس وقت تو نکل جاؤ مگر پھر آجاؤ پھر نکال دے پھر نکل جاؤ پھر آجاؤ۔ پھر نکل جاؤ پھر آجاؤ غرض اسے چھوڑو مت وہ قصائی نہیں ہے وہ اگر سختی بھی کرتا ہے تو محض تمہاری مصلحت سے کیونکہ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است — چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

(سختی اور نرمی ساتھ ساتھ اچھی ہوتی ہیں۔ جس طرح فصد کھولنے والا کہ نشتر
بھی لگاتا ہے اور مرہم بھی رکھتا ہے)

سیر کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ اے موسیٰ میرے ساتھ اس طرح رہو جس طرح بچہ ماں کے ساتھ رہتا ہے انھوں نے تفسیر پوچھی ارشاد ہوا کہ بچہ کو ماں مارتی ہے مگر وہ بچہ پھر اسی سے چپٹتا ہے مگر یہ علاقہ صرف اس سے رکھو جو واقعی اہل اللہ ہو لیکن چوں کہ یہاں سے ہر روز تو خط جاتا نہیں اور وہاں سے ہر روز خط آتا نہیں پھر اس درمیان میں کیا کرو یہ کرو کہ حکایات اور ملفوظات اہلِ تقویٰ کے مطالعہ میں رکھو بس خلاصہ یہ کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہو اگر صحبت میسر نہ ہو سکے تو خط و کتابت کے ساتھ مطالعۂ کتب کا بہت غور سے کرو یہ اس کا بدل ہے ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب — بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

(چونکہ موسم گل ختم ہو گیا اور چمن اجڑ گیا۔ گلاب تو رہا نہیں جس سے خوشبو
حاصل ہو اب عرق گلاب سے ہی خوشبو حاصل کرو)۔

چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ — چارہ نبود در مقامش جز چراغ

(چونکہ آفتاب چھپ گیا اور ہم کو داغ دے گیا اس لئے اس کی جگہ اب
چراغ ہی سے کام لو)۔

اسی طرح اگر اس کی مفارقت دنیا سے ہو جائے یا ہم سے ہو جائے یوں ہی کرنا چاہیئے ؎

چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ — چارہ نبود در مقامش جز چراغ

یعنی اگر آفتاب نہ ہو تو میاں چراغ ہی جلا لو۔ کیونکہ ہر جگہ تو آفتاب ہر وقت نہیں رہ سکتا تو خیر اس کا بدل ہی یہ نہ کرو کہ کھاؤں گا گھی سے نہیں جاؤں گا جی سے مطالعہ کتب کی نسبت فرماتے ہیں ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست — صراحیٔ مے ناب و سفینۂ غزل ست

نیز اگر شیخ کی صحبت میسر نہ ہو تو پیر بھائی بھی غنیمت ہے اس تعلق کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مرید ہی ہو جاؤ۔ بس اپنے کو سپرد کر دو۔ کیونکہ غلام بنے کسی کے صحبت اہلِ اللہ اور ان کے بجائے ان کے ملفوظات کے متعلق عارف شیرازی کی رائے مجھ کو بہت ہی پسند آئی۔ فرماتے ہیں ؎

مقام امن و مئے بے غش و رفیقِ شفیق — گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی اطمینان کی جگہ اور ذکر و شغل اور کسی محقق اور مشفق شیخ کی صحبت ہمیشہ میسر رہے تو کیا بات ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است — صراحیٔ مے ناب و سفینۂ غزل ست

صراحیٔ مے ناب ذکر اللہ ہے اور سفینۂ غزل ہو یہ ملفوظات ہیں بزرگوں کے۔ حضرات میں نے یہ ایک دستور العمل مختصر سا تجویز کر دیا ہے جو کسی پر بھی دشوار نہیں اور اگر اس پر بھی عمل نہ کیا تو پھر میں یہ کہوں گا ع

جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے

خوب سمجھ لیجے حجت اللہ ختم ہو چکی ہے اب آپ کے پاس کوئی عذر نہیں رہا ہے خدا کے سامنے یہاں تک تو آپ کو رخصت دیدی گئی کہ اگر عمل کی طرف توجہ نہیں ہے تو اس بے عمل کا اقرار اور توجہ پیدا ہونے کی دعا تو کر لیا کرو۔ یہ اخیر بات ہے اب اس سے آگے اور کیا چاہتے ہو۔ غرض یہ ہے اسلام کی تفسیر اور اسکی تکمیل کی تیسیر۔ اب میں ختم کرتا ہوں۔ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہمت تو یہ اور فہم سلیم عطا فرمائیں پھر ہاتھ اٹھا کر اس طرح دُعا شروع کی اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی پھر آہستہ آہستہ دعا مانگتے رہے بعد ختم دُعا احقر سے فرمایا ۱۲ کاتب) اس بیان کا نام ملّتِ ابراہیم مناسب ہے کیونکہ مولوی صاحب (یعنی خطیب جامع مسجد مولوی محمد ابراہیم صاحب داندیری محرک سفر و وعظ ۱۲ کاتب) کا یہی نام ہے (اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ اتوار کے دن آٹھ بجے دن کو مدرسہ میں وعظ ہوگا)۔

۔ مختصر کیفیت وعظ ۔

الحمدللہ رنگون کا یہ پہلا وعظ جو نہایت زور و شور کے ساتھ ڈھائی گھنٹہ تک ہوتا رہا ختم ہوا۔ بفضلہ تعالیٰ بہت زیادہ مجمع تھا جس کا تخمینہ زائد از دو ہزار کیا گیا سب لوگ نہایت متاثر تھے اور نہایت سکوت کے ساتھ سنتے رہے بعد وعظ بے حد اشتیاق کے ساتھ لوگوں نے مصافحہ کیا ایک دوسرے پر گرتا تھا۔ بڑی مشکل سے وار آتا تھا۔ حضرت نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے تھے اور لوگ تھے کہ مشتاقانہ بڑھ بڑھ کر چوم رہے تھے اور پروانہ وار ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے تھے ایسے موقع پر حضرت پر ایک عجیب حالت انکسار اور تواضع کی طاری ہو جاتی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت دوران مصافحہ میں ہر شخص کی طرف نظر توجہ بھی ڈالتے جاتے تھے جیسا کہ دیکھنے والے پر مخفی نہیں رہتا۔ غرض عجیب دلفریب منظر ہوتا ہے اور اس وقت حضرت پر ایک عجیب شانِ محبوبیت برستی ہے۔

÷ ختم شد ÷

تقاریظ

از حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم

باسمہٖ سبحانہٗ

عنایت فرمائے مولانا حکیم محمد اختر صاحب سلمہٗ بعد سلام مسنون۔ آپ کی دو کتابیں معارف مثنوی اور دنیا کی حقیقت پہنچکر موجب منت ہوئیں۔ اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ کا تعلق اولاً مولانا پھولپوریؒ سے اور آخرًا مولانا ابرار الحق صاحب سے ہے اللہ تعالیٰ دونوں کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے اللہ تعالیٰ آپ کو اس ہدیہ سنیہ کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ یہ دونوں کتابیں سُن بھی لیں۔ مضامین ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔ دل پر اثر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کو قبول فرمائے۔ صدقہ جاریہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ معارف شمس تبریز کی طباعت کا بھی جلد از جلد انتظام فرمائے اور لوگوں کو ان معارف سے زیادہ سے زیادہ متمتع فرمائے۔ آپ کی دیگر تالیفات کی قبولیت کے لئے دُعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ذخیرۂ آخرت بنائے اور اپنے وقت پر حُسن خاتمہ کی دولت سے نوازے۔

(حضرت شیخ الحدیث) محمد زکریا (دامت برکاتہم)

مدینہ طیبہ ۱۱/۵/۷۶ء

رائے عالی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مہتمم مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی

وصدر مجلس تحفظ ختم نبوۃ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم محترم جناب مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی تالیف لطیف معارف مثنوی پڑھ کر موصوف سے اتنی عقیدت ہوئی جس کا مجھے تصور بھی نہ ہو سکتا تھا۔ فارسی اردو میں قدرۃ شعر۔ حسن ذوق پاکیزگی خیالات درد دل کا بہترین مرقع ہے۔ اب موصوف نے دیوان شمس تبریز جو عارف رومی متکلم کے شیخ ہیں ان کے حقائق ومعارف کا انتخاب وتشریح وبیان لکھکر اپنے حسن ذوق۔ لطافت طبع۔ سلامت فکر کا ایک اور شاہد عدل پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ارباب ذوق کو انکے شگفتہ تالیفات و انتخابات سے مزید مستفید فرمائے۔ آمین

محمد یوسف بنوری

سہ شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

منتخب اصلاحی اشعار

رہ کے دُنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

جو بشر آتا ہے دُنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

نوٹ: یہ دو شعر مذکور حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے خاص حجرہ تھانہ بھون میں لکھے ہوئے تھے۔

لُطف دُنیا کے ہیں کے دن کے لئے
کھو نہ جنت کے مزے ان کے لئے

یہ کیا اے دل تو بس پھر یوں سمجھ
تو نے ناداں گل دیے تنکے لئے

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آتی ہے

جو چمن میں گذرے تو اے صبا تو یہ کہنا بلبلِ زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دل کو بہار سے

"یہ ملتی ہے خدا کے عاشقوں سے"

(نظم بہ عنوان)

زبانِ عشق

از حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

درِ رازِ شریعت کھولتی ہے ۔۔۔ زبانِ عشق جب کچھ بولتی ہے
خرد ہے محوِ حیرت اس زباں سے ۔۔۔ بیاں کرتی ہے جو آہ و فغاں سے
جو لفظوں سے ہوئے ظاہر معانی ۔۔۔ وہ پا سکتے نہیں دردِ نہانی
لغت تعبیر کرتی ہے معانی ۔۔۔ محبت دل کی کہتی ہے کہانی
کہاں پاؤ گے صدرا بازغہ میں ۔۔۔ نہاں جو غم ہے دل کے حاشیہ میں
مگر دولت یہ ملتی ہے کہاں سے ۔۔۔ بتاؤں میں ملے گی یہ جہاں سے
یہ ملتی ہے خدا کے عاشقوں سے ۔۔۔ دُعاؤں سے اور ان کی صحبتوں سے
وہ شاہ دو جہاں جس دل میں آئے ۔۔۔ مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے
ارے یارو جو خالق ہو شکر کا ۔۔۔ جمالِ شمس کا نورِ قمر کا
نہ لذت پوچھ پھر ذکرِ خدا کی ۔۔۔ حلاوت نامِ پاکِ کبریا کی
بگویدزیں سبب ایں عشق بے باک ۔۔۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

یہ دولت دردِ اہلِ دل کی اختر
خدا بخشے جسے اس کا مُقدر

تصانیف حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

معارف مثنوی	کشکول معرفت
روح کی بیماری حصہ اول	معارف شمس تبریز
روح کی بیماری حصہ دوم	معرفت الٰہیہ
دنیا کی حقیقت	مجالس ابرار حصہ اول
ملفوظات شاہ عبد الغنی پھولپوری	مجالس ابرار حصہ دوم
صدائے غیب	رسول اللہ کی سنتیں
صحبت اہل اللہ اور اسکے فوائد	دستور تزکیۂ نفس

کتب خانہ مظہری کراچی

دنیا

کے لئے اتنی محنت کر جتنا کہ تجھے یہاں رہنا ہے۔

آخرت

کے لئے اتنی محنت کر جتنا کہ تجھے وہاں رہنا ہے۔

اللہ

کی رضا کے لئے اتنی کوشش کر جتنا کہ تو اس کا محتاج ہے

گناہ

اتنا کر جتنا کہ تجھ میں عذاب سہنے کی طاقت ہو

گلدستہ سُنّتؐ

اپنی زندگی کے شب و روز کو سنت نبویؐ
کی خوشبو میں بسانے کے لئے حسین گلدستہ
عام مُسلمان اور دینی وعصری مدارس کے طلبہ کی دینی اور
اخلاقی تربیت میں بہترین معاون۔
مواد کی افادیت کے پیشِ نظر داخلِ نصاب کرنے کے قابل

تالیف
عارف باللہ حضرت مولانا سیّد اصغر حسین میاں صاحبؒ
مفسّر و محدّث دار العلوم دیوبند
تسہیل، اضافہ، حاشیہ
مولانا مُحمّد رضوان القاسمی

ناشر
کُتب خانہ مظہری، گلشنِ اقبال ۲ کراچی

"عجب و کبر کا علاج

مرتبہ محمد اختر عفا اللہ عنہ

عجب :۔ اپنی نظر میں اپنے آپ کو اچھا سمجھنا ہے۔

کبر :۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر بھی سمجھنا اور حق بات کا قبول نہ کرنا اگر کوئی شخص اپنے کو بڑا نہیں سمجھتا اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتا اور حق بات قبول کرتا ہے تو یہ دولت اور سلطنت اور شاندار لباس کے باوجود تکبر میں مبتلا نہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کا ارشاد کمالات اشرفیہ میں ہے کہ بندہ جس وقت اپنے کو اچھا سمجھتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں بُرا اور حقیر ہوتا ہے اور جب اپنی نظر میں حقیر اور بُرا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھلا اور اچھا ہوتا ہے۔ عجب اور کبر کی بیماری بے وقوف اور بے عقل لوگوں کو ہوتی ہے۔ ایک لڑکی کو رخصتی کے وقت اسکی سہیلیوں نے خوب زیور اور اچھے کپڑوں سے سجاکر کہا بہن تمکو مبارک ہو کہ بہت اچھی معلوم ہوئی ہو وہ رونے لگی کہ نہ معلوم شوہر کی نظر میں ہمارا یہ حُسن قبول ہوگا یا نہیں میرے حُسن کا فیصلہ شوہر کے ہاتھ میں ہے تمہارے ہاتھ میں نہیں) گذارا تو شوہر کے ساتھ ہے اسی کی نظر کا فیصلہ اصل فیصلہ ہے۔ اس لڑکی سے بھی اس کی عقل خراب ہے جو اپنے مالک کے فیصلے سے قبل دنیا میں خود کو اچھا سمجھ رہا ہے اور چند انسانوں کی تعریف سے بے وقوف ہوگیا جبکہ قیامت کے دن کا فیصلہ باقی ہے جو اصل فیصلہ ہوگا اس سے قبل اپنے کو اچھا اور بڑا سمجھنا انتہائی بے عقلی اور بے وقوفی ہے۔ سیّد سلیمان ندویؒ نے کیا عمدہ شعر کہا ہے۔ ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے ⁂ وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

جو شخص لوگوں کی تعریف سے اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اسکی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے گھوڑے کی رات دن کی شرارتوں سے تنگ آکر دلال کو

فروخت کرنے کے لئے دیا۔ دلال نے بازار میں اس گھوڑے کی خوب جھوٹی تعریفیں لوگوں کے سامنے سنانی شروع کیں، اس بے وقوف نے کہا کہ جب اس میں یہ خوبیاں ہیں تو ہم نہیں فروخت کرتے تمام عمر اس گھوڑے کی خباثت اور شرارت کا تجربہ بھول گیا۔ اسی طرح جو شخص اپنے نفس کی شرارتوں اور معاصی سے واقف ہے کسی کی تعریف سے اس کا اپنے نالائق نفس کو لائق سمجھنا نہایت درجہ کا گدھاپن اور حماقت ہے۔

عجب اور کبر کی بیماری سے انسان حق تعالیٰ کی شان کی رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اپنی ہر صفت کو یعنی علم اور دولت اور حسن و جمال یا صحت کو حق تعالیٰ شانہٗ کا عطیہ سمجھنا چاہیئے اور اس کو اپنی ذاتی صفت سمجھ کر اس پر نظر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کے سامنے ایک آئینہ نکال کر اپنی ہی آنکھ ناک دیکھ رہا ہو تو ایسے عاشق کو اس کا محبوب دھکے دے کر نکال باہر کرے گا۔

عجب اور کبر کا مرض دنیا اور آخرت دونوں کو تباہ کرتا ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ:۔

جو اپنے کو مٹائے اور تواضع اختیار کرے تو حق تعالیٰ اسکو عزت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔ پس یہ اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے مگر مخلوق کی نظر میں باعزت اور کبیر ہوتا ہے اور جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل فرماتے ہیں پس وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے اور اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مخلوق کی نظر میں وہ سور اور کتے سے بدتر ہوتا ہے۔ بیہقی

(از خطبات الاحکام حضرت تھانویؒ)

شائع کردہ
مجلس اشاعت الحق گلشن اقبال نمبر۲ کراچی

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ مسمّٰی بہ

طریق القلندر ـــ بحر لیق السمندر

منجملہ ارشادات

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

ناشر

کتب خانہ مظہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

طریق القلندر۔ کحریق السمندر

اَیْنَ	کہاں ہوا	درگاہ قلندر صاحب پانی پت
مَتٰی	کب ہوا	شب شنبہ ۲۵ صفر ۱۳۳۷ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۱۸ء
کَمْ	کتنی دیر ہوا	۸-۳۲ تا ۱۱--۳۰ کل ۲ گھنٹہ ۴۰ منٹ
کَیْفَ	کس طرح ہوا	چوکی پر کھڑے ہو کر
لِمَ	کیوں ہوا	اہل شہر کی درخواست پر
مَاذَا	کیا مضمون تھا	طریق قلندری جو تصوف کا ایک مقبول طریق ہے اسکا صحیح مفہوم اور اسکے متعلق عام غلطی کا ازالہ
مِنْ اَیِّ نَشَاءٍ	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	اہل تصوّف کو
مَنْ ضَبَطَ	کس نے ضبط کیا	مولوی حکیم محمد مصطفےٰ صاحب اور خواجہ صاحب مگر بالقصد خواجہ صاحب وقت تبیض دونوں مسودے پیش نظر تھے۔
اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	سامعین کی تعداد	تخمیناً چار ہزار ۴۰۰۰
اَلْاَشْتَاتُ	متفرقات	احقر عزیز الحسن نہایت محجوب ہے کہ تقریباً ۱۴ سال

کے بعد احقر ۴ ماہ کی رخصت لے کر حاضر خانقاہ ہے یہ وعظ بہ فیض حضرت اقدس صاف ہو کر قابل اشاعت ہوا۔ اس سے قبل اتنی طویل فرصت میسر ہی نہ آئی اس وعظ کا احباب کو

ء اس ترکیب ایمائیہ میں مقصود تشبیہہ دینا ہے طریق کو یعنی عشق کو نار کیساتھ اور قلندر کو یعنی عاشق کو سمندر کے ساتھ کہ آتشی جانور ہے اور نار اسکی غذا ہے اسی طرح عشق غذا عاشق کی ہے۔

بیحد اشتیاق اور اصرار تھا۔ الحمد للہ کہ وہ پورا ہوا یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ وعظ صرف اپنی حقیقت کے ہی لحاظ سے قلندرانہ شان نہیں رکھتا بلکہ جس ہیئت سے بیان کیا گیا جس کیفیت سے سنا گیا اور جس صورت سے صاف ہوا وہ قلندرانہ تھی چنانچہ صاف ہونے کی تو یہ صورت ہوئی کہ ۱۴ برس میں طویل طویل وقفات کے بعد اس کی تکمیل ہوئی اور بیان کے وقت حضرت واعظ کی یہ ہیئت تھی کہ ایک موٹا دیہاتی لٹھ سر سے اونچا ہاتھ میں (کیونکہ عین وقت پر کوئی ہلکا عصا مل نہ سکا) کمربند گھٹنوں کے نیچے لٹکا ہوا عمامہ کے پیچ اِدھر اُدھر ڈھلے ہوئے اچکن کے بٹن اور بند کھلے ہوئے لیکن دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ اس وارفتہ حالی میں بھی حضرت پر ایک عجیب شان دلربائی برس رہی تھی اور ہزار حسن اس ادا پر قربان ہو رہے تھے بس اس شعر کا پورا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا ؎

قبا دا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید ... ببیں ایں بے سر و ساماں چہ ساماں کردہ می آید

سامعین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہو رہا تھا ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جب قریب اختتام حضرت نے یہ فرمایا کہ میں اب صرف پانچ منٹ اور بیان کروں گا تو لوگ بزبانِ حال یہ کہہ رہے تھے (بقول احقر) ؎

دلربا پہلو سے اُٹھ کر اب جدا ہونے کو ہے ... کیا غضب ہے کیا قیامت ہے یہ کیا ہونے کو ہے

آج تو جی بھر کے پی لینے دے اے ساقی مجھے ... جان ہی جاتی رہے گی اور کیا ہونے کو ہے

اور بوقت رخصت یہ ؎

کرتے جاؤ آرزو پوری کسی مشتاق کی ... ایک ذرا ٹھہرو کوئی تم پر فدا ہونے کو ہے

؎ شوقِ رفتاری کا اپنی دیکھ لو مڑ کر اثر

ساتھ ساتھ اُٹھ کر رواں ہر نقش پا ہونے کو ہے

صوفیوں پر تو وجد کی کیفیت طاری تھی، اللہ تعالیٰ حضرت واعظ کو مدت مدید تک

بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھے اور ممدوح کے فیوض و برکات کو تا قیامت جاری رکھے۔ ورحم اللہ عبداً قال آمینا۔ آخر میں عرض ہے کہ واللہ یہ محض حضرت کی دعا کی برکت ہے کہ اس قدر دشوار کام مجھ جیسے سہل انگار اور لاابالی شخص سے لیا گیا جس کو ۱۴ برس تک میں نہ کر سکا یہ زمانہ رخصت بھی یوں ہی ختم ہو گیا تھا صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا جبکہ حضرت کی خاص توجہ ہوئی پھر تو یہ حال تھا کہ دن رات ایک کر دیئے اور الحمد للہ کہ خانقاہ چھوڑنے کے صرف دو دن قبل وعظ ختم ہو گیا اور آج یہ تمہید بھی ختم ہوئی اور کل یہاں سے بصد حسرت و یاس روانہ ہو جاؤں گا؎

دیکھ لیں سب قوت بازوئے دوست
مجھ سے سرکش پر ہوا قابوئے دوست

والسلام

جمعہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

؎ افسوس حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو اب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے البتہ آپ کے فیوض و برکات آپ کے مواعظ اور تصنیفات کے ذریعہ جاری ہیں اور انشاء اللہ جاری رہیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّہۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ وَنَشۡہَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡہَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰۤی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعۡدُ

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗۤ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ یُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ○ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَہُمۡ رٰکِعُوۡنَ ○ وَمَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ○

(اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہو گی اور اللہ تعالیٰ سے ان کو محبت ہو گی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرما دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں بڑے علم والے ہیں تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی

پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔)

جن آیتوں کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں ہر چند کہ مضامین متعدد ہیں مگر باوجود تعدد کے غیر مربوط نہیں بلکہ ان مضامین میں باہم ارتباط ہے اور ارتباط بھی ایسا کہ تابعیت اور متبوعیت یا اصالت اور غیریت کا کیا معنی کہ ان میں بعض اجزا اصل ہیں اور بعض فروع و توابع یا یوں کہیے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض متمم اور مکمل یا یوں کہئے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض علامات و آثار بہرحال جس عنوان سے چاہے تعبیر کیجئے۔

حاصل یہ ہے کہ بعض مضامین اصل ہیں اور بعض تابع اب اس اصل کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جاوے اور تابع کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جاوے۔ لیکن یہ خوب سمجھ لیا جاوے کہ تابع کے یہ معنی نہیں کہ وہ مقصود نہیں بلکہ مقصود وہ بھی ہیں مگر مقصود مقصود میں فرق ہوتا ہے یعنی ایک تو مقصود ہوتا ہے من کل الوجوہ اور ایک مقصود ہوتا ہے من بعض الوجوہ گو لزوم اور وجوب دونوں میں مشترک ہوتا ہے مثلاً جیسے نماز اور وضو۔ ہر شخص جانتا ہے کہ نماز اصل ہے اور وضو تابع اور اس کی شرط ہے مگر باوجود اس کے یہ نہیں ہے کہ وضو کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں یعنی اس معنی کر غیر مقصود نہیں ہے کہ بلا وضو بھی نماز کو جائز سمجھا جاوے بلکہ دونوں میں عجیب تعلق ہے کہ وضو تو بلا نماز کے صحیح ہے لیکن نماز بلا وضو کے صحیح نہیں یعنی یہ تو ہے کہ بدون وضو کے نماز درست نہیں لیکن اس کا عکس نہیں ہے مثلاً اگر کوئی وضو تو کر لے مگر

نماز نہ پڑھے یعنی جس نماز کے لئے وضو کیا ہے اس نماز کے وقت کے اندر اس وضو سے اس نماز کو ادا نہ کرنے تب بھی جب دوسرا وقت نماز کا آئے گا تو کسی مفتی کا فتویٰ نہیں کہ اس دوسری نماز کے لئے پھر وضو کرنے کی ضرورت ہے بلکہ وہی وضو کافی ہو گا۔ دوسری نماز کے لئے اداءً اور پہلی نماز کے لئے قضاءً غرض وضو بلا نماز صحیح ہو سکتا ہے لیکن نماز بلا وضو صحیح نہیں ہو سکتی یہ مثال اور مثال کے اندر یہ خصوصیت یاد رکھنے کے قابل ہے تاکہ اجمالاً ایک غلطی معلوم ہو جائے جو بعض لوگ اعمال کے اندر کرتے ہیں کہ مقاصد غیر مقاصد کے اندر تفصیل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اعمالِ غیر مقصود کا حذف بھی جائز ہے۔ یعنی آج کل یہ بہت زبان زد ہے کہ مقصود تو حق تعالیٰ کی یاد ہے اور نماز روزہ وغیرہ محض اس کے ذرائع ہیں اور غیر مقصود ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بہت لوگوں نے یہ مشرب اختیار کر رکھا ہے اس مثال سے سمجھ میں آگیا ہو گا کہ نماز، روزہ وغیرہ کا غیر مقصود ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ وضو کا کہ گو غیر مقصود ہے لیکن کیا اس کو جائز الحذف یا جائز الترک کہہ سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ غیر مقصود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مقصود کے برابر نہیں اور غیر مقصود بھی محض اس درجہ میں ہے کہ نماز کا رکن اور اس میں داخل نہیں کیونکہ شرط ہمیشہ مشروط سے خارج ہوا کرتی ہے۔ مگر بوجہ شرط ہونے کے مقصود کی مکمل و متمم ہونے کے درجہ میں یہ بھی مقصود ہے۔

بہرحال مقصود کے درجات ہوا کرتے ہیں خوب سمجھ لیجئے۔ میرے الفاظ مقصود و غیر مقصود سے شبہ ہو سکتا تھا اس کو رفع کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس مثال سے اس کو رفع کر دیا گیا بلکہ اس طرح کہا جائے تو اور

زیادہ واضح ہے کہ مقصود تو سب اعمال ہیں لیکن بعض مقصود ہیں اور بعض مقصود مقصود اعظم ہیں بہرحال وہ شبہ حذف ہوگیا اب بعد حذف شبہ کے میں پھر عود کرتا ہوں اپنی تقریر کی طرف یعنی جتنے اجزاء ان آیتوں میں ہیں وہ ہیں تو سب کے سب مقصود لیکن ان میں جو مضمون مقصود اعظم ہے اس کو اس وقت بیان کرنے کے لئے میں نے تجویز کیا ہے کیونکہ وہ مضمون ازروئے قواعد شرعیہ کے نیز باعتبار اپنی نوع کے اصل ہے باقی مضامین اُسی کے متمم اور توابع اور لواحق ہیں یہ حاصل ہے اس مضمون کا۔ اس مضمون کا حاصل مفصل تو ان آیتوں میں ہے جو عنقریب بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے اور مجمل حاصل ایک اور بھی ہے کہ جو حضرت عراقی کے ایک شعر میں ایک دوسرے عنوان سے مذکور ہے جس کے متعلق ایک دوست نے مجھے مشورہ بھی دیا کہ اس شعر کا مضمون آج بیان کیا جاوے۔ وہ شعر حضرت عراقی کا یہ ہے ؎

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(میرے مرشد مجھے تو طریق جذب کا رستہ دکھلا دے۔ کیونکہ ریاضت و محنت کا راستہ بہت دشوار معلوم ہوتا ہے)

اس وقت اس فرمائش کو میں نے قبول نہیں کیا تھا مگر رد بھی نہیں کیا تھا وجہ یہ ہے کہ بیان بالکل اختیار میں نہیں نہ پہلے سے کوئی مضمون تجویز کیا جاتا ہے۔ عادت اللہ ہر ایک کے ساتھ جدا ہے اکثر اور غالب معاملہ اپنے ساتھ یہی دیکھا جاتا ہے کہ عین وقت پر یا قریب کوئی مضمون خود تقاضا کرتا ہے قلب میں۔ پس اسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور اسی کو بیان کر دیا جاتا ہے جس

عنوان سے بھی میسر ہوا تو اس وقت گو اس فرمائش کو قبول نہیں کیا گیا لیکن رد کی بھی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ ذہن خالی تھا۔ مگر وقت کے قریب اُسی مضمون کا تقاضا قلب میں پیدا ہوا۔ میں نکتہ اس وقت یہ سمجھا تھا کہ چونکہ یہ بیان ایک بزرگ کے مزار کے قریب ہے جو بزرگ اسی لقب کے ساتھ مشہور ہیں (یعنی حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر قدس سرہٗ العزیز ۱۲ جامع) اس لئے یہ فرمائش کی گئی ہے۔ غرض میں یہ سمجھا تھا کہ محض شاعری نکتہ ہے اسی واسطے قلب نے اُس فرمائش کو قبول نہیں کیا لیکن بعد اس کے اسکی ضرورت بھی معلوم ہوئی۔ وہ ضرورت یہ کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر تو وہ ہیں کہ جنھیں اعمال کی طرف توجہ ہی نہیں۔ بہت سے ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ نہ نماز نہ روزہ اور صرف یہی نہیں بلکہ نماز روزہ کے ساتھ تمسخر بھی ہے اور استہزاء بھی ہے کوئی تہذیب کے ساتھ استہزاء کرتا ہے کوئی بدتہذیبی کے ساتھ تو فقط ترک ہی نہیں بلکہ استہزاء اور استخفاف بھی ہے۔ اور اگر خیر استہزاء اور استخفاف نہ بھی ہو تو اخلال اور سستی اور کسل تو ضرور ہے استطاعت ہے اعمال کی مگر نہیں کرتے نماز روزہ کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے۔ بدنگاہی سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے غیبت سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے۔ پرائے حقوق سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے۔ سب و شتم۔ لڑائی جھگڑا، مکر و فریب ان سب سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے۔ کثرت سے تو ہم لوگوں کی یہی حالت ہے کہ گویا اعمال ہیں ہی نہیں بلکہ بجائے ان کے دوسرے اعمال ہیں یعنی معاصی میں مبتلا ہیں اور زیادہ ایسے ہی ہیں مگر اس کے ساتھ ان لوگوں کو اپنے اعمال و طاعات کا دعویٰ بھی نہیں اس لئے یہ لوگ اتنے زیادہ قابل شکایت نہیں جتنے

قابل شکایت وہ لوگ ہیں کہ ان کے یہاں اعمال بھی ہیں، تقویٰ بھی طہارت بھی اور اپنے کو عابد و زاہد بھی سمجھتے ہیں مگر ان اعمال میں روح نہ ہونے سے وہ اعمال ایسے ہیں جیسے بادام بلا مغز یا دودھ بلا روغن۔ ان کے حال پر زیادہ تاسف ہے اور وہ زیادہ قابل رحم ہیں۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ بیچاروں نے محنت بھی کی مشقت بھی اٹھائی مجاہدے بھی کئے مگر افسوس پھر بھی مقصود حاصل نہ ہوا سارے دن چلے دھوپ بھی خاک پھانکی پیروں میں آبلے پڑے مگر منزل پھر بھی قطع نہ ہوئی مجھے یاد ہے کہ میرے ایک عزیز نے رات کو سفر کا قصد کیا۔ سواروں میں نوکر تھے۔ رخصت قریب ختم تھی۔ ملازمت پر واپس جا رہے تھے۔ بھتیجے نے کہا بھی کہ اندھیری رات ہے اس وقت نہ جایئے پریشان ہو جایئے گا۔ لیکن نہیں مانا۔ کہا تم بچہ ہو۔ کیا سمجھو۔ نوکری کیا معاملہ ہے رخصت ختم ہوگئی ہے میں کیسے رک سکتا ہوں۔ بھتیجے نے کہا بہت اچھا جایئے مگر پریشان ہو جیئے گا۔ خیر صاحب چلے وہاں سے۔ رات ایسی اندھیری کہ چل تو رہے تھے مگر کچھ پتہ نہیں کہ کدھر جا رہے ہیں دو چار میل تو خیر ٹھیک چلے کیونکہ اپنے گاؤں سے اتنی دور تک تو راستہ ہر شخص کو معلوم رہتا ہی ہے بے دیکھے بھی آدمی جا سکتا ہے مگر آگے چل کر خدا معلوم رخ کس طرف کو ہوگیا کہ راستہ بھولے اور ایسے بھولے کہ بھولنے کو بھی بھول گئے اور بھولنا تو وہی ہے کہ بھولنے کو بھی بھول جاوے۔

چنانچہ رستہ بھول کر خدا جانے کہاں سے کہاں پہونچے۔ اور بالآخر خدا جانے کیسا چکر کھایا کہ پھر اسی رستہ کو ہوئے جس سے روانہ ہوئے تھے۔ اب وہ تو سمجھ رہے ہیں کہ ہم آگے کو چل رہے ہیں، در حقیقت میں

ہٹ رہے ہیں پیچھے۔ غرض ساری رات گھوم گھام کر صبح کو لوٹ کر پھر وطن شریف ہی میں آ پہونچے۔ صبح صادق کا وقت تھا ان کے مکان کے قریب جامع مسجد ہے جو بہت کرسی دار ہے۔ اور اس کے فنا میں ایک برگد کا درخت ہے۔ جامع مسجد کو دیکھ کر کہا۔ اخاہ یہ کون سا گاؤں ہے جس کی مسجد بھی ایسی ہے جیسی ہمارے گاؤں کی۔ پھر برگد ملا کہا ارے میاں یہ تو درخت بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارے گاؤں کا یہ گاؤں تو ہمارے وطن کا مذکر ہے۔ بھائی یہ گاؤں بہت اچھا ہے آگے بڑھے تو اپنا سا مکان بھی معلوم ہوا اب سمجھ میں آیا کہ کیا قصہ ہے۔

بھتیجے صاحب مکان سے نکل کر نماز کو جا رہے تھے۔ انھوں نے کہا السلام علیکم۔ کہا کون۔ فلانے۔ کہا ہاں۔ کہاں میاں یہ تو بتاؤ میں ہوں کہاں۔ کہا وہیں ہو جہاں میں ہوں اور کہاں ہوتے۔ کہا ارے میاں میں تو رات بھر چلتا رہا اور پھر گھر کے گھر ہی میں رکھے ہوئے ہیں لاحول ولا قوۃ۔ یہ تو بڑی واہیات بات ہوئی۔ بھتیجے نے کہا میں نے آپ سے کہا نہ تھا لیکن آپ نے مانا ہی نہیں۔ تو بڑا افسوس ہے ایسے مسافر پر جو ساری رات تو سفر کرے اور صبح کو پھر آ جاوے جہاں سے چلا تھا۔ تھکا بھی ماندہ بھی ہوا وقت بھی صرف ہوا پھر بھی وہیں کا وہیں جہاں پہلے تھا۔ خیر یہاں یہ بات تو نہیں ہے کہ یہ شخص بالکل مشابہ ہے اس مسافر کے۔ یہاں راستہ کچھ نہ کچھ قطع تو ہوتا ہے لیکن بالکل ناتمام یعنی ایسے جیسے چھکڑے کی چال کہ صبح سے شام تک تو چلا اور کتنا آیا۔ دس میل۔ اور ایک ریل ہے کہ اتنے میں دو سو میل نکل گئی اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ریل اور چھکڑے کی رفتار میں جو اس قدر تفاوت

ہے تو اس کا سبب کیا ہے ریل میں آخر وہ چیز کیا ہے جس نے اس کی رفتار کو اس درجہ تک پہونچا دیا ہے سبب اس تفاوت رفتار کا یہی ہے کہ ریل میں مشین لگی ہوئی ہے اُسی نے اس کو ہوا بنا رکھا ہے۔ اگر چھکڑے میں بھی ویسی ہی مشین لگا دیں تو اس میں بھی وہی بات پیدا ہو جائے گی بالخصوص جبکہ اس میں مشین لگانا ممکن بھی ہوا اور سہل بھی ہو تو حسرت ہے اس شخص پر جو پھر بھی مشین نہ لگائے پھر ایسے لوگوں میں بھی بعض تو وہ ہیں جو متقی پرہیزگار ہیں اور بعضے ایسے ہیں جو محض ریاکار ہیں جس میں ریا اور نمائش ہے اس کی تو بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے اس مسافر کی۔ اور بعینہ وہی حالت ہے کیونکہ ریا حابط عمل ہے گو فرض تو سر سے اُتر جاتا ہے لیکن مقبول نہیں ہوتا اور مقصود مقبولیت ہی ہے جب مقبول ہی نہ ہوا تو وہ پھر عمل ہی کیا ہوا وہ تو لاشئے محض ہوا۔ اس کی تو وہ پہلی ہی مثال ہے۔ چنانچہ جو لوگ محض نمائش کے لئے عمل کرتے ہیں یعنی فقط اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ صاحب یہ بڑے عمل کرنے والے ہیں ان کی بابت حدیث شریف میں وارد ہے۔

فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ قیامت میں سب سے اوّل ایک ایسے شخص کو لایا جاوے گا جو شہید ہوا ہوگا اللہ کے راستہ میں اس کو بتلایا جاوے گا کہ ہم نے تو تم کو یہ یہ نعمتیں دی تھیں وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا پھر اس سے پوچھا جاوے گا کہ ہم نے تم کو یہ نعمتیں دیں اور تم نے اس میں عمل کیا کیا وہ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اپنی جان دے دی۔

ارشاد ہوگا کہ تم جھوٹے ہو ہم کو خوش کرنے کے لئے جان نہیں دی۔

بَلْ لِیُقَالَ اِنَّکَ جَرِیٌّ بلکہ اس لئے جان دی کہ سب میں یہ شہرت ہو جائے کہ بڑے بہادر تھے فَقَدْ قِیْلَ تو تمہاری تعریف اور شہرت ہو چکی۔ جو تمہارا مطلب تھا وہ دنیا ہی میں تم کو حاصل ہو چکا۔ دوم تمہارا مدعا پورا ہو گیا پھر حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے پھر بلایا جائے گا ایک بڑے عالم کو اسی طرح اس سے پوچھا جاوے گا کہ کہئے صاحب آپ نے کیا کیا۔ وہ کہیگا میں نے یوں وعظ کہے یوں نصیحتیں کیں یوں لوگوں کو ہدایت کی اور یوں علم سکھایا۔

ارشاد ہوگا یہ ہمارے واسطے نہیں کیا بَلْ لِیُقَالَ اِنَّکَ قَارِیٌّ بلکہ اس واسطے کہ لوگوں میں مشہور ہو کہ بڑے عالم ہیں بس تو آپ بھی وہیں تشریف لے جائیے جہاں آپ کے بھائی صاحب گئے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے یہ آیا ہے حدیث میں کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے گا پھر ایک سخی صاحب لائے جاویں گے ان سے بھی یہی سوال کیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ میں نے بہت مال و دولت اللہ کے راستہ میں خرچ کیا تھا۔

ارشاد ہوگا کہ اس واسطے نہیں کیا کہ ہم راضی ہوں بل لیقال انک جواد بلکہ اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ بڑے سخی ہیں ان کی داد و دہش کا کیا کہنا ہے بس سارے شہر میں وہی تو ایک سخی ہیں اگر کوئی اور سخی ہوگا تو فلانے کے برابر نہیں ہوگا۔ فَقَدْ قِیْلَ جو تمہارا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا۔ ہٰذا تم بھی وہیں جاؤ جہاں تمہارے دو بھائی جا چکے ہیں چنانچہ اس کو بھی منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے گا تو حضرت یہ تین عمل کتنے بڑے بڑے ہیں۔ علم دین۔ سخاوت۔ شہادت۔ اب ان سے بڑھ کر کونسا عمل ہوگا لیکن دیکھ لیجئے ریا کی بدولت ان کی کیا گت بنی ہے وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا

عمل صرف صورت عمل ہے حقیقتاً عمل ہی نہیں اور واقعی جو لوگ محض ریاکار ہیں ان کا تو وہی حال ہے کہ ؎

از بروں چوں گور کافر پُر حلل — و اندروں قہر خدائے عزوجل

ترجمہ:۔ باہر سے تو کافر کی طرح آراستہ ہے۔ اور قبر کے اندر خدا کا قہر و غضب ہے۔

از بروں طعنہ زنی بر بایزید — واز درونت ننگ می دارد یزید

ترجمہ:۔ ظاہر میں تو تو بایزید بسطامی پر طعنہ کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت سے یزید بھی شرماتا ہے۔

ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوئی اور بعض وہ لوگ ہیں جن کے عمل ریا سے تو نہیں ہیں خلوص کے ساتھ ہیں مگر ناتمام اور غیر مکمل گویا جسد بلا روح ہیں خیر وہ کچھ ہیں تو سہی مگر ایسے ہی ہیں جیسے چھکڑے کی رفتار بمقابلہ ریل کے۔ تو اگر کوئی نادان ایسا ہو کہ اس کو ریل عطا کی گئی ہو جس میں انجن بھی ہے اور سامان آگ کا بھی موجود ہے مگر صرف آگ ڈالنے اور مشین چلانے کی کسر ہے اگر اس میں آگ چھوڑ دی اور بھاپ پیدا کر دی تو پھر وہ ریل ہے کہ صبح سے شام تک دو سو تین سو میل نکل گئی بلکہ زیادہ نہیں تو بس ایک ٹھیلہ ہے تو انجن بھی موجود آگ کا سامان بھی موجود لیکن بیوقوف ڈرائیور ہے کہ اس کو ٹھیلتا ہے ٹھیلنے کے لئے اول تو نیچے اترنا پڑتا ہے پھر بہت کچھ زور بھی لگانا پڑتا ہے گو اس طرح ٹھیلنے سے بھی وہ چلتی ہے کیونکہ آخر لوہے کی سڑک پر ہے مگر کتنی صبح سے شام تک دو، تین چار میل بس اور جہاں چھوڑ دیا بس کھڑی ہو گئی اگر فوراً نہیں تو کچھ دور اور چل کر سہی۔

غرض ٹھیلنے سے دن بھر میں دو چار میل چل سکتی ہے اور بہت سے

بہت دس میل اگر کوئی بہت ہی قوی ہوا اور برابر چلا گیا دھکیلتا ہوا تو اس شخص مذکور کی حالت اس کے مشابہ ہے اور یہ حالت بھی قابل افسوس ہے ہم نے بہت لوگ ایسے دیکھے ہیں کہ تقویٰ بھی طہارت بھی ظاہری حالت بھی درست۔ ڈاڑھی بھی نیچی۔ پائیچے بھی ٹھیک۔ نماز بھی۔ روزہ بھی۔ یہ سب کچھ مگر ساتھ ہی اس کے روح جس کو میں آگے بیان کروں گا وہ نہیں۔ غرض ہر عمل بے روح ہے۔ یعنی کم جان ہے گو بالکل بے جان نہیں اس کی رفتار ایسی ہی سُست ہے جیسے ٹھیلہ کی۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے ایک انجن گاڑی اس شخص کو دی جس کی کلیں بھی بہت اچھی اچھی ہیں بھاپ بنانے کے لئے سب سامان بھی دیا، کوئلہ بھی۔ پانی بھی۔ دیا سلائی بھی۔ مگر آگ سُلگائے کون اور بھاپ بنائے کون۔ اس کی بلا سے سستی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں کو اتنی حرکت دینا بھی گراں ہو رہا ہے تو یہاں کسر کاہے کی ہے۔ صرف بھاپ کی اور آگ سُلگانے کی چونکہ بھاپ نہیں ہے اس لئے رفتار تیز نہیں ہے اسوقت اسی بھاپ کا ذکر کیا جا رہا ہے اور یہی مراد ہے میری روح سے اور بھاپ نہ تو موجود ہے نہ اس کی فکر و کوشش ہے اسی کو حضرت عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ذکر کیا ہے اشارۃً ؎

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی — کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

ترجمہ:۔ اے مرشد مجھ کو تو قلندری کا راستہ بتلا دیجئے۔ کیونکہ پارسائی کا راستہ تو بہت دور دراز ہے۔

تو یہ ضرورت میری سمجھ میں آئی اس مضمون کی اور اس لئے یہ مضمون باوقعت معلوم ہوا کہ اس میں ایک بڑی کوتاہی کی تکمیل ہے اور اسی وجہ سے

اس کو اختیار کیا گیا اور اس ضروری چیز کی شرح اور تعیین میں آگے چل کر کردوں گا مگر اجمالاً حضرت عراقی کے اس شعر سے سمجھ میں آجائے گی اصل تو یہ وجہ ہے اس شعر کے مضمون کو اختیار کرنے کی باقی اس میں وہ شاعری نکتہ بھی ہے جس کی بنا پر میرے دوست نے مجھے مشورہ دیا تھا یعنی مقام بیان میں اس لقب کے ایک بزرگ کا مزار ہونا مگر ممکن ہے اُن کا ذہن بھی اس مضمون کی ضرورت کی طرف ہو گیا ہو بہر حال دو نکتے جمع ہو گئے ایک تو یہ کہ فی نفسہ بھی یہ مضمون ضروری ہے دوسرے خصوصیت مقام سے اس کا استحسان اور بڑھ جانا کیونکہ جس مقام پر یہ بیان ہو رہا ہے وہاں ایک ایسے بزرگ کا مزار مبارک ہے جو اس لقب قلندر ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔ نیز ایک برکت کی بھی اِنشاء اللہ تعالیٰ توقع ہے۔ پھر چونکہ یہ وعظ ایک بزرگ کے ساتھ نامزد ہے اس لئے بھی اُمید اس مضمون کے نافع ہونے کی ہے۔ مگر یہ سب درجۂ تائید و تزئین ہیں یہ نکتے درجۂ مقصودیت میں نہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ مجھے اس وقت اس طریق کا بیان کرنا ہے جس کے متعلق ہم میں کمی ہو رہی ہے اور جس کی طرف اب ہمارا التفات نہیں رہا اس وجہ سے یہ مضمون اختیار کیا گیا ہے۔ تو حق سبحانہ تعالےٰ نے یہ مضمون اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے وہ اس طریق کی تفصیل ہے البتہ قرآن میں یہ اِصطلاح نہیں ہے اور یہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو اصطلاح چاہے مقرر کرلے تعبیر کرنے والے کو اختیار ہے جس اصطلاح میں چاہے کسی مضمون کو تعبیر کرے گو اس آیت میں یہ اِصطلاح نہیں ہے لیکن یہ مضمون ہے وہی چنانچہ تفصیل سے معلوم ہو جاوے گا لیکن

اس کے قبل ممکن ہے کہ کسی کو اس شعر کے متعلق ایک شبہ ہو اسکو رفع کئے دیتا ہوں وہ شبہ یہ ہے کہ حضرت عراقی نے اس شعر میں رہ قلندر اور رہِ پارسائی کو متقابل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں

ع صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی

اے مرشد مجھ کو قلندر کا رستہ بتلا دیجئے

ع کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

کیونکہ رستہ پارسائی کا تو بہت دور دراز ہے۔ یہ ترجمہ ہے اس شعر کا اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ قلندر کا رستہ پارسائی کے رستہ کے مقابل ہے تو گویا اس طریق قلندری میں پارسائی نہ ہوتی ہو گی یعنی آدمی بالکل آزاد اور رند بے قید ہو جاتا ہو گا اُسے ڈاڑھی رکھنی بھی ضروری نہ رہتی ہو گی اس پر نماز بھی فرض نہ رہتی ہو گی۔ شراب بھی اُسے حلال ہو جاتی ہو گی۔ غرض حلال حرام کی بالکل تمیز نہ رہتی ہو گی۔ شاید طریق قلندری کا خلاصہ ذہنوں میں یہ ہو گا تو اللہ بچاوے ایسے طریق سے غرض کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے اس شعر کے مضمون سے اس کو پہلے رفع کئے دیتا ہوں کیونکہ اس کا رفع کرنا فی نفسہ بھی ضروری ہے۔ نیز اس کی اس بیان میں بھی ضرورت ہو گی جو مجھے اس وقت کرنا ہے اور یہ اس بیان میں معین بھی ہو گا اب یہاں ضرورت ہے تھوڑے سے علم درسی کی مگر خیر میں حتی الامکان آسانی سے سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ غیر اہل علم بھی بقدر ضرورت سمجھ سکیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ عراقی کے شعر میں جو طریق قلندری و طریق پارسائی میں تقابل واقع ہوا ہے وہ ظاہر سیاق سے تبائن پر ضرور دال ہے جس کے لئے عدم تصادق لازم ہے لیکن تبائن و عدم تصادق کے لئے تنافی و عدم اجتماع

ضروری نہیں دیکھئے کل میں اور اس کے اجزاء خارجیہ میں تبائن وعدم تصادق محقق ہے لیکن تنافی نہیں اور اجتماع ہوتا ہے جیسے بیت کے لئے جدار اور سقف اجزا خارجیہ ہیں جن میں باہم تصادق نہیں بلکہ تقابل ہے لیکن ایک کل ہے اور دوسرا جزو اور دلائل سے ثابت ہے جس کا کافی بیان اس وعظ میں بھی ہے کہ طریق قلندر کے دو جزو ہیں ایک عمل جو حقیقت ہے طریق پارسائی کی اور دوسرا محبت اور طریق قلندر نام ہے ان دونوں کے مجموعہ کا اور چونکہ یہ اجزا خارجیہ ہیں ان میں تصادق تو نہیں مگر کلیت وجزئیت کا تعلق ہے پس طریق قلندر کل ہوا اور طریق پارسائی اس کا ایک جزو ہوا اور جزو کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم ہے پس طریق پارسائی جہاں منتفی ہوگا وہاں طریق قلندری بھی منتفی ہو جاوے گا۔ سو حاصل شعر کا مطلب یہ ہوا کہ محض طریق پارسائی کافی نہیں جو کہ ایک جزو ہے طریق قلندری کا بلکہ طریق قلندری مطلوب ہے جس میں دونوں جزو جمع ہیں طریق پارسائی بھی اور طریق محبت بھی پس اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا باقی اب یہ دوسری تحقیق ہے کہ ان دونوں میں اصل کون ہے محبت یا اعمال اس کا فیصلہ بھی ہوا جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ یہاں اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ طریق قلندر وہ طریق ہے جو مرکب ہو محبت اور اعمال دونوں سے آگے ایک اصطلاحوں کا فرق ہے جو اصطلاح متقدمین میں پائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے رہ قلندر میں یہ بھی قید ہے کہ جس میں اعمال کی تقلیل ہو یعنی اعمال ظاہرہ مستحبہ کی کیا معنی کہ بہت نفلیں اور وظائف نہ ہوں بلکہ محبت کی خاص رعایت ہو یعنی تفکر اور مراقبہ زیادہ ہو۔ ایک تو یہ اصطلاح ہے اور ایک اصطلاح اور ہے یعنی خواہ ان اعمال کی تکثیر بھی ہو مگر غلبہ آزادی کو ہو

لیکن آزادی خلق سے نہ کہ خالق سے کیا معنی کہ قلندر کو دنیا کی وضع اور رسوم کی پرواہ نہیں نہ مصالح پر نظر ہوتی ہے مثلاً ہم لوگ یہ بھی نظر کرتے ہیں کہ بھائی ایسا نہ کہو کوئی کیا کہے گا اور مثلاً ہم لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ فلانے کو کچھ کہو مت برا مانے گا۔ وحشت ہوگی بھائی مگر بشرطیکہ ان رعایتوں کا شریعت سے اذن بھی ہو اور قلندر کو اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ کوئی برا مانے گا یا بھلا مانے گا اس کا دل صاف اور سادہ ہوتا ہے غرض وہ آزاد ہوتا ہے مصالح سے اس کی مصلحت صرف ایک ہوتی ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار　　　بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

ترجمہ:۔ مصلحت دید میری یہ ہے کہ تمام دوست دنیا کو چھوڑ دیں اور صرف یار کی زلف کو پکڑ لیں۔

اس کی بڑی مصلحت یہی ہوتی ہے کہ ایک کو لے کر سب کو ترک کر دو اسکی تو بس یہ حالت ہوتی ہے ؎

دل آرامے کہ داری دل درو بند　　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ترجمہ:۔ اے دل جس کو تو دوست رکھتا ہے اسی میں دل لگا۔ اور تمام جہاں سے آنکھیں بند کر لے۔

اور اس کا یہ مشرب ہوتا ہے ؎

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے　　　چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

ترجمہ:۔ تمام شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند ہی کے خیال میں محو ہوں۔ کیا کروں میں۔ کاش کہ بدخو نظر کسی پر بھی نہ پڑتی

سوائے محبوب کے کسی پر اس کی نظر ہی نہیں پڑتی بجز ایک کے سارے جہاں کو انھوں نے ہیچ اور فنا کر دیا ہے جب انھوں نے اپنے ہی کو

پہنچ اور فنا کر دیا تو پھر دوسرے پر کیا نظر کریں کہتے ہیں ؎

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
اور جو خود ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

جب اپنی ہی ہستی مٹا دی تو دوسروں کی ہستی کی انھیں کیا پرواہ مشہور ہے کہ جب اپنی ہی ٹوپی اُتار دی تو پھر دوسروں کی ٹوپی کی کیا پرواہ جب وہ اپنی ہی ہستی کو مٹا چکا تو دوسروں کی ہستی کی پرواہ ہو اس کی جوتی کو ایسے شخص کو اصطلاح صوفیہ میں حُر کہتے ہیں بعض صوفیائے کرام نے قرآن مجید میں سے ایک لطیفہ نکالا ہے ۔حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے اس قول سے :۔

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ

ترجمہ :۔ اے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کیلئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا سو آپ اس کو مجھ سے قبول کر لیجئے ۔

اے اللہ میں تیرے نذر کرتی ہوں جو کچھ میری نیت میں ہے اور تیرے راستہ میں اسے آزاد کرتی ہوں ۔اس کا یہ تھوڑا ہی مطلب ہے کہ وہ غلام تھا اب اسے آزاد کرتی ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میں اسے تیرے ہی لئے خاص کرتی ہوں اے اللہ میاں یہ خالص تمہارا ہے ۔ تمہارے دین کی خدمت میں ساری عمر رہے گا۔ تو حُر کے معنی خالص کے ہوئے چنانچہ اہل لغت نے لکھا ہے طین حر یعنی وہ مٹی جس میں کنکر وغیرہ نہ ملا ہو حُر خالص مٹی کو کہتے ہیں ۔یہاں بھی حُر کے معنی ہیں خالص اللہ کا اور اب تو خالص کے وہ معنی ہو گئے جو نخالص کے ہیں یعنی اس کے جو اصلی معنی ہیں اس معنی کر نہیں جیسے عوام پوچھتے ہیں کہ یہ گھی نخالص ہے بیچنے والا کہتا ہے کہ ہاں

بالکل نخالص ہے ایسے ہی احرار کی دو قسمیں ہیں ایک خالص ایک نخالص نخالص کون جس میں میل ہو۔ میل کاہے کا ہو۔

میل ہو حُبِّ دنیا کا، میل ہو حُبِّ غیر کا۔میل ہو معصیت کا شرک کفر کا۔یعنی آج کل آزاد اس کو کہتے ہیں جو شریعت سے آزاد ہو۔اللہ اکبر ایسا شخص بھی کہیں آزاد کہا جا سکتا ہے ۔حضرت یہ تو وہ آزاد ہے جو ہزاروں قیدوں میں ہے یعنی معصیتوں میں مبتلا ہے پھر آزادی کہاں رہی کیونکہ معصیت کی قید تو سب قیدوں سے سخت قید ہے غرض بے قید کوئی نہیں ۔کوئی خدا کی قید میں ہے ۔کوئی شیطان کی قید میں ۔بہرحال قید سے تو خالی کوئی نہیں ۔اب اس کا فیصلہ خود کر لو کہ کون سی قید پسند کے قابل ہے ۔حضرت سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اسیرش نخواہد رہائی زبند
شکارش نجوید خلاص از کمند

ترجمہ :۔ اس کا قیدی قید سے آزادی نہیں چاہتا ۔اسکا شکار کمند سے رہائی نہیں چاہتا ۔

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

گر دو صد زنجیر آری بگسلم
غیر زلف آں نگارے دلبرم

یعنی اگر سیکڑوں قیدوں میں بھی ڈال دیا جاؤں تو ساری قیدیں توڑ ڈالوں مگر معشوق کی زلف کی قید کہ اس کو توڑنا ہرگز گوارا نہ کروں ۔کیونکہ یہ قید تو محبوب قید ہے ۔غرض قید بھی دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو محبوب قید اور ایک ناگوار قید ۔

دیکھو تو سہی اگر عاشق کو کسی دعوت کے لئے پکڑو تو وہ رسے توڑا کر بھاگے گا کہ ہمیں دعوت سے کیا مطلب ہم تو آزاد ہیں اب فرض کرو اسی

رو میں محبوب بھی آگیا اور اس نے بھی کہا کہ چلو میاں تمہاری آج دعوت ہے ہمارے یہاں اور وہ اس سے بھی کہہ دے کہ نہیں جناب میں تو آزاد ہوں میں دعوتوں میں نہیں جایا کرتا۔

کوئی اس سے کہے کہ ارے احمق جس کی بدولت تو آزاد ہوا ہے اسی کے یہاں تو آج دعوت ہے جس کے لئے تو نے سارے تعلقات قطع کئے آج کی دعوت اسی شخص کے تعلق سے مسبب ہے اس کی دعوت میں بھی جانے سے آزاد بنتا ہے تو تو عاشق ہی نہیں یہ اچھی آزادی ہوئی صاحب کہ نماز بھی چھوڑ دی روزہ بھی چھوڑ دیا۔ یہ آزاد کہاں سے ہوا یہ تو ہزاروں قیدوں کے اندر جکڑا ہوا ہے۔

آزاد وہ ہے جو غیر اللہ سے آزاد ہو۔ جو خالص اور حُر ہو تو قلندر کے یہ معنی ہیں خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں تو قلندر وہ ہے جس میں اعمال غیر واجبہ کی تقلیل ہو اور متاخرین نے اس کے معنے میں وسعت کی ہے یعنی قطع نظر اس سے کہ اعمال میں تقلیل ہو یا تکثیر، لیکن خلق سے آزاد ہو اور یہ دونوں اصطلاحیں جدا جدا ہیں۔ لیکن ایک نکتہ کی بناء پر یہ دونوں اصطلاحیں متوافق بھی ہو جاتی ہیں یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلندر کے اعمال میں تقلیل ہوتی ہے تو قلت اور کثرت امور اضافیہ میں سے ہیں یعنی بمقابلہ دوسرے اہل اعمال کے تو وہ عمل میں بھی بڑھا ہوا ہے یعنی اوروں سے تو اس کا عمل بھی غالب ہے لیکن خود اس میں جو محبت اور عمل دو چیزیں جمع ہیں ان میں محبت کا حصہ عمل سے بڑھا ہوا ہے پس اس کمی کا یہ مطلب نہیں کہ عمل میں فی نفسہ کوئی کمی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گو عمل بھی بہت بڑھا ہوا ہے لیکن محبت میں اس سے زیادہ بیشی ہے عمل تو کامل ہے ہی

مگر محبت کامل سے بھی آگے یعنی اکمل ہے اس تقریر سے یہ دونوں اصطلاحیں باہم متوافق ہوگئیں اب ایک اور تیسری اصطلاح جہلا کی ہے جو بالکل بدعت ہے کہ قلندر وہ ہے جو چار ابرو کا صفایا کردے اور نماز و روزہ سب کو رخصت کردے ایسے شخص کو جہلا کہتے ہیں کہ صاحب یہ قلندر ہیں۔ استغفر اللہ وہ کیا قلندر ہوتا ہاں اگر کوئی معذور ہو غیر مکلف ہو ہو مثلاً مجنوں ہے دیوانہ ہے تو وہ مستثنےٰ ہے یعنی خدا کے یہاں اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا یہ دوسری گفتگو ہے کہ آیا وہ کامل بھی ہے۔

سو یہ خوب سمجھ لیجئے کہ نہ وہ کامل ہے نہ مکمل کیونکہ مکمل ہونے کے لئے خود کامل ہونا ضروری ہے تکمیل کے لئے کمال شرط ہے۔ جو خود ہی درزی کا کام نہ جانتا ہو وہ دوسرے کو سینا کیونکر سکھا سکتا ہے تو مجاذیب اور بہلول جو ہوتے ہیں چونکہ یہ خود کامل نہیں ہوتے لہٰذا دوسرے کی تکمیل بھی نہیں کرسکتے کامل اور مکمل وہی ہے جو قدم بقدم ہو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جس کا ظاہر ہو مثل ظاہر پیغمبر کے اور باطن ہو مثل باطن پیغمبر کے یعنی ہر امر میں ہر حال میں پیغمبر ہی اس کے قبلہ و کعبہ ہوں۔ اس کے ظاہر کا قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر ہو اور اس کے باطن کا قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہو اس کو خوب سمجھ لیجئے۔ دیکھئے تو یہی نماز کی صحت کے لئے قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ ہاں قبلہ سے تھوڑا فرق ہو تو خیر مضائقہ نہیں نماز صحیح ہو جاوے گی چاہے رکعتیں بھی زیادہ نہ پڑھے اور چاہے قرأت میں بھی کچھ تقلیل ہو مگر ہو قبلہ رخ تب ہی نماز کی صحت متحقق ہوگی اور اگر مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی تو چاہے رکعتوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور قرأت میں بھی تطویل ہو لیکن نماز صحیح نہ ہوگی۔

دیکھو یہ مسجد بنی ہوئی ہے (بیان مسجد سے متصل ہو رہا تھا ۱۲ جامع) اسکی

سمت کی طرف نماز صحیح ہو جاتی ہے وجہ کیا کہ یہ مسجد خانہ کعبہ کی طرف گویا منہ کئے ہوئے ہے لہٰذا جو کوئی اس کی سمت کی طرف اپنا منہ کر کے نماز پڑھے گا چاہے دو رکعت ہی کیوں نہ ہوں اس کی نماز صحیح ہو جاوے گی۔ برخلاف اس مسجد کی سمت کے مقابل مشرق کی جانب اگر آپ اس مسجد کی ایک شکل بنا کر (کیونکہ وہ مسجد کیا ہو گی مسجد کی محض شکل ہی ہو گی) اسمیں نماز پڑھیں جس میں اتنی لمبی لمبی سورتیں ہوں کہ ایک رکعت میں تو سورۂ بقر ہو دوسری میں سورۂ آل عمران پھر تیسری میں سورۂ نساء اور چوتھی میں سورۂ مائدہ غرض چار رکعتوں میں یہ بڑی بڑی چار سورتیں ختم کی گئیں اب آپ ہی کہئے یہ نماز کیسی ہوئی بالکل بیچ در بیچ اس پر ثواب تو کیا ملتا بلکہ اور عذاب ہو گا تو اس نماز میں کیا چیز کم ہے فقط کمی یہ ہے کہ رُخ قبلہ سے ملا ہوا نہیں ہے اس کے سوا اور کوئی کمی نہیں شکل بھی نماز کی مسجد کی بھی ساری ہیئت وہی لیکن تحریف قبلہ کے سبب وہ نماز ہرگز مقبول نہیں بلکہ مردود ہے۔ نماز بھی اور نمازی بھی۔ تو ہمارے اعمال کا قبلہ و کعبہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ہیں جس عمل کا رُخ اس قبلہ کی طرف ہو گا وہی مقبول ہو گا پس ہمارے ظاہر کا قبلہ پیغمبر کا ظاہر ہے اور باطن کا قبلہ پیغمبر کا باطن ہے یعنی ہماری ظاہری حالت وہ ہونی چاہئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حالت تھی یعنی آپ کپڑا پہنتے تھے ہمیں بھی ننگا نہیں رہنا چاہئے آپ ڈاڑھی رکھتے تھے ہماری ڈاڑھی بھی منڈی یا کٹی نہ ہونا چاہیئے۔ آپ کے ٹخنے کھلے ہوئے رہتے تھے ہمارے بھی کھلے رہتے چاہئیں اور یہ ہی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنے کھلے رہتے تھے بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ٹخنے ڈھانکنے سے منع بھی فرمایا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن ترشے ہوئے اور لبیں بنی ہوئی رہتی تھیں یہ ہی حالت ہمارے ناخن اور لبوں کی ہونی چاہئے۔ غرض ہمارا ظاہر بالکل مشابہ ہونا چاہئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر کے کہ بس صورت دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ غلام ہے ایسے آقا کا۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید الہ آباد کے رہنے والے تھے میں الہ آباد گیا ہوا تھا وعظ کے اندر دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے شخص ڈاڑھی منڈی ہوئی خوب گورے چٹے گوٹہ ٹھپے کے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں جاڑے کے دن تھے رضائی جو اوڑھے ہوئے تھے اس پر بھی گوٹہ اور چمک لگی ہوئی تھی۔ وعظ کے بعد میرے پاس آکر بڑی محبت سے بولے کہ مولوی منہ کھول دے میں نے دل میں کہا کہ جب یہ ایسی محبت سے کہہ رہا ہے تو لاؤ منہ کھول دو میرا کیا بگڑتا ہے کوئی تھوک تو دیگا نہیں۔ غرض میں نے اپنا منہ کھول دیا اس نے فوراً ہی ایک لڈو میرے منہ میں رکھ دیا۔ میں نے کھا لیا کہ خدا کی نعمت ہے کسی کے ہاتھ سے دلوائیں۔ میں نے پوچھا تم کون ہو۔ یہ سنتے ہی اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ تھا صاحب محبت غلطی میں مبتلا تھا۔ مکار نہ تھا دوکاندار نہ تھا۔ زار زار آنسو بہہ رہے تھے وہ خود ہی شرمندہ تھا اپنی اس حالت پر رو کر کہا اس نالائق کو بندۂ امداد اللہ کہتے ہیں مجھ کو بھی رحم آگیا۔ آخر پیر بھائی کا خیال ہوتا ہے اور نہ بھی ہوتا پیر بھائی تو کیا تھا۔ جو شرارت اور سرکشی نہ کرے اور اپنے آپ کو خطا وار سمجھے اس پر رحم ہی آتا ہے البتہ شرارت کرنے والے پر غصہ آتا ہے خیر میں نے ان سے بات چیت کی اور مناسب تسلی دی۔ اس وقت تو ان سے مفصل گفتگو کرنے کا موقع

ملا نہیں اتفاق سے ایک مرتبہ میں گنگوہ گیا ہوا تھا وہ بھی وہاں چلتے پھرتے آگئے میری جو خبر سُنی تو اطلاع کرکے مع ایک مجمع عظیم کے میرے پاس پہونچے اور آتے ہی پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا۔ میں نے ہار تو ہاتھ میں لے لیا اور انبساط کے لئے پوچھا یہ کیسے ہیں۔

کہا ہم ایک باغ میں گئے تھے۔ عوام الناس ایسوں کے بڑے معتقد ہوتے ہیں سمجھتے ہیں کہ قطب الاقطاب ہیں ارے قطب الاقطاب ہوتے تو ڈاڑھی کہاں جاتی مگر انکے نزدیک تو ڈاڑھی کا نہ ہونا ہی دلیل قطبیت ہے اگر یہ بات ہے تو پھر سارا چین اور جاپان بس اقطاب اور اغواث ہی سے بھرا پڑا ہے کیونکہ وہاں قدرتی طور پر کسی کے ڈاڑھی مونچھ نکلتی ہی نہیں غرض ایسوں کو برکت کے لئے کوئی باغ میں لے جاتا ہے کوئی کھیتوں پر لے جاتا ہے۔ ان حضرت کو بھی کوئی اپنے باغ میں لے گیا ہوگا۔

غرض انھوں نے کہا کہ ایک باغ میں گئے تھے باغ والے نے پھول دیدیئے تھے۔ سو کچھ تو حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چڑھائے جی چاہا کہ کچھ تمہیں بھی دیدیں۔ کیونکہ وہ پیارے تھے مُردوں میں۔ تم پیارے ہو زندوں میں۔ اپنے پیاروں کو اچھی چیز دیا ہی کرتے ہیں۔ یہ انھوں نے تقریر کی۔ بڑا مجمع تھا۔

میں نے کہا شاہ صاحب یہ پھول جو آپنے شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں آپ کے نزدیک تو بڑی چیز ہیں لیکن ایک مثال فرض کرو اگر کوئی شخص ہو جو سو روپیہ تولہ کا عطر سونگھنے والا ہو اور تم چار آنے تولہ کا بہت ہی گھٹیا اور چکٹا ہوا لے جاؤ اور جاکر اس کی ناک میں دیدو تو کیسا۔ کیا یہ بدتمیزی رسانی نہیں ہے۔ کہا بے شک۔ میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ حضرت

شیخ تمہارے نزدیک شمائم و روائح جنت سے مشرف ہیں یا محروم ہیں۔ کہنے لگے معاذ اللہ کون کہہ سکتا ہے کہ محروم ہیں۔ میں نے کہا تو بس یہ جو پھول تم نے حضرت شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں دو حال سے خالی نہیں یا تو انکی خوشبو پہونچتی ہے یا نہیں پہونچتی ہے۔ اگر نہیں پہونچتی ہے تو پھول چڑھانا بیکار اور اگر پہونچتی ہے تو ان جنت کے پھولوں کے مقابلہ میں جو حضرت شیخ کو حاصل ہیں تمہارے دنیا کے پھول سو روپیہ تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا چکٹا ہوا عطر ہے یا نہیں کہا بے شک میں نے کہا تو بس یہ تو وہی مثال ہوئی کہ سو روپیہ تولہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ تولہ کا سڑا ہوا عطر دیدیا تم نے پھول چڑھا کر حضرت شیخ کی روح کو تکلیف پہونچائی۔ کہنے لگے میں توبہ کرتا ہوں یہ مسئلہ آج سمجھ میں آیا ہے اب کبھی کسی مزار پر پھول نہ چڑھاؤں گا میری توبہ ہے اس کے بعد ہم لوگ نماز کے لئے مسجد میں گئے لوگ وضو کرنے لگے اور وہ ایک طرف بیٹھ گئے۔

میں ان کے پاس جا بیٹھا اور آہستہ سے کہا کہ تم میرے پیر بھائی ہو اس لئے تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ تمہیں حضرت حاجی صاحب سے محبت ہے یا نہیں۔

بس رونے لگے کہا میں تو عاشق ہوں۔

میں نے کہا پھر عاشق ہو کر کیوں اپنے محبوب کی مخالفت کرتے ہو۔ کیا حضرت حاجی صاحب کی ایسی ہی ڈاڑھی تھی۔ کہا میں توبہ کرتا ہوں میں اب کبھی ڈاڑھی نہیں منڈاؤں گا صاحب انھوں نے ڈاڑھی منڈانے سے بھی توبہ کرلی میں اس شبہ میں رہا کہ کہیں منہ دیکھے کی توبہ تو نہیں ہے۔ مگر پھر جو میرا الہ آباد جانا ہوا تو رستہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص خوب

مقطع ڈاڑھی لئے ہوئے سامنے سے چلے آرہے ہیں میں نے پہچانا بھی نہیں۔ ایک شخص نے بتایا کہ یہ فلانے ہیں تب تو میں بہت خوش ہوا اور بغلگیر ہوکر ملا تو ان کی اصلاح اسی اصول سے کی گئی کہ جب تمہاری صورت حضرت حاجی صاحب جیسی نہیں پھر تم ان کے عاشق کیا ہوئے۔

تو قلندری کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنا ظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر کے خلاف رکھے نہ بزرگوں کے کلام میں کہیں اس کے یہ معنی منقول ہیں محض لغو اصطلاح ہے اور اس غلط اصطلاح کے ہونے سے ایک اور خرابی ہوگئی وہ یہ کہ جن بزرگان دین کا جن میں علماء بھی تھے قلندر لقب ہوگیا چنانچہ حضرت قلندر صاحب صاحب مزار بھی عالم تھے عوام ان کی نسبت اس لفظ کو سنکر یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ حضرت بھی ایسے ہی ہونگے کہ نہ ڈاڑھی نہ مونچھ نہ نماز نہ روزہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حاشا وکلا یہ حضرت نہایت متبع سنت اور پابند شریعت تھے اور کوئی بزرگ بھی ایسے نہیں ہوئے جنھوں نے اتباع سنت نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر غلبہ حال سے کبھی اتباع میں کچھ کمی بیشی ہوگئی ہے تو اپنی اس حالت کو ناقص سمجھا ہے اور کبھی اس پر اصرار نہیں کیا نہ کہ نعوذ باللہ اس کو قصداً اختیار کرتے۔ غرض یہ بالکل تہمت ہے کہ بعض بزرگوں کا طریق خلاف شریعت بھی رہا ہے سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کُلُّ مَارَدَّتْہُ الشَّرِیْعَۃُ فَھِیَ زَنْدَقَۃٌ یعنی جس حال یا جس مقال کو شریعت رد کرے وہ بالکل الحاد اور زندقہ ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں۔ بر ہوا پری مگسے باشی بر آب روی خسے باشی دل بدست آر کہ کسے باشی۔ اگر بزور کرامت،

ہوا پر بھی اڑوگے تو کیا ہے گویا مکھی ہوجاؤگے کہ وہ بھی تو ہوا میں بلا تکلف اُڑتی ہے پانی پر چلوگے تو یوں سمجھو کہ ایک تنکا ہوگئے کیونکہ وہ بھی تو پانی کی سطح پر بہتا ہوا جاتا ہے ہاں اپنے دل کو قابو میں کرو تب انسان بنوگے اور اسی قسم کے بہت سے اقوال ہیں میری کتاب تعلیم الدین میں جمع ہیں اس میں دیکھ لیجئے۔

حضرت جنیدؒ سے کسی نے کہا کہ ایک قوم ہے جو یہ کہتی ہے:۔ نَحْنُ وَصَلْنَا فَلَا حَاجَۃَ لَنَا اِلَی الصَّلٰوۃِ وَالصِّیَامِ ہم واصل ہوگئے ہیں لہٰذا ہمیں حاجت نہیں رہی نماز کی اور نہ روزہ کی حضرت جنیدؒ نے اس کے جواب میں فرمایا صَدَقُوْا فِی الْوُصُوْلِ وَلٰکِنْ اِلٰی سَقَرَ یہ تو وہ سچ کہتے ہیں کہ واصل ہوگئے ہیں لیکن جہنم واصل ہوئے ہیں خدا واصل نہیں ہوئے۔ پھر ارشاد فرمایا وَلَوْ عِشْتُ اَلْفَ عَامٍ لَّمَا تَرَکْتُ مِنْ اَوْرَادِیْ شَیْئًا اِلَّا بِعُذْرٍ شَرْعِیٍّ یعنی اگر ہزار برس بھی زندہ رہوں تب بھی نماز تو بڑی چیز ہے کیونکہ فرض ہے وظیفے جو مستحب ہیں بلکہ بعض مستحب کے درجہ میں بھی نہیں یہ بھی کبھی نہ چھوڑوں الا بعذر شرعی۔ ہاں کوئی عذر شرعی لاحق ہوجاوے تو مجبوری ہے ورنہ کوئی وظیفہ تک بھی کبھی نہ چھوڑوں چنانچہ حضرت جنیدؒ اخیر عمر تک ہاتھ میں تسبیح رکھتے تھے۔ دیکھئے وظیفہ تو وظیفہ تسبیح رکھنا تک بھی عمر بھر نہ چھوڑا حالانکہ تسبیح کا رکھنا نہ سنت نہ مستحب کچھ بھی نہیں نہ موقوف علیہ کسی وظیفہ کا نہ کسی وظیفہ کے لئے شرط نہ منتہی ہوجانے کے بعد حضرت جنیدؒ کو اس کی حاجت باقی رہی تھی کیونکہ مبتدی کے لئے تو خیر وہ آلہ تذکر بھی ہوسکتی ہے منتہی تو تذکر میں راسخ ہوجاتا ہے اسی لئے منتہی کی شان میں لکھا گیا ہے۔ خلوت و چلہ بر ولازم نماند مگر

اس پر بھی حضرت جنیدؒ نے اس اپنی ابتدا کی حالت کو بھی نہ چھوڑا کسی نے عرض بھی کیا کہ حضرت اب تو آپ منتہی اور واصل کامل ہو چکے اب آپ کو ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لئے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔

فرمایا ارے اس تسبیح ہی نے تو مجھے واصل بنایا ہے اور اس درجہ تک پہونچایا ہے پھر کیا اب اِس رفیق کو چھوڑ دوں اسی کی بدولت تو یہاں تک پہونچے کیا اسی کو رخصت کر دوں اسی نے تو محبوب تک پہونچایا ہے تو پھر یہ بڑی ناشکری ہے کہ آج اس کو جواب دوں۔ اللہ اکبر کیسے تھے یہ حضرات جناب یہ ائمہ طریق ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ناواقف تھے یا خشک مُلّا تھے یہ لوگ بڑے بڑے عارف کامل اور عاقل گذرے ہیں ان کے یہ اقوال و افعال ہیں۔

حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک شخص دس برس رہا چلتے وقت عرض کیا کہ حضرت میں نے اتنی مدت خدمت میں قیام کیا لیکن کبھی کوئی کرامت آپ کی نہیں دیکھی، میں نے سُنا تھا کہ آپ بہت بڑے کامل ہیں اسی لئے خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ کچھ فیض حاصل کروں گا مگر اتنی مدت قیام کو گذر گئی کوئی کرامت آپ سے کبھی صادر نہ ہوئی۔ یہ سُنکر آپ کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ جوش میں آکر فرمایا کہ اچھا یہ بتلا جنید سے تو نے اس عرصہ میں کوئی فعل سنت کے خلاف ہوتے بھی کبھی دیکھا ہے اس نے کہا نہیں یہ بات تو نہیں دیکھی اس پر آپ نے جوش میں آکر فرمایا کہ ارے پھر اس سے بڑھ کر جنید کی اور کیا کرامت ہوگی کہ اس نے دس برس تک اپنے خدا کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہوگی جو تو جنید کی دیکھنا چاہتا ہے۔

واقعی اس سے بڑھ کر کیا کوئی کرامت ہو سکتی ہے حقیقی کرامت تو یہ ہی ہے بڑی کرامت تو استقامت ہے اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور صراط اہل الکرامات نہیں فرمایا خوب سمجھ لو شریعت کا اتباع کسی حال میں متروک نہیں سب بزرگوں کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ طریق چشتیہ کے کتنے بڑے شیخ اور صاحب حال وقال درویش ہیں۔ اُنھیں کے مکتوبات کو دیکھ لو کوئی مکتوب اتباع شرع کی تاکید اور ترغیب سے خالی نہیں۔ غرض یہ طریقہ تھا بزرگوں کا تو یہ معنی قلندر کے بالکل گھڑے ہوئے ہیں کہ نہ نماز ہو نہ روزہ نہ ڈاڑھی ہو نہ مونچھ غرض دراصل صرف دو اصطلاح صحیح ہیں جن کی حقیقت کی تفصیل میں پہلے عرض کر چکا ہوں ایک کتابی اصطلاح ہے ایک زبانی۔ ایک کتاب میں ہے اور ایک اگرچہ کتاب میں نہیں لیکن مستند حضرات کی زبان پر ہے چنانچہ حضرت عراقی نے بھی اپنے شعر میں اس دوسری ہی اصطلاح کو لیا ہے اس اصطلاح میں خلاصہ طریق قلندر کا یہ ہے کہ وہ جامع ہوتا ہے اعمال اور محبت کا عمل اور محبت کے تفاوت کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کا بدون بھاپ کے ٹھیلنے سے چلنا اور جیسے بھاپ سے چلنا اگر انجن میں بھاپ نہیں ہے تو ریل ڈھکیلنے سے بھی چلے گی تو ضرور مگر کتنی زیادہ سے زیادہ دو، چار، چھ یا آٹھ میل اور وہ بھی بمشکل اور اگر انجن میں بھاپ ہے تو بس چھوٹتے ہی اُڑ گیا ساری گاڑیوں کو لے کر ہوا کی طرح۔ ولایتی ڈاک کی رفتار نہیں دیکھی آخر اس میں کیا چیز زیادہ ہے اس میں اور ایک ٹھیلہ گاڑی میں جس کو مزدور چلاتے ہیں

کیا فرق ہے۔

بس یہ فرق ہے کہ ایک میں بھاپ ہے اور ایک میں بھاپ نہیں ورنہ پہیئے مشین گاڑیاں سب چیزیں ویسی ہی ہیں مگر فرق کیا ہے دونوں میں صرف بھاپ کا فرق ہے اگر ولایتی ڈاک میں بھی بھاپ نہ رہے تو وہ بھی ٹھیلہ ہے۔ تو عمل مثل گاڑی کے ہے اور محبت گویا بھاپ ہے جو بمنزلہ گاڑی کی روح ہے تو اصل چیز ریل میں بھاپ ہی ہوتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پہیئے توڑ کر رکھ دو۔ اگر کہیں پہیئے توڑ کر رکھ دیئے تو بھاپ کا نہ ہونا تو خیر اتنا مضر بھی نہیں لیکن ایسی حالت میں بھاپ کا ہونا ہی بس غضب ہے۔ دیکھو ریل کبھی پٹڑی پر سے اُترتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہاتھوں سے ٹھیلتے ہوئے لئے جا رہے ہیں زور کی آندھی آئی یا کوئی اور سبب ہو گیا کہ پہیئے لین سے اُتر گئے اب چونکہ اس وقت وہ بھاپ کے زور سے نہیں چل رہی ہے اس لئے لین سے بھی اُترے گی تو زمین کے اوپر ہی چلنے لگے گی اگر زمین سخت ہوئی ورنہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ کھڑی ہو رہے گی اور اگر کہیں خدانخواستہ ایسا ہوا کہ بھاپ کے زور میں اڑی چلی جا رہی تھی کہ پہیہ لین سے اُتر گیا تو بھاپ کی یہ برکت ہوئی کہ پہیئے زمین کے اندر گھس گئے پرزے پرزے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ڈرائیور اور سواریاں سب ہلاک ہو گئیں ایک قیامت برپا ہو گئی تو بس بھاپ موجود ہونے کی صورت میں اگر یہ لین پر رہی تب تو یہ مسافت کو نہایت سہولت اور امن و عافیت اور تیزی کے ساتھ قطع کرتی رہے گی اور اگر کہیں لین کو چھوڑ دیا تو واللہ قیامت برپا ہو جاوے گی۔ مشین کا بھی، گاڑیوں کا بھی، چلانے والے کا بھی، مسافروں کا بھی سب کا تہس نہس

ہو جاویگا۔ تو اس مثال میں گویا تین حالتیں ہوئیں ایک تو یہ کہ بھاپ نہیں ہے لیکن لین پر ہے اس صورت میں رفتار ضرور آہستہ ہو گی لیکن خیر کوئی خطرہ بھی نہیں۔ دوسری حالت یہ ہے کہ بھاپ تو اس میں ہے لیکن لین پر نہیں ہے یہ بس قیامت کا سامنا ہے اور ایک حالت نورٌ علیٰ نور وہ یہ ہے کہ بھاپ بھی ہو اور لین پر بھی ہو سبحان اللہ یہ ہے البتہ لطف،

تو اے صاحبو! جس نے اپنی ریل میں بھاپ تو پیدا کر لی لیکن اسکو لین پر سے اُتار دیا واللہ وہ نہایت خطرناک حالت میں ہے اور وہ بھاپ کیا ہے وہ بھاپ ہے محبّت جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور لین کیا ہے لین ہے صراط مستقیم شریعت کی یعنی جس نے محبت تو پیدا کر لی لیکن اعمال شریعت کو رخصت کر دیا وہ قطع طریق تو کیا کرتا الٹا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت باطنی میں ڈال دیا اور جس نے محبت تو پیدا نہیں کی لیکن عمل شریعت پر کرتا رہا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بلا بھاپ کی ریل کہ ٹھیل رہے ہیں اول تو رفتار نہایت سُست پھر جہاں ٹھیلنا چھوڑ دیا بس رک گئی اس لئے یہ بھی کچھ نہیں۔

اے صاحب! عمل کو اور محبت کو دونوں کو جمع کر لو یہ البتہ ہو گی وہ ریل جس میں بھاپ بھی ہے پہیئے بھی ہیں اور لین پر بھی ہے۔ پھر دیکھو کیسی جلدی مُسافت قطع ہوتی ہے۔ تو میں نے ریل کی مثال میں جو یہ کہا تھا کہ بھاپ اصل چیز ہے اس کے یہ معنی نہ تھے کہ پہیوں کی ضرورت نہیں رہی، اسی طرح محبت کو جو میں نے کہا ہے کہ اصل چیز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط محبّت کافی ہے عمل کی حاجت نہیں بلکہ بھاپ کے اصل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہیوں کی تیزی کا ذریعہ یہی ہے بغیر اسکے

رفتار میں تیزی ممکن ہی نہیں لیکن اگر سرے سے پہیئے ہی ندارد ہوں تو نری بھاپ کیا کر سکتی ہے سوائے اس کے کہ دہیں کے دہیں سی سی بھک بھک ہوتی رہے اسی لئے جس میں محض جوش و خروش ہے اس میں سوائے اس کے کہ حق حق اور اِلَّا اللہ اِلَّا اللہ کے نعرے لگا لئے اور بھی کچھ ہے نفع کیا اس سے غل شور تو بہت مگر ہیں وہیں جہاں پہلے تھے تو نفع کیا اس جوش خروش سے یہ جوش و خروش تو ایسا ہی ہے جیسا اس ریل کا جس کے انجن میں آگ بھی دہک رہی ہے بھاپ بھی بھری ہوئی ہے مگر کسر ہے تو کیا کہ پہیئے ٹوٹ گئے ہیں تو وہ بیچاری سوائے اس کے کہ کھڑی دھواں دیئے جاوے اور "ٹیں ٹاں ٹیں ٹاں" کئے جاوے اور کیا کر سکتی ہے۔ جہاں صبح تھیں حضرت وہیں شام اور جو گاڑی بھاپ کی چلی جا رہی ہے اس میں غل شور تو بہت نہیں مگر راستہ آناً فاناً قطع ہو رہا ہے۔ کاش جس گاڑی میں بھاپ تھی پہیئے بھی درست ہوتے اور لین پر بھی ہوتی تب لطف تھا کہ ایک ساتھ کلکتہ جا کر دم لیتی اور اور اب تو نری بھاپ بالکل بیکار ہے۔ تو محبت کو جو میں نے اصل کہا ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ اعمال کی تکمیل کا بلکہ خود اعمال کا بھی ذریعہ ہے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ بدون محبت کے اعمال کا صدور بھی ممکن نہیں حتیٰ کہ محبت ضعیف یعنی محبت کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں۔ اور یہ مسلم مسئلہ فلسفہ کا ہے کہ بلا ارادہ کے کوئی عمل وجود میں آ ہی نہیں سکتا ہر عمل کے لئے صدور سے قبل ارادہ کا متعلق ہونا شرط ہے تو محبت کا ادنیٰ درجہ ارادہ ہوا مثلاً ہم نے جب چاہا اور ارادہ کیا تو محبت ضعیف متحقق ہو گئی کیونکہ چاہنے ہی کو تو محبت کہتے ہیں گو تڑپ نہ ہو یہ تو ادنیٰ درجہ کی محبت ہوئی جس کے بدون ادنیٰ درجہ کا عمل بھی صادر نہیں ہو سکتا۔ اور اعلیٰ

درجہ کی محبت یہ ہے کہ ؎

تو درو گم شو وصال این ست وبس ‏ ‏ ‏ ‏ گم شدن گم کن کمال این ست وبس

ترجمہ: تو اس میں فنا ہو جا یہی وصال کافی ہے ــــ اپنا گم ہو جانا بھول جا انتہائی کمال یہ ہے

ہائے کیا اچھا مضمون ہے ؎

تو درو گم شو وصال ایں ست وبس ‏ ‏ ‏ ‏ گم شدن گم کن کمال ایں ست وبس

گویا فنا کا درجہ جس کو کہتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ ہے محبت کا یعنی تمام تعلقات غیر اللہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ کوئی نہ معبود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اور نہ مقصود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

(ترجمہ:۔ تو نیک کام کرتا رہ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کر) کا اور نہ سالک کے نظر میں موجود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط

(سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز ذات پروردگار کے) کا جب اسم فاعل کو معنی حال پر محمول کیا جاوے کما ہو احد الوجوہ فی التفسیر پس اوّل ادنیٰ درجہ کی محبت پیدا ہوئی اس سے عمل ادنیٰ درجہ کا ہوتا ہے پھر اس عمل کی برکت سے محبت کا اس سے قوی درجہ پیدا ہوتا ہے پھر اس سے پہلے درجہ سے قوی عمل پیدا ہوتا ہے اسی طرح سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے تو ترتیب یوں ہوئی کہ اوّل محبت ضعیف سی ہوتی ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اس سے ایک عمل پیدا ہوا اور اس کے ساتھ اور بھی مؤیدات کو مدد کے لئے جمع کر لیا تو اس محبت میں اب ترقی ہوئی اس عمل کی برکت سے پھر اسی محبت زائد سے جو عمل پیدا ہوا اس سے اور محبت زیادہ پیدا ہوئی کہ

اس محبت سے اور عمل پیدا ہوا پھر اس عمل کی اور برکت ہوئی پھر اس سے اور عمل پیدا ہوا خلاصہ یہ کہ دونوں میں یہ ترتیب رہتی ہے کہ اول محبت ضعیف پھر عمل ضعیف پھر محبت زائدہ پھر عمل زائد پھر اور محبت زائد پھر اور عمل زائد۔ غرض ساری عمر یہ دونوں سلسلے چلتے رہتے ہیں کہ ہر عمل سے محبت اور ہر مزید محبت سے مزید عمل غرض نہ اس سے استغنا نہ اُس سے ان میں سے اگر ایک چیز بھی کم ہوگئی تو بس سارا سلسلہ منقطع تو حضرت یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے کہ محبت پھر عمل پھر محبت پھر عمل و علیٰ ہذا۔ نہ اس سے کبھی فارغ نہ اس سے کبھی مستغنی یہ ہے گویا حاصل اس طریق جامع۔ بین المحبّت والعمل کا جس کو حضرت عراقی نے اپنے شعر میں طریق قلندر سے تعبیر کیا ہے۔

غرض ذہن میں یہ مضمون آیا تھا جو حضرت عراقی کے اس شعر میں مذکور ہے جس کو میں نے اس وقت بیان کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ کیا کوئی آیت بھی اس مضمون کی ہے سو الحمدللہ قرآن کی یہ آیت ذہن میں آگئی جس میں یہی مضمون موجود ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ تصوّف کے اصول صحیحہ قرآن وحدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوّف قرآن حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط سمجھے خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوّف کوئی چیز نہیں یہ سب واہیات ہے۔ میاں بس نماز، روزہ قرآن حدیث سے ثابت اسی کو کرنا چاہیئے یہ تصوّف صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوّف سے

خالی ہیں اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں تصوّف علم باطن ہے ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن حدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن حدیث کو تصوّف سے خالی سمجھتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوّف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن وحدیث کو جنھوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ قرآن وحدیث تو محض ظاہری انتظام کی چیزیں ہیں درویشی کا ان سے کیا علاقہ میاں درویشی تو چیز ہی اور ہے جو باطن سے تعلق رکھتی ہے۔

اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو۔ خدا سے ڈرو اس کے متعلق میری ایک مستقل کتاب بھی ہے اول تو الحمدللہ یہ بات کہ قرآن وحدیث سارا لبریز ہے تصوّف سے ہر تصنیف سے ظاہر ہے۔ لیکن میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں ایک تو حقیقت الطریقت جو مدّت ہوئی مکمل ہو کر شائع ہو چکی ہے جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔ اب ایک رسالہ مستقل اور بھی آج کل لکھ رہا ہوں جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن سے بھی ثابت ہیں۔ پاؤ قرآن یعنی آٹھ پارہ تو ہوگئے ہیں بائیس پارے اور باقی ہیں خدا مدد فرمائے۔ یہ رسالہ دراصل عربی میں ہے پھر خیال ہوا کہ ساتھ ساتھ اردو میں بھی ترجمہ ہوتا جائے تو اچھا ہے۔ چنانچہ ہو رہا ہے اور وہ جو رسالہ ہے حقیقت الطریقت وہ تو اصل ہی سے اردو میں ہے تو ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن وحدیث لبریز ہے تصوف سے اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن وحدیث میں نہ ہو۔ غرض جتنے صحیح اور مقصود

مسائل تصوّف کے ہیں وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ کوئی آیت شاید خالی ہو جس میں ایک آدھ مسئلہ تصوف کا مذکور نہ ہو چنانچہ اسی آیت کو دیکھئے جو اس وقت تلاوت کی گئی ہے اس میں بھی تصوف موجود ہے فرماتے ہیں[1] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ (الیٰ اٰخر الاٰیات) حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے دین کے محفوظ ہونے کی خبر دے رہے ہیں۔ کوئی یہ ناز نہ کرے کہ دین کا کام ہماری وجہ سے چل رہا ہے اے ایمان والو اگر تم میں سے کوئی نعوذ باللہ دین سے پھر جاوے تو سرکاری کام بند نہ ہوگا چاہے سارے ٹھیکیدار اور مزدور استعفا دیدیں جیسے دنیا میں سارے عملے والے دفتر کا کام چھوڑ دیں تو حکام کو عین وقت پر پریشانی اور تشویش ضرور ہوتی ہے اس واسطے کہ جب عملے والے سب مخالف ہو گئے تو اب کام کس سے لیں اسی طرح شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ اگر نعوذ باللہ سب کے سب مسلمان مرتد ہو جائیں تو شاید اللہ میاں کو سوچ ہو جیسے آج ہی میں ایک حکایت بیان کر رہا تھا کہ ایک نابینا حافظ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے تین مقتدی اور ایک امام۔ امام صاحب کا وضو ٹوٹا انھوں نے مجھے خلیفہ بنایا اور خود وضو کرنے چلے گئے اب ایک امام دو مقتدی رہ گئے۔ مقتدیوں میں سے ایک نے دوسرے سے نماز کے اندر ہی چپکے سے پوچھا کہ ارے یہ کیا ہوا بیچارہ نے استخلاف امام کا مسئلہ کبھی سُنا نہ تھا دوسرا نصیحت کرتا ہے کہ ارے چپ رہ یوں بھی ہوا کرے ہے (ہوا کرتا ہے) یہ بڑے بوجھ بجکڑ تھے اب امام صاحب کی سُنیئے جو خلیفہ بنائے جانے کے لائق سمجھے گئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں ارے اب میں کسے نماز پڑھاؤں یہ دو ہی

[1] اس آیت کریمہ کا ترجمہ خطبہ ماثورہ میں گذر چکا۔

تو مقتدی تھے اور ان دونوں کی نماز بولنے سے فاسد ہوگئی غرض اس نے بھی اپنی نماز تباہ کی تو دیکھئے ذرا سی بات میں سب کی نماز رخصت ہوگئی یہاں نماز تو ایسی ہے کہ جب مقتدی نہ رہیں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اب میں کسے نماز پڑھاؤں۔ اسی طرح اگر کسی بادشاہ سے ساری رعایا باغی ہو جائے تو اب وہ کس پر سلطنت کرے یہاں کے حکام تو ایسے ہیں کہ رعایا نے ہڑتال کر دی تو بس ان کی حکومت ندارد۔

اللہ میاں کو بھی شاید کوئی نعوذ باللہ ایسا ہی سمجھ جاتا سو اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں یہ قصہ نہیں دین سے پھر کر دیکھ لو۔ سب ایک دم سے باغی ہو جاؤ۔ اوّل تو تمہارے پھر جانے سے ہمارا کوئی کام اٹکتا نہیں اور واقعی اللہ میاں کا ہمارے ایمان اور نماز روزہ سے کیا نفع مگر خیر جیسا بھی کچھ کام ہو رہا ہے گو وہ بندوں ہی کی مصلحت کے لئے ہو رہا ہے سو اس کے متعلق بھی خداوند تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ فرماتے ہیں کہ کسی کے مرتد ہونے سے وہ بھی نہیں رک سکتا یہی حاصل ہے اس آیت کا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ اے ایمان والو تم میں سے جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جاوے فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ نزدیک ہے یعنی بہت جلد ایسی قوم کو اللہ میاں پیدا فرما دیں گے جس کی ایسی شان ہوگی کہ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ وہ اللہ میاں کو دوست رکھیں گے اور اللہ میاں ان کو دوست رکھیں گے۔ دیکھئے سوف کے ساتھ فرماتے ہیں جو تقریب کے لئے آتا ہے یعنی فوراً۔ اور واقعی انھیں کیا ضرورت ہے کسی انتظام یا اہتمام کی ایک لفظ کن سے مولوی، شیخ، غوث۔ ابدال، قطب جو چاہیں بنا دیں اور جس کو چاہیں بنا دیں۔

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت غوث اعظمؒ کی ایک حکایت لکھی ہے ان کے خادم کی روایت ہے کہ ایک بار اخیر شب میں حضرت اُٹھے خادم کہتے ہیں کہ میں سمجھا نماز تہجد کی تیاری کریں گے چنانچہ میں بھی اُٹھا تاکہ حضرت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے ویسے حضرت کو اپنے اُٹھنے کی اِطلاع نہ ہونے دی واقعی بزرگوں کی خدمت ہے بڑی مشکل انھوں نے جو کیا ٹھیک کیا اطلاع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کوئی احسان جتلانا تھوڑا ہی تھا۔ اب تو اگر کوئی خدمت کرتے ہیں تو جتلا کر کرتے ہیں حالانکہ ادب کی بات یہ ہے کہ خیال اور نگرانی تو رکھے مگر خواہ مخواہ جا کر مزاحمت نہ کرے اور تنہائی میں مخل نہ ہو، خصوصاً اخیر رات میں تو بزرگ یہ چاہتے ہیں کہ نہ کوئی وضو کے لئے پانی لا کر دے نہ استنجے کا ڈھیلہ لا کر دے بلکہ اس وقت تو یہ جی چاہتا ہے کہ کوئی سامنے بھی نہ آئے اپنے ہاتھ سے سب کام کریں کیونکہ وہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے ؎

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے　　کہ یارے برخورد از وصل یارے

ترجمہ:- کیا اچھا وقت اور کیا اچھا زمانہ ہے کہ کوئی محب اپنے محبوب کے وصال سے لطف اندوز ہو۔

پس اس وقت یہ جی چاہتا ہے کہ بالکل تنہائی کا عالم ہو بلکہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے وجود کو بھی جی چاہتا ہے کہ یہ بھی نہ رہے۔ خود اپنا وجود بھی حجاب معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت قلندرؒ جو اس موقع کے صاحبِ مزار ہیں اسی مضمون کو اپنے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم

یعنی اپنی آنکھ پر غصہ ہے یہ کیوں دیکھتی ہے میں ہی تجھے دیکھتا اور ؎

گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

میں ہی تیرا کلام سنتا یہ کان کیوں سنیں۔ واقعی صاحب یہی حالت ہوتی ہے حضرت عارف شیرازیؒ بھی اس مضمون کو اس طرح فرماتے ہیں اور وہ تو قسم کھا رہے ہیں ؎

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود
کہ نظر دریغ باشد بہ چنیں لطیف روئے

ترجمہ:- خدا کی قسم اپنی دونوں روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ایسے حسین سے میری نظر بھی دور ہی رہتی۔

آنکھ پر بھی رشک آتا ہے سو وہ تو وقت ہی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی مٹانے کو جی چاہتا ہے اور اگر کوئی اپنا خادم خاص بھی اس وقت پاس کھڑا ہو تو وہ بھی پسند نہیں آتا اسی واسطے مؤدب خدّام یہ کرتے ہیں کہ پاس کو تو لگے رہے لیکن اس طرح کہ اپنی موجودگی کی خبر نہ ہونے دی لیکن جب دیکھا کہ کوئی کام مخدوم کے قابو کا نہیں ہے فوراً حاضر ہو کر شریک ہو گئے اور بعد فراغت پھر غائب چنانچہ اس خادم نے بھی ایسا ہی کیا کہ خفیہ طور پر حضرت غوث پاکؒ کے پیچھے پیچھے لگا رہا اِدھر حضرت نے کچھ توجہ بھی نہیں کی کہ میرے ساتھ کوئی اور شخص تو نہیں ہے۔ غرض حضرت اُٹھ کر خانقاہ سے نکل سیدھے شہر پناہ کے پھاٹک پر پہونچے حضرت شیخ کی برکت اور کرامت سے شہر پناہ کا قفل خود بخود کھل کر گر گیا حضرت کواڑ کھول کر شہر کے باہر ہو گئے۔ چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک بڑا بھاری شہر نظر پڑا۔ حالانکہ بغداد کے قریب کوئی اتنا بڑا شہر کہاں۔

اب خادم کو بڑی حیرت کہ یا اللہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں لیکن بولے نہیں

چپ چاپ ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ اس شہر کے اندر داخل ہوکر ایک مقام پر پہونچے۔ وہاں ایک مکان تھا اس کے اندر داخل ہوئے اس میں چند آدمیوں کا ایک مختصر سا مجمع تھا اور ایک مسند پر تکیہ لگا ہوا تھا جیسے کسی کی آمد کا انتظار رہا ہو حضرت شیخ کو دیکھتے ہی وہ لوگ تعظیم کے لئے اُٹھے اور حضرت کو مسند پر بٹھایا پھر اشاروں سے کچھ عرض معروض کی جس کو حضرت ہی سمجھے خادم کی سمجھ میں نہ آیا اس کے بعد ایک طرف سے آواز کراہنے کی آئی آہ آہ پھر تھوڑی دیر بعد وہ آواز بند ہوگئی پھر کچھ دیر بعد ایسی آواز آنے لگی جیسے پانی ڈالنے کی ہوتی ہے پھر وہ بند ہوگئی پھر تھوڑی دیر بعد ایک حجرہ کھلا اور اس کے اندر سے ایک جنازہ نکلا جس کے ہمراہ چند آدمی تھے ان میں ایک بوڑھے نورانی شکل کے بزرگ بھی تھے حضرت شیخ کے سامنے جنازہ رکھا گیا حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر وہ لوگ جنازہ کو لے گئے ادھر یہ لوگ جنھوں نے حضرت شیخ کا استقبال کیا تھا پھر آکر سب حضرت کے گرد بیٹھ گئے اور اسی طرح اشاروں میں دوبارہ پھر کچھ عرض کیا اس پر حضرت شیخ اسی وقت گردن جھکا کر مراقب ہوئے تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک زنار دار شخص عیسائی لباس پہنے ہوئے حاضر ہوا آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کا زنار توڑا اور کلمہ شریف پڑھا کر اس کو مسلمان کیا پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ یہ ہے۔ پھر حضرت اس جگہ سے اپنے مکان پر لوٹ آئے۔ خادم کو اسی ادھیڑ بن میں اور حیرت میں صبح ہوگئی کہ اے اللہ یہ کیا قصہ ہے۔ یہ حضرت کی خدمت میں کچھ سبق بھی پڑھتے تھے کیونکہ پہلے درویش اکثر عالم بھی ہوتے تھے تو چونکہ یہ خادم محض مرید نہ تھے بلکہ شاگرد بھی تھے اِس لئے دل کھلا ہوا تھا کیونکہ یہ علاقہ شاگردی

استادی کا بے تکلفی کا ہوتا ہے برخلاف پیری مریدی کے تعلق کے کہ اس میں اتنی بے تکلفی نہیں ہوتی چنانچہ انھوں نے رات کے واقعہ کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا مجھے اس قدر حیرت ہے کہ میرے حواس درست نہیں۔

فرمایا کہ وہ شہر موصل تھا جو بغداد سے بہت دور ہے لیکن حق تعالےٰ نے میرے لئے اسے بالکل قریب کر دیا اور طے ارض ہو گیا اور وہ مجمع جنھوں نے میرا استقبال کیا ابدال تھے اور ان ہی میں سے ایک ابدال قریب مرگ تھے جن کے کراہنے کی آواز آرہی تھی۔ اور وہ بوڑھے نورانی شکل والے بزرگ جو جنازہ لیکر نکلے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے اس جماعت نے مجھ سے باطنی طور پر مجھکو اطلاع دے کر دریافت کیا کہ اس کی جگہ کون ابدال مقرر کیا جائے۔

میں نے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی ارشاد ہوا کہ قسطنطنیہ کے گرجا میں اس وقت ایک نصرانی صلیب کو پوج رہا ہے اس کو کر دیا جائے چونکہ کافر تو کسی عہدۂ باطنی پر ہو نہیں سکتا۔ جیسا کہ آجکل لوگ سمجھتے ہیں کہ چمار چوڑھے بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں کیا اللہ میاں کو خدمت کے لئے مسلمان نہیں ملتے جو چوڑھوں چماروں سے کام لیں۔ سبحان اللہ اچھی قدر کی ولایت کی خوب سمجھ لو کہ کافر ہرگز ولی نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی کافر کو ولی کرنا بھی ہوتا ہے تو اوّل اس کو اسلام کی توفیق دی جاتی ہے چنانچہ اس نصرانی کے معاملہ میں بھی یہ ہی ہوا کہ قسطنطنیہ سے ایک دم میں زمین کی طنابیں کھینچ کر اس کو حضرت شیخ کی خدمت میں پہونچایا گیا اور حضرت شیخ کی توجہ کی برکت سے کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی وہ رتبہ

ابدالیت پر پہونچ گیا حالانکہ نہ کوئی مجاہدہ کیا نہ ریاضت اسی کو تو کہتے ہیں حضرت مسعود بک ؎

مرشد چو کامل است چلہ شد نشد نشد

لیکن یہ محض شاذونادر ہے کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے ورنہ چکی ہی پیسنا پڑتی ہے جو کچھ ملتا ہے چکی پیسنے سے ملتا ہے خدا کے واسطے کہیں اس شاذونادر ہی پر نہ بیٹھ رہنا۔ شاذونادر پر بیٹھے رہنا تو ایسا ہے جیسے کوئی عورت اس بنا پر بے نکاح بیٹھی رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے تو بے مرد کے اولاد ہو گئی تھی یا کوئی مرد صاحب اس بھروسہ پر کسی عورت کو نکاح کے لئے تلاش نہ کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام بدون عورت ہی پیدا ہو گئی تھیں میری پسلی سے ایک ہوا (چھوٹی ہ سے) نکل آئے گی یہ دونوں بالکل احمق ہیں۔ میاں خدا نے ایک دفعہ یوں بھی کر دیا کہ بلا نکاح کے عورت کو اولاد دے دی اور ایک مرتبہ یہ بھی قدرت دکھلا دی کہ مرد کی پسلی سے عورت پیدا کر دی اب یہ تو نہیں کہ روز روز ایسا ہی ہوا کرے اور لوگ اس شاذونادر ہی کے منتظر بیٹھے رہیں نہ عورت مرد سے نکاح کرے نہ مرد عورت کی فکر کرے آج کل یہ عجیب واہیات بات ہے کہ طالبین شاذونادر پر بیٹھے رہتے ہیں کہ پیر ایک نظر کر دیگا تو بس بیڑا پار ہو جائے گا۔ اور خود کچھ کرتے کراتے نہیں کیوں جی وہ تمہارے باوا کا نوکر تو ہے نہیں۔ اگر نظر نہ کرے تو کیا کر لو گے یہ کیا بے وقوفی کی بات ہے۔ نیز اس کے قبضہ کی بھی تو بات نہیں اگر کسی کے اختیار میں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے قلب میں ضرور اسلام ڈال دیتے بھائی بلا کام کئے بھی کہیں کامیابی ہوتی ہے اصلی طریق تو یہ ہی ہے کہ ؎

کار کن کار بگذار از گفتار — کاندریں راہ کار باید کار

کام کر بیکار باتیں چھوڑ ——— اس طریق الفت میں صرف عمل ہے

قدم باید اندر طریقت نہ دم — کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

طریقت میں عمل کرنا چاہئے نہ دعویٰ ——— کیونکہ دعویٰ بغیر عمل کے بے حقیقت ہے

نری آرزوؤں اور ہوس سے کام نہیں چلتا اسی کو کہتے ہیں ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

ترجمہ:۔ عرفی اگر رونے سے وصال میسر آجائے تو اس کی تمنا میں سو سال تک رو سکتا ہوں۔

تو کیا ہوتا ہے نری آرزوؤں اور تمناؤں سے، کام تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے اور کام بھی ایسا جس میں کام ہی کو ثمرہ سمجھا جاوے گو اور کوئی ثمرہ نہ ملے جب کام اور ثمرہ ایک ہی چیز ہے تو بدون کام کئے ثمرہ کا حصول چہ معنی جب کام نہیں تو ثمرہ بھی نہیں کیونکہ ثمرہ تو وہی کام تھا حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد

اے سرمد شکایت کو مختصر کر ——— اور دو کاموں میں سے ایک کام کر

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

ترجمہ:۔ یا تو بدن کو دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے یا دوست سے قطع نظر کر لے۔

ثمرات میں ناکامی کی شکایت کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ میاں ان

حکایات شکایات کے دفتر کو تو طے کرو۔ زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں ہم تو ایک مختصر سی بات کہتے ہیں کہ ان دو کاموں میں سے ایک کام کو اختیار کر لو یا تو یہ کرو کہ جس بات میں محبوب حقیقی راضی ہو خواہ وہ ناکامی ہی کیوں نہ ہو اس پر راضی رہو یعنی کام ہی کو ثمرہ سمجھو کیونکہ یہ تسلیم و رضا جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ عطائے حق کو کہ توفیق عمل ہے ثمرہ سمجھے اور اگر یہ پسند نہیں اور اس سے تم خفا ہوتے ہو تو بھائی سیدھی بات یہ ہے کہ پھر اپنے لئے دوسرا خدا ڈھونڈھ لو۔ اس خدا کو چھوڑ دو یہ حضرت سرمد نے خوب دو ٹوک بات کہی واقعی یہ مجذوبوں والی ہی بات ٹھیک ہے کہ ؎

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر ز یار می باید کرد

غرض کام ہی کو مقصود سمجھ کر اس میں لگا رہے کام کر کے بھی ثمرات کا انتظار نہ کرے نہ کہ بے کام کئے ثمرات کی توقع رکھے ایں خیال ست و محال ست و جنوں۔ بہر حال کام کرنا چاہئے کہ ثمرات بھی حسب سنتہ اللہ کام ہی سے ملتے ہیں۔ لیکن کبھی خدا تعالیٰ اپنی یہ قدرت بھی دکھلا دیتے ہیں کہ بلا اسباب بھی مقصود پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی اپنی ایسی ہی قدرت کا بیان فرماتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ یعنی تمہارے مرتد ہو جانے سے خدائی کام میں کچھ فتور واقع نہ ہوگا۔ جیسے کوئی یہ غلط قیاس کرے کہ ساری رعایا کے باغی ہو جانے سے سلطنت کا کام تو نہیں چل سکتا تو خدا کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو وہ کسی سے مجبور نہیں ان کی ذات

قادر مطلق ہے دم میں جو چاہیں کر دیں فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ عنقریب ایک ایسی قوم پیدا کر دیں گے جس کی شان ایسی ہو گی آگے اس کی حالت کا بیان ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ الخ تو اس موقع پر جس قوم کا ذکر فرمایا ہے وہ قوم ظاہر ہے کہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہو گی اس واسطے کہ مقابلہ کے موقع پر سنا رہے ہیں کہ بجائے تمہارے ان کو تیار فرمادیں گے تو لازمی طور پر وہ قوم ایسی ہونی چاہئے جو ہر طرح کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہو، تاکہ مرتد ہونے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے پھرنے ہٹنے سے کیا ہوا ہماری جگہ دوسری قوم ہم سے بھی بڑھ چڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئی تو اس قوم کا اعلیٰ درجہ کی صفات سے متصف ہونا خود سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے غرض جو صفات اس مقام پر مذکور ہوں گی وہ نہایت عظیم الشان اور قابل اعتبار ہوں گی۔ اب ان صفات کو سنئے کہ وہ کیا ہیں سب سے اوّل جو صفت بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ یعنی خدا کو ان سے محبت ہو گی اور ان کو خدا سے دیکھئے حضرت سب سے پہلے حق تعالیٰ نے یہی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگ اہل محبت ہوں گے اس تقدیم ذکر سے صفت محبت کا سب سے زیادہ مہتم بالشان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی سے میں نے استدلال کر کے یہ عرض کیا تھا کہ بس دین میں محبت ہی اساس ہے، راس ہے، جڑ ہے، اصل ہے اور بنیاد ہے جب یہ بات ہے تو اے صاحبو! آپ نے کیا کوشش کی اپنے اندر محبت پیدا کرنے کی۔

نمازی بھی ہو گئے، روزہ دار بھی ہو گئے، حاجی بھی ہو گئے مگر محبت جو اصل چیز ہے آخر اس کی بھی کوشش کی کچھ بھی نہیں۔ کوشش تو کیا اور الٹا

یہ کیا ہے کہ جو محبت والے ہیں ان پر ہنستے ہیں ان کو پاگل، مجنوں اور نہ جانے
کیا کیا خطاب دے رکھے ہیں اور ان کی بھی بڑی کوتاہی ہوگی اگر وہ پاگل
اور مجنوں کا لقب سن کر برا مانیں۔ کچھ خبر بھی ہے یہ لقب تو بہت بڑا ہے۔
ارے یہ تو ایسا لقب ہے کہ اس کو سن کر تمہیں خدا کا شکر کرنا چاہئے نہ کہ
برا مانو کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مخالف بھی تمہارے اعلیٰ درجہ
کے محب خدا اور سول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی شہادت دینے لگے بات
یہ ہے کہ مخالف یہ لقب اسی کو دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا محب ہو اور اس کا
راز یہ ہے کہ جو شخص اعلیٰ درجہ کا محب ہوتا ہے اس کے افعال عقل معاش
اور دنیوی مصلحتوں کے خلاف ہونے لگتے ہیں اور یہی تو وجہ ہے کہ جو لوگ
محض عقل معاش رکھتے ہیں وہی ایسے شخص کو مجنون اور بیوقوف کہتے
ہیں اور یہ لقب بہت پرانا ہے۔ چنانچہ کلام مجید اس پر شاہد ہے
حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ
النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ط

ترجمہ:۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان
لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاویں گے جیسا ایمان لائے ہیں یہ
بے وقوف لوگ۔

دیکھئے حضرات صحابہ کو جو اعلیٰ درجہ کا ایمان رکھتے تھے منافقین نے
نعوذ باللہ سفہاء کا لقب دے رکھا تھا کیونکہ وہ حضرات اپنے سب اعزا
و اقربا کو چھوڑ کر اور مال و متاع کو خیرباد کہہ کر ایمان لائے تھے جو
بظاہر عقل معاش کے بالکل خلاف تھا اسی لئے منافقین کہتے تھے
کہ ان کی عقل ماری گئی ہے کہ اپنا اتنا بڑا نقصان کر کے ایمان لائے ہیں

یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ
بیوقوف ایمان لے آئے ہیں تو دیکھئے ان احمقوں نے حضرات صحابہ کو
بھی نعوذ باللہ بیوقوف بتایا اس زمانہ میں یہی حال ہے۔

ہمارے قصبہ میں ایک شخص نومسلم ہیں وہ پہلے بہت امیر کبیر گھرانے
کے تھے جب وہ مسلمان ہوگئے تو ظاہر بات ہے کہ پھر ظالم لوگ بھلا وہ دولت
و ثروت ان کو کہاں دیتے بیچارے ہمارے بھائی کے یہاں دس بارہ روپیہ
کے نوکر ہیں۔ یا تو خود صاحب جائداد تھے یا اب نوکری کرتے ہیں اور اپنا پیٹ
پالتے ہیں مگر جس جگہ نوکر ہیں وہاں پر ہیں بہت عزت اور آرام کے ساتھ جس
جگہ کے رہنے والے ہیں وہاں ایک مرتبہ کسی کام سے ان کا جانا ہوا وہاں
ان کے عزیز قریب سب ہی ہیں مگر اب ان سے کیا علاقہ لہذا وہ جاکر کسی موقع پر
ٹھیر گئے ان کے عزیز قریب سب ملنے آئے اور ان کی بڑی خاطر کی۔ وہ خود
اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں لیٹا ہوا تھا اور وہ لوگ بھی پاس بیٹھے تھے وہ
سمجھے کہ یہ سو رہا ہے لیکن میں جاگ رہا تھا۔ ایک بولا کہ ارے سنا ہے یہ بڑے
آرام میں ہے۔ ایک شیخ کے یہاں کارندہ ہے اس کی بہت بڑی حویلی ہے نوکر
چاکر گائیں بھینس سبھی کچھ ہے اور یہ سب پر حکومت کرتا ہے۔ بڑی عزت
ہے بڑے مزہ میں ہے۔

دوسرا بولا کہ بھائی سب کچھ سہی مگر اس نے کی بہت کھوٹی بات
(یعنی بری بات) کہ اپنے عزیز قریب بیوی بچے سب چھوڑ دیئے اور
مسلمان ہوگیا۔ لیجئے یہ ان کو لقب ملا تو سمجھنے کی بات ہے کہ باپ بھائی
جائداد بیوی سب کو چھوڑ دینا آسان نہیں ان کی پہلی بیوی مسلمان نہیں
ہوئی وہ اب بھی موجود ہے اور اب بھی کبھی کبھی جب سانس نندوں

پریشان ہوتی ہے ان سے کہلا نصیحتی ہے کہ تم میری مدد نہیں کرتے۔ اب بھی آتنا ناز ہے۔ بہرحال انھیں بیوقوف اس بنا پر قرار دیا کہ عزیز قریب سب کو چھوڑ دیا اور ایمان کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہ کی تو صاحب یہ شان ہوتی ہے اعلیٰ درجہ کے محب کی اور یہ لقب اس کو ملتے ہیں اور لیجئے سب سے بڑھ کر عاقل سید العقلاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار نعوذ باللہ مجنون کہتے تھے چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ان کے یہ اقوال موجود ہیں أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ط پارہ ۱۸ (یا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں)، وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ پارہ ۲۹ (اور کہتے ہیں کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہیں (معاذ اللہ) اور خدا تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ پارہ ۲۹ (آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں)، گویا یہ احتمال بھی ہے کہ اور تو کچھ بن نہ پڑتا تھا محض جل کر یہ کہہ دیتے ہوں کوئی اور منشا نہ ہو اس قول کا مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے چنانچہ شاعر اور ساحر بھی تو کہتے تھے تو وہ لوگ یہ تینوں لقب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق کرتے تھے یعنی شاعر، ساحر اور مجنون۔ اور شاعر اور ساحر کا منشاء ہمیں معلوم ہے چنانچہ میں ابھی عرض کروں گا جب دو کا منشا معلوم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ تیسرے لقب کا منشاء بھی ضرور ہو گا۔ شاعر اور ساحر کہنے کا منشاء سنئے وہ ایسا ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔

معشوق من آنست کہ نزدیک تو زشت است

شاعر اور ساحر اس لئے کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں ایسا اثر تھا کہ جب کفار سنتے تھے تو ان کے خیالات میں عظیم الشان

تبدیلی واقع ہو جاتی تھی پس طرز بیان کی تاثیر کو تو شاعری اور مضمون کی تاثیر کو ساحری کہتے تھے اسی لئے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ سنیں۔ چنانچہ ڈرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ان کا کلام مت سنو لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ خبردار قرآن مت سننا بس اس کا سننا ہی غضب ہے وَالْغَوْا فِيْهِ اور اگر وہ پڑھنے ہی لگیں تو تم شور و غل مچانا گھیڑ سپڑ کرنا شروع کر دو لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ شاید اسی سے جیت جاؤ (اس طرح سے کہ وہ مجبور ہو کر خاموش ہو جائیں) یہ تہذیب تھی ماشاء اللہ۔ غرض وہ بہت ہی ڈرتے تھے کہ یہ تو شاعر اور ساحر ہیں ان کا کلام سنا نہیں اور اثر ہوا نہیں بس اسی واسطے شاعر اور ساحر کہتے تھے۔

غرض کلام کے قوتِ تاثیر اس کا منشا تھا۔ اسی طرح مجنون جو کہتے تھے تو اس کا ایک منشأ تھا وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے مقابلہ میں ساری دنیا کی مصلحتوں کو چھوڑ دیا یعنی ان بیوقوفوں کے نزدیک نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عقل کے خلاف بات کی۔ چنانچہ سب نے مل کر ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک سفیر بھیجا جو حاضر ہو کر آپ کی خدمت میں منافع و مصالح پیش کرے اس نے آ کر عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم لوگ سب آپ کو بخوشی اپنا سردار بنا لیں کیونکہ آپ نہایت شریف النسب ہیں۔ آپ جس قبیلہ میں پیدا ہوئے ہیں وہ حسب و نسب میں سب سے بڑھ کر ہے آپ کو اپنا سردار بنا لینے میں ہم کو کوئی عار نہیں۔ مگر ہمارے بتوں کو برا نہ کہئے۔ اگر آپ عورتیں چاہتے ہیں تو

قریش کی ساری لڑکیاں حاضر ہیں ایک سے ایک حسین موجود ہے جتنی چاہیں پسند کر لیجئے اپنی بہنیں اور لڑکیاں آپ کے نکاح میں دینا ہمارے لئے فخر ہے بلکہ انھیں خود آپ کی لونڈیاں بننا باعث عزت ہے۔ اور اگر مال کی خواہش ہے تو ہم ابھی ایک بڑا خزانہ آپ کے لئے فراہم کر دیں بس آپ قرار اور سکون سے بیٹھے رہئے اور ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیجئے جب سفیر یہ سب باتیں کہہ چکا تو آپ نے بجائے جواب کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ حٰم سجدہ کا شروع کا حصہ تلاوت فرمایا۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ الیٰ آخر الآیات

ترجمہ:۔ یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کے لئے ہے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ہے ڈرانے والا ہے سو اکثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں۔

اور اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل ساکت اور صامت تھا جیسے کہ نقشِ دیوار۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھتے پڑھتے یہ آیت تلاوت فرمائی فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝

ترجمہ: پھر اگر یہ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر آئی تھی۔

تو گھبرا کر کہنے لگا کہ بس کیجئے اب سننے کی تاب نہیں اس قدر اثر ہوا کہ

سنا نہیں گیا اور اٹھ کر بھاگا اور بھاگ کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا جنھوں نے اسے بھیجا تھا یعنی ابو جہل وغیرہ وہ سب منتظر بیٹھے تھے ابو جہل بڑا ذہین تھا۔ اس نے دور ہی سے دیکھ کر تاڑ لیا کہا کہ بھائی یہ گیا تو تھا اور چہرہ سے اور آ رہا ہے اور چہرہ سے ایسا شریر تھا کہ دور ہی سے پہچان گیا کہ ارے یہ تو کچھ ڈھیلے ڈھیلے گھٹنوں سے آ رہا ہے اس کے چہرہ کا تو کچھ رنگ ہی بدلا ہوا ہے گیا تھا اور چہرہ سے آ رہا ہے اور چہرہ سے جب پاس پہونچا تو سب نے پوچھا کہ ارے یار کہہ تو سہی کیا گذری۔

اس نے کہا اجی کیا پوچھتے ہو جب میں سب باتیں پیش کر چکا تو انھوں نے ایک ایسا کلام پڑھا کہ واللہ اگر میں وہاں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہتا تو سخت اندیشہ تھا کہ کوئی بجلی میرے اوپر آ گرتی کیا پوچھتے ہو کیا کیفیت تھی اثر کی جب انھوں نے یہ کہا کہ میں تم کو ایک ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی کہ عاد اور ثمود پر گرائی گئی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بجلی گری خدا جانے کیا کلام تھا اور کس غضب کا اس میں اثر تھا واللہ اگر اور تھوڑی دیر بیٹھوں اور سنوں تو بجز اس کے کہ مسلمان ہو جاؤں اور کوئی صورت نہ تھی مشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔

تو یہ حال تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر کا چونکہ وہ لوگ رات دن دیکھتے تھے کہ یہ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں ایک جلسہ تمام قومیں کو (قوموں جمع ہے قومہ کی بمناسبت لفظ جامع ۱۲) اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ شاعر اور ساحر کہتے تھے جب اس قوم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری مل رہی ہے وہ نہیں لیتے، اونٹ مل رہے ہیں وہ نہیں لیتے، مال مل رہا ہے وہ نہیں لیتے اور حسین حسین عورتیں مل رہی ہیں وہ نہیں لیتے، وہ نامعقول سمجھے کہ بھلا یہ کونسی عقل کی

بات ہے جب دنیا کی ساری نعمتیں مل رہی ہیں تو پھر خواہ مخواہ انکار ہے عقل کی بات تو یہ ہے کہ میاں جب اتنا چندہ اور روپے مل رہے ہیں تو لے لو کام آویں گے! احمقوں نے اپنے اوپر قیاس کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

ایک مقام پر میری ایک انگریز سے جو کہ جنٹ تھا اس کی خواہش پر ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے پوچھا کہ ہم نے سُنا ہے آپ نے قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے۔ میں نے کہا ہاں صاحب لکھی ہے تو آپ کیا کہتے ہیں آپ کو کتنا روپیہ ملا۔ میں نے دل میں کہا کہ واہ واہ بس یہ ہے آپ کا مبلغ پرواز اور مطمح نظر۔ جب میں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ملا تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی کتاب لکھی اور کچھ بھی نہ ملا تو پھر کیا فائدہ ہوا اتنی محنت ہی پھر کیوں کی۔ اس کے نزدیک جسے روپیہ نہ ملے وہ کوئی دین کا کام ہی نہ کرے خیر میں نے اُسی کے مذاق کے موافق اُسے سمجھایا میں نے کہا اس سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ علاوہ اس زندگی کے ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق ایک دوسری زندگی بھی ہے جس کو ہم لوگ آخرت کہتے ہیں۔ وہاں ایسے کاموں کا عوض ملنے کی ہمیں توقع ہے اور دوسرا فائدہ دنیا کا بھی ہے وہ یہ کہ میں نے جو تفسیر لکھی ہے اپنے بھائی مسلمانوں کے فائدے کے لئے لکھی ہے اور یہ ایک قومی خدمت ہے جب میں اس تفسیر کو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ میری قوم کو اس سے نفع پہونچ رہا ہے چونکہ یہ تقریر اس کے مذاق کے موافق تھی اس کو سُن کر اس کی نظر میں میری بڑی وقعت ہوئی تو جو روپیہ پیسے اور جاہ کو مقصود سمجھے گا تو وہ ضرور ایسے شخص کو کہے گا کہ یہ بڑا بے وقوف ہے کہ اس نے محض دین کے لئے اپنا جاہ مال سب برباد

کر دیا۔ ہمارے ایک دوست نے ناجائز ہونے کی بنا پر ڈپٹی کلکٹری چھوڑ دی (یہ واقعہ ضابطہ وعظ کا ہے) تو اب سب لوگ انھیں لتاڑتے ہیں کہ عقل ہی ماری گئی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے جو اس کو خلاف عقل کہتے ہو ع

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد

جو لوگ جاہ اور مال ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور جنھوں نے فقط دنیا ہی کو اپنا قبلۂ توجہ بنا رکھا ہے وہ ایسوں پر ہنستے ہیں لیکن اگر وہ ہم پر ہنستے ہیں تو ہم ان پر ہنستے ہیں۔ فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ (ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو)۔

حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حسب ارشاد خداوندی کشتی بنائی تو ان کی قوم ان پر ہنستی تھی۔ کوئی پوچھتا کہ کشتی کیوں بنائی جا رہی ہے۔ آپ فرماتے ایک بڑا سخت طوفان آنے والا ہے اس وقت یہ کام آوے گی۔ لوگ یہ سُن کر کہتے کہ قحط تو پڑ رہا ہے آپ کو طوفان کی سوجھ رہی ہے لوگ ان پر ہنستے کہ بس نبوت تو ختم ہوئی اب نجاری شروع کی ہے حضرت نوح علیہ السلام نہایت متانت سے فرماتے إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ۝

ترجمہ: اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو سو ابھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا ہی چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دیگا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہونا ہے۔

تم اس وقت ہم پر ہنستے ہو ہم اُس وقت تم پر ہنسیں گے اس میں تو

دونوں برابر۔ کل فرق معلوم ہوگا کہ کس پر عذاب آتا ہے اور کون ذلیل ہوتا ہے تو وہ لوگ احمق ہوئے ہیں جو ایسوں کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔

ایک بزرگ تھے حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی قصبہ رامپور کے ایک رئیس کے بیٹے ان کے مرید ہوگئے یعنی حضرت ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں آنے جانے لگے ان کے فیض صحبت سے اُن کی حالت بدل گئی دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کی جانب رغبت پیدا ہوگئی۔ ان کے باپ کے پاس ایک دفعہ کچھ گنوار آئے اور کہنے لگے کہ تھارے (یعنی تمہارے) بیٹے کا بڑا افسوس ہے فقیر ہوگیا۔ وہ بولے خیر بھائی۔ تو ایک گنوار کیا کہتا ہے، اجی بُری صحبت ایسی ہی ہو ہے (یعنی ہوتی ہے) جبھی تو بڑے بوڑھے بُری صحبت سے منع کریں ہیں (کرتے ہیں) دیکھو نہ۔ بگڑ گیا، فقیر ہوگیا۔ تو گویا بیوقوف نے دینداروں کی صحبت کو بُری صحبت سمجھا۔ استغفر اللہ۔

ان ہی حضرت حافظ صاحب کا ایک اور واقعہ ہے کوئی نوجوان شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اس کی حالت بدلنے لگی ایک بار اس کا باپ حاضر ہوکر نہایت بیباکی سے کہنے لگا کہ جب سے میرا بیٹا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا۔ حضرت تھے بڑے جلالی فرمایا اپنے بیٹے کو ہمارے پاس نہ آنے دو۔ روک دو ہمارے پاس جو کوئی آئے گا ہم اُسے بگاڑیں ہی گے جس کو لاکھ مرتبہ غرض ہو اور بگڑنا چاہے وہ ہمارے پاس آئے ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔ ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے ہم نے تو اپنے پیر سے بگاڑنا ہی سیکھا ہے۔ اجی جو بگڑنے سے ڈرے وہ ہمارے پاس آوے ہی کیوں ایسے کے پاس جائے جسے سنوارنا آتا ہو ہمیں تو بگاڑنا ہی

آتا ہے۔ اللہ اکبر۔

ایک شخص کی جیب میں کوڑیاں تھیں اس نے ان کو نکال کر پھینک دیا اور ان کی جگہ اشرفیاں بھر لیں تو کیا وہ بیوقوف ہے وہ ہرگز بیوقوف نہیں البتہ جو لوگ اشرفیوں کی قیمت سے واقف نہیں وہ کوڑیاں پھینکتے وقت اُسے ضرور بُرا بھلا کہیں گے کہ لوجی بھری ہوئی جیب ہی خالی کردی ارے تمہیں کیا خبر اس نے کوڑیوں سے جیب خالی کر کے اشرفیوں کے لئے جگہ کی ہے اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ موجود ہے اس سے کوئی کیمیا سکھانیوالا کہے کہ مجھے ایک لاکھ روپیہ دیدو میں کیمیا بنانا سکھا دوں گا اور وہ وعدہ کرنے والا نہایت معتبر ہو تو وہ فوراً لاکھ روپیہ دیدیگا۔ پھر اس نے ایک لاکھ روپیہ لے کر کیمیا سکھلا دی تو اب وہ سیکھنے والا اس قدر خوش ہے کہ پھولا نہیں سماتا اسے اس کا مطلق افسوس نہیں کہ میں نے ایک لاکھ روپیہ کیوں دیدیا بلکہ وہ زبان حال سے کہتا ہے ؎

جمادے چند دادم جاں خریدم ۔ بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

مگر اُس کا پڑوسی جو کیمیا کا قائل اور فن کو جانتا نہیں وہ اسے بیوقوف بناتا ہے کہ میاں تم بھی بڑے احمق ہو ایک لاکھ روپیہ یوں ہی دیدیا اتنی بڑی رقم فضول ہی ضائع کردی۔ جب وہ کہتا ہے کہ بھائی میں نے یہ رقم ضائع نہیں کی بلکہ اس کے بدلے کیمیا بنانا سیکھ لیا ہے۔ تو کہتا ہے جاؤ میاں بیٹھو بھی۔ بیوقوف ہوئے ہو کیسی کیمیا۔ لاکھ روپیہ دیدیا ایک وہمی اور فضول سی چیز کیمیا کے لئے۔

یہ حضرت صرف لاکھ روپیہ کو رو رہے ہیں مگر وہ ایک ہی دن میں لاکھ روپیہ بنالے گا بلکہ جسے کیمیا بنانا آتا ہے وہ دل کا اس قدر غنی ہو جاتا

ہے کہ اُسے بنانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی وہ ہر وقت مطمئن ہے کہ جب چاہوں گا اور جتنا چاہوں گا لاکھ دو لاکھ روپیہ بنالوں گا تمہیں کیا خبر کہ جس نے مال اور جاہ چھوڑا ہے اُسے کیا کیمیا مل گئی ہے ؎

کیمیا ئیست عجب بندگیٔ پیر مغاں
خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

ترجمہ:۔ مرشد کی تابعداری عجیب کیمیا ہے کہ مجھ کو اس کے پاؤں کی خاک بننے سے بڑے درجے ملے۔

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند
واندراں ظلمت شب آبِ حیاتم دادند

ترجمہ:۔ کل صبح کے وقت مجھ کو غصہ سے نجات دی گویا اندھیری میں مجھ کو آبِ حیات بخشی۔

یہ ہے وہ کیمیا اور وہ دولت جو حاصل ہوتی ہے اور جس کے حصول کے بعد جوش میں آکر یہ کہتے ہیں ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

ترجمہ:۔ رات کے غم و غصہ سے صبح کے وقت نجات ہوئی اور اس اندھیری رات میں مجھ کو آب حیات پلا دیا۔

دوسروں کو کیا خبر اس دولت کی اندھے مادرزاد کو کیا خبر کہ نظر کسے کہتے ہیں اور روشنی کیسی ہوتی ہے۔ عنین کیا جانے کہ نکاح میں کیا مزہ ہے اور منکوحہ کیسی قابل قدر چیز ہے اسی طرح جن کی باطنی آنکھیں پٹ ہیں وہ باطنی دولت کی حقیقت کیا سمجھیں وہ تو ظاہری جاہ و مال چھوڑنے

والوں کو بیوقوف ہی بنا دیں گے کہ تو صاحب روپیہ پیسہ ملتا تھا نہیں لیا سرداری مل رہی تھی نہیں قبول کی۔ اب دیکھئے کہ یہ کس کی حالت تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی تو اعلیٰ درجہ کی حالت یہ ہے کہ عقلاء زمانہ بیوقوف کہا کریں اور دیوانہ سمجھا کریں یہ تو بڑے فخر کی بات ہے ایسی دیوانگی تو مطلوب ہے یہ دیوانگی تو وہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد　　مر عسس را دید در خانہ نشد

ترجمہ:۔ جو دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے جس طرح کوئی کوتوال کو دیکھتا ہے گھر میں چلا جاتا ہے اسی طرح جب محبوب حقیقی کا عشق غالب ہوتا ہے عقل رفو چکر ہو جاتی ہے۔

اور ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم　　مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

ترجمہ:۔ اگر ہم قلاش و دیوانہ ہیں تو کیا بات ہے یہی بات کیا کم ہے کہ ہم محبوب حقیقی اور ان کی محبت کے متوالے ہیں۔

اور حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

ترجمہ:۔ اے دل وہ بہتر ہے کہ شراب سے تو مست رہے بغیر سونے چاندی کے خزانوں کے تو دولت مند بن جائیگا۔

؎ در رہ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

ترجمہ: لیلیٰ کی منزل میں جان کو سینکڑوں
کے لئے مجنوں بن جاتا ہے۔

بلکہ اگر وہ جنون کم ہوجائے تو غم ہوتا ہے اور جب وہ پھر عود کرتا ہے تو خوش ہوکر فرماتے ہیں ؎

باز دیوانہ شدم من اے طبیب — باز سودائی شدم من اے حبیب
(پھر اے طبیب ہم دیوانہ ہے — اے حبیب ہم پھر سودائی ہوئے)
باز آمد آب من در جوئے من — باز آمد یار من در کوئے من
(پھر میری آرزو پوری ہوگئی جب میرا محبوب مجھے مل گیا)

خوش ہوتے ہیں اور خدا کا شکر کرتے ہیں کہ دیوانگی پھر آگئی اور عقل کو یوں خطاب کرتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را — بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ترجمہ: عقل دوراندیش کو آزمالیا جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو دیوانہ بنالیا۔

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ — جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ترجمہ: دل و دماغ کو تیز کرلینے کا نام راستہ پانا نہیں۔ اس لئے کہ فضل شاہ تو متوجہ ہی شکستہ دل پر ہوتا ہے۔

تو یہ حالت ہوتی ہے تو حالت مطلوب کیا ہوئی کہ طلب میں ایسی حالت ہوجائے کہ لوگ دیوانہ سمجھنے لگیں حدیث میں بھی تو آتا ہے حصن حصین میں ہے اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون اللہ تعالیٰ کی اتنی یاد کرو کہ لوگ تم کو پاگل کہنے لگیں اور واقعی ایسی حالت ہوجاتی ہے۔

ایک بزرگ تھے وہ خط بنوا رہے تھے مگر زبان سے ذکر اللہ جاری تھا نائی نے لبیں لیتے وقت عرض کیا کہ حضور تھوڑی سی دیر کے لئے خاموش ہوجائیں ورنہ ہونٹ کٹ جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہونٹ کٹ جائیگا تو کیا ڈر ہے پھر جوڑ جائیگا لیکن اگر اللہ کی یاد کو میں نے منقطع کردیا تو جو سانس غفلت میں گذرے گا اس کا کوئی تدارک نہیں بس میں اپنا کام کروں تم اپنا کام کرو۔ اگر ہونٹ کٹتے ہیں کٹنے دو چاہے سارے ہی کٹ جائیں میں ذکر کو منقطع نہ کروں گا۔ ہائے مولانا نے بھی ایک ایسی ہی حکایت لکھی ہے ؎

زاہدے را گفت یارے در عمل — کم گری تا چشم را ناید خلل
.... — چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

زاہد نے کہا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ کہ آنکھیں وہ جمال دیکھیں گی یا نہ دیکھیں گی ؎

گر بہ بیند نور حق خود چہ غم است
در وصال حق دو دیدہ کے کم است

اگر ان آنکھوں سے میں نے جمال حق دیکھ لیا تو پھر ان آنکھوں کے نہ رہنے کا کیا غم۔ یہ دو آنکھیں کیا ایسی ایسی لاکھوں آنکھیں بھی ہوں تو اُس جمال پر نثار ہیں ؎

ورنہ بیند نور حق را گو برو
ایں چنیں چشم شقی گو کور شو

اور اگر اس جمال کو نہ دیکھا تو ایسی کمبخت آنکھوں کا پھوٹ جانا ہی بہتر ہے وہ آنکھ ہی کیا جس کو وہ جمال نہ دکھائی دے اور وہ کان ہی کیا

جس کو وہ خطاب نہ سُنائی دے ایسی آنکھ اور ایسے کان ہی کو میں کیا کروں گا۔ حضرت یہ لوگ آنکھ کو کان کو جان کو مال کو سب کو محبت حق میں فنا کر دیتے ہیں ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے
تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

جتنا تعلق ذات حق سے بڑھتا جاتا ہے اور سب کو فنا کرتے جاتے ہیں تو ایسوں کو لوگ بیوقوف تو بتاویں ہی گے کہیں گے اچھے متقی ہوئے ہونٹ ہی کٹا بیٹھے اور کرو اللہ اللہ کوئی ان سے کہے کہ میاں تمہیں کیا ہونٹ کٹے تو ان کے کٹے تم سے تو شکایت نہیں ایک بزرگ صرف ستّو ہی گھول کر پی لیتے کہ کھانا کھانے میں دیر لگتی ہے حرج بہت ہوتا ہے۔ ستّو گھولا اور جلدی سے ایک گھونٹ پی لیا پھر اپنے اللہ کی یاد میں لگ گئے ان کی غذا تو بس یہ ہے ایسے شخص کو ظاہر ہے لوگ بیوقوف ہی کہیں گے چونکہ ہر وقت توجہ حق کی طرف رہتی ہے ایک استغراق کا سا عالم طاری رہتا ہے اور جب توجہ ہی کسی اور طرف نہیں تو بہت سی باتوں میں بھول ہو جاتی ہے محبوب حقیقی کے سوا انھیں اور کچھ یاد ہی نہیں رہتا (بقول احقر جامع ۱۲) ؎

گم گشتۂ حیرت کوئی مجھ سا بھی نہیں ہے
میں خود ہوں کہیں دل ہے کہیں ہوش کہیں ہے

؎ ہمیشہ رہتا ہوں اک بیخودی کے عالم میں
جہاں نہ میرے لئے ہے نہ میں جہاں کے لئے

تو ایسے شخص کو اہل دنیا پاگل نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے خود سُنا ہے مولانا علاوہ زبردست عالم ہونے کے بڑے

درویش اور صاحب باطن شیخ تھے فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ خط لکھ کر آخر میں دستخط کرنا چاہے تو اپنا نام ہی بھول گیا بہت یاد کیا مگر یاد ہی نہ آیا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے استغراق کا کہ اپنا نام ہی یاد نہ رہا۔ ایسا حیرت ناک واقعہ ہے کہ اگر میں نے خود حضرت سے نہ سُنا ہوتا تو باور آنا بھی مشکل تھا۔

حضرات صحابہ میں بھی اس رنگ کے ایک بزرگ گذرے ہیں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن آپ کی صاحبزادی صاحبہ بھی ساتھ جا رہی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ لڑکی آپ کی ہے تو آپ بہت غور سے اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے اِستدلال کیا۔

میں نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ کی زیارت کی ان کا بھی یہی رنگ تھا۔ ایک بار مولانا کے پوتے کی شادی کا ہنگامہ تھا۔ مجمع کو دیکھ کر پوچھا کہ ارے بھائی یہ لوگ کیوں جمع ہیں عرض کر دیا گیا کہ حضرت کے پوتے کا نکاح ہے۔ فرمایا اچھا ان کا نکاح ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر فرماتے ہیں ارے بھائی یہ لوگ کیوں جمع ہیں۔ پھر عرض کر دیا گیا کہ پوتے صاحب کا نکاح ہے۔ فرمانے لگے ہاں میاں ہاں ابھی تو تم نے کہا تھا کہ نکاح ہے ہم بھول ہی گئے۔ تمہارا کیا قصور ہے ہماری ہی یاد خراب ہے۔ یاد ہی نہیں رہتا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہی سوال کیا کہ میاں یہ کیا ہو رہا ہے یہ لوگ کس لئے جمع ہوتے ہیں۔ پھر کہہ دیا گیا کہ حضرت نکاح ہے۔ فرمایا! ارے بھائی ہم تو بھول جاتے ہیں

کیا کریں۔ اب ہم پوچھیں بھی تو مت بتلانا کوئی کہاں تک بتائے۔ اجی ہو گا۔ ہمیں پوچھنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قدر استغراق تھا کہ ہمیشہ تو نماز جماعت سے جامع مسجد میں پڑھتے تھے لیکن راستہ عمر بھر بھی یاد نہ ہوا یہ کیفیت تھی استغراق کی کہ حضرت کے ایک خادم تھے بختیار۔ وہ آگے آگے چلتے اور حق حق کہتے جاتے بس اس آواز پر چلتے جاتے اور مسجد تک پہونچ جاتے۔ کیا ٹھکانا ہے استغراق کا کہ تیس برس تک ایک ہی مسجد میں نماز پڑھی مگر راستہ ہی یاد نہ ہوا اس قدر تو استغراق تھا مگر اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ کسی ادنیٰ سنت کو بھی کبھی ترک نہیں کیا غرض تیس برس تک نماز باجماعت جامع مسجد میں ادا کی لیکن پھر بھی راستہ یاد نہ ہوا وجہ یہ کہ ایک دل میں دو چیزیں نہیں سما سکتیں اہل اللہ کے قلب میں ایک ایسی چیز بن گئی ہے کہ کسی دوسری چیز کی اس میں گنجائش ہی نہیں رہی حضرت ایسوں کو عقلاء مجنون نہ کہیں تو کیا کہیں جنھیں نہ راستہ یاد نہ اولاد یاد نہ خادم یاد عقلاء تو ایسوں کے بارے میں یہی کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دماغ میں خلل ہے۔ ارے نادانو تمہارے ہی دماغ میں خلل ہے جو چیز ان کے اندر ہے اگر تمہارے اندر ہو تو کلیجہ پھٹ جائے (بقول احقر جامع ؎

درد یہ اور کو ملتا تو وہ مر ہی جاتا
کر کے نالے بھی مجھے ناز شکیبائی ہے)

یہ ان کے دماغ ہی کی تو صحت و قوت ہے اس قدر ضبط ہے چنانچہ حضرت مخدوم عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس قدر مغلوب الحال

ہونے کے فرماتے ہیں۔ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بہ فریاد آمد اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نزنند۔ ہم کو تو نقل کرتے بھی جھجک ہوتی ہے لیکن ان کو حق حاصل ہے فرماتے ہیں۔ منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں شور مچانے لگا یہاں مرد ہیں کہ سمندر کے سمندر چڑھا جائیں اور ڈکار نہ لیں (بقول جامع)

کر چکے رندی بس اے مجذوب تم ایک چُلّو میں یہ حالت ہوگئی

تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر ایک ایسی چیز تھی جس کو منصور بھی ضبط نہ کر سکے جب منصور سے وہ چیز ضبط نہ ہو سکی تو اوروں سے کیا ہو سکتی ہے ایسی چیز جس کے اندر ہو کیا اسے جامع مسجد کا راستہ یاد رہ سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی استقامت ایسی تھی کہ نماز تو نماز جماعت بھی کبھی نہ چھوٹی یہ تھا اِتباع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس اِتباع ہی کی برکت سے اس درجہ تک پہونچے اور یہ رتبہ پایا اور اِتباع میں ایسی برکت ہونے کا ایک راز ہے جس کے متعلق پہلے ایک حکایت سُن لیجئے۔ قنوج میں ایک وکیل ہیں شیخ محمد عالم وہ خود مجھ سے اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی اور بستی میں جا رہا تھا راستہ میں ایک مکان کی دہلیز میں سے ایک بڑی بی کی آواز آئی۔ انہوں نے مجھ کو بلا کر بڑی محبت سے میرے سر پر اور میری کمر پر ہاتھ پھیرا اور پیار کیا اور بٹھلا کر میرے لئے حلوہ تیار کیا اور کہا کہ اگر کبھی تمہارا آنا ہوا کرے تو میرے پاس ہو کر جایا کرو مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس بڑھیا سے نہ میری جان نہ پہچان یہ کیوں ایسی محبت سے پیش آ رہی ہے آخر میں نے پوچھا کہ بڑی بی تم میری کیوں اتنی خاطر کر رہی ہو اس نے ایک

ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ تمہاری شکل کا ایک میرا بیٹا ہے وہ بہت دن سے پردیس میں ہے اس کی ایسی ہی شکل ہے جیسی تمہاری تمہیں دیکھ کر مجھے وہ یاد آگیا اور اس کی سی شکل ہونے کی وجہ سے مجھے تم سے محبت ہوگئی تم میرے بیٹے کی شکل ہو اس لئے تم پر پیار آگیا۔ یہ ایک مثال ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے محبوب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو آپ کی سی ہیئت بناتا ہے اس پر خدا تعالےٰ کو محبت اور پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم شکل ہے۔ یہ راز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا اور یہ ایسا طریق ہے وصول کا جو سب سے زیادہ نزدیک ہے اس کو جو اختیار کرے گا وہ بہت جلد پہونچے گا اور وہ بہت جلد کامیاب ہوگا ورنہ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید که ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کرنے والا آدمی کبھی منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا)

مپندار سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز در پئے مصطفےؐ

(سعدی یہ مت خیال کر کہ سیدھا راستہ بغیر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طے ہو سکتا ہے)

بدون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے کچھ نہیں ہو سکتا خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کہہ دیجئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو۔ خدا کو تم سے محبت ہو جائے گی۔ ظاہری نسق کلام کا یہ مقتضا تھا کہ یوں فرماتے کہ تم کو خدا سے محبت ہو جائے گی یوں

نہیں فرمایا گویا اس طرف اشارہ ہے کہ تم تو کیا خدا سے محبت کرتے تمہارا تو کیا منہ ہے ہاں خدا ہی کو تم سے محبت ہو جائے گی اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو گے۔ اللہ اکبر ہم اگر چاہتے اور کوشش کرتے کہ ہم سے خدا کو محبت ہو جائے تو قیامت تک بھی یہ دولت نصیب نہ ہو پاتی کیونکہ کہاں ممکن کہاں واجب چہ نسبت خاک را با عالم پاک لیکن اتنا بڑا رتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہو جاتا ہے تو صاحبو بڑی چیز یہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ حضرت شیخ عبد الحق ردولوی؁ کو بھی اتنا بڑا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اتباع سے حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ آپ سے کبھی کوئی سُنّت ترک نہ ہوتی تھی مگر استغراق اتنا رہتا تھا کہ تیس برس تک جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے آتے رہے لیکن راستہ یاد نہ ہوا تو ایسا استغراق تھا۔ ایک دن ردولی سے باہر دور ایک ندی کے کنارے جا رہے تھے یہ جگہ بہت پسند آئی فرمایا کہ یہ تو بڑے لطف کی جگہ ہے اب یہیں رہا کریں گے بختیار خادم تھے عاشق عرض کیا بہت بہتر اور دونوں وہیں رہنے لگے بہت زمانہ کے بعد ایک دن کچھ افاقہ ہوا تو دفعتاً دریا پر نظر پڑی خادم سے فرمایا" کہ ارے میاں ردولی میں تو پہلے کوئی دریا نہ تھا اب یہاں دریا بھی بہنے لگا۔ سیر و تفریح کی جگہ ہوگئی خادم نے عرض کیا کہ حضرت یہ ردولی کہاں ہے یہ تو فلانے مقام کا دریا ہے ردولی سے آئے ہوئے تو حضور کو بہت دن ہوگئے تب فرمایا کہ اگر یہ ردولی نہیں ہے تو چلو بھائی یہاں سے گھر سے بے گھر ہونا ٹھیک نہیں لیجئے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ ردولی ہے یا کوئی اور مقام ایسے شخص کو عقلا زمانہ لیکن جہلاء آخرت کیا پاگل نہ کہیں گے

مگر مقبول ہے یہ لقب اور مطلوب ہے یہ حالت اس واسطے کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی کہا گیا ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اور اولیاء اللہ کو بھی یہ ہی کہا گیا چنانچہ ارشاد ہے وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط کفار اہل ایمان کو ذلیل سمجھ کر اُن پر ہنستے ہیں اور اُن کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں لیکن ایمان والوں کو اس سے دلگیر نہ ہونا چاہیئے ہنسنے والے یہاں ایمان والوں پر ہنس لیں اور اپنے آپ کو ان سے بڑھا ہوا سمجھ لیں لیکن قیامت کے روز اہل تقویٰ ان سے بڑھے ہوئے رہیں گے اور یہ گھٹے ہوئے ہوں گے۔ (بقول حضرت سعدی علیہ الرحمۃ) ؎

بسا سوار کہ آنجا پیادہ خواہد شد
بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد بود

(بہت سے سوار وہاں پیدل ہو جائیں گے اور بہت سے پیدل وہاں سوار ہو جائیں گے)

یا بقول ملا در رسالہ مناظرہ مسٹر و مُلّا ؎

وہاں اپنی حقیقت تجھکو دکھلاؤں گا اے مسٹر
یہاں رکھتی ہے میری کامرانی شکل حرمانی

مطلب میرا یہ ہے کہ شریعت کا اتباع کرنے والے مصالح دنیویہ کو پیش نظر کیوں رکھتے ہیں وہ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ مصالح دینیہ و دنیویہ دونوں کو جمع رکھیں یعنی اس معنی کر کہ دنیا بھی خوب کماؤ کھاؤ اور دین کے بھی بھلے بنے رہو۔ اِدھر مخلوق کو بھی راضی رکھو اُدھر خدا کو بھی۔ اگر خدا کو معبود اور مقصود سمجھتے ہو تو مخلوق کو راضی یا ناراض کرنے سے

قطع نظر کرلو۔ قصداً تو کسی سے لڑو بھڑو نہیں لیکن اس کی بھی کوشش نہ کرو کہ مخلوق ہم سے راضی ہی رہے بس اس شان کا ہونا چاہیے مسلمان کو۔ لیکن یہ ضروری بات ہے کہ یہ شان جبھی پیدا ہو سکتی ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا اتباع کیا جائے گو یہ بھی ضرور ہے کہ اس حالت میں لوگ ملامت کریں گے مگر تمہارا یہ مذہب ہونا چاہیئے ؎

نسازد عشق را کنج سلامت　　خوشا رسوائی کوئے ملامت

(عشق سلامتی کے گوشہ کی موافقت نہیں کرتا۔ اس کو تو ملامت کے کوچہ کی رسوائی اچھی معلوم ہوتی ہے)

اور خوش ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ جس میں ملامت ہوجاتی ہے اس میں آدمی پکا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے داڑھی رکھ لی تو داڑھی منڈانے والے اس پر ہنسیں گے کہ آیئے مولانا صاحب آیئے حضرت قبلہ یہ ضرور ہوگا۔ اور یہ ناگوار بھی ہوگا لیکن اس کا اثر یہ ہوگا کہ اگر کبھی جی بھی چاہے گا منڈانے کو تب بھی اس غصہ میں آکر نہ منڈائے گا اور ان کی ضد میں داڑھی رکھنے کا اور بھی پختہ عزم کرلے گا۔ تو یہ نفع ہے ملامت میں۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ملامت کی ہرگز پروا نہ کرنی چاہیئے اگر لوگ تم پر ہنسیں یا طعن کریں تو دلگیر ہونے کی کیا وجہ ہے سبحان اللہ میاں یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو وہ رتبہ ہے جو حضرات صحابہ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ اس وقت بھی اہل ایمان پر یوں ہی لوگ ہنسا کرتے تھے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو گے لوگ ہنسیں گے ضرور لیکن اس کی کچھ پروا نہ کرو۔ اب فرض کرو تم نے کوئی شادی کی بلا رسم تو لوگ طعنے دینا شروع کریں گے

اور سیکڑوں لتاڑیں پڑنی شروع ہوں گی کہ یہ بڑے متقی نکلے ہیں کہ باوا دادا سے بھی بڑھ گئے۔ باوا دادا سے جو رسمیں چلی آرہی تھیں سب ناجائز ہی قرار دے دیں ایسے کنجوس ہیں کہ برادری کا کھانا بھی اُڑا دیا۔ یہ سب طعن و تشنیع سُن کر بھی تم خوش رہو اور کچھ پرواہ مت کرو۔ عشق میں بھلا رسوائیوں سے بھی کوئی سلامت رہا ہے لہٰذا تم کو خوش ہونا چاہیئے اور یہ کہنا چاہیئے ؎

نسازد عشق را کنج سلامت   خوشا رسوائی کوئے ملامت

(عشق سلامتی کے گوشہ کی موافقت نہیں کرتا اس کو تو ملامت کے کوچہ کی رسوائی اچھی معلوم ہوتی ہے)

اور سنو اگر لباس شرع کے موافق پہنو گے تو جنٹلمین لوگ ہنسیں گے کہ یہ کیا دقیانوسی لباس پہنا ہے اُلول جلول کتے کی جھول۔ چہرہ دیکھو تو وحشت برستی ہے ارے عاشقوں کے چہرہ پر تو وحشت ہی زیب دیتی ہے مانگ پٹی تو زنانوں کا شعار ہے واللہ وہ عاشق نہیں جو کوٹ بوٹ سے درست ہو۔ خدا کی قسم جن کے دلوں میں محبت گھس گئی ہے انہیں اپنے سر اور پاؤں کی بھی خبر نہیں کوٹ بوٹ تو کیا پہنتے اگر ان کے پاس پھٹی جوتی اور پھٹا لباس بھی ہوگا تو انہیں عار نہ ہوگی۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ہاں وہ عاشق نہیں جسے سر پاؤں کی خبر ہو جو عاشق ہوگا وہ تو ایسا ہی ہوگا جسے نہ سر کی خبر ہوگی نہ پاؤں کی اور واقع میں یہ نہیں کہ اسے خبر نہ ہوگی خبر تو ہوگی مگر پرواہ نہ ہوگی اور اب تو یہ حالت ہے کہ بھلا مرد تو مرد عورتوں نے باریک کپڑے پہننے شروع کر دیئے ہیں اگر کوئی اچھے کپڑے شریعت کے موافق پہنے تو کہتی ہیں کہ یہ کیا کنجڑوں اور قصائینوں کے سے کپڑے پہنے ہیں اس قدر چست اور منڈھا ہوا لباس پہنتی ہیں کہ

بدن کی ساخت اور ساری ہیئت ہی ظاہر ہونے لگتی ہے اگر اتفاق سے غیر محرم کی نظر پڑ جائے تو کس قدر بے غیرتی ہے اور پائنچے ایسے چست کہ پنڈلی میں چٹکی لیں تو کھال بلکہ گوشت کی بوٹی تک اُکھڑ آئے پھر اوپر سے کھڑے جوتے حالانکہ حرام ہے عورتوں کے لئے مردوں سے مشابہت حدیث میں لعنت آئی ہے ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کریں اور اس قدر چست پائنچے بازار والی فاسق فاجر عورتوں کا شعار ہے اور مشابہت فساق فجار کی بھی ناجائز ہے اس کا منشاء فقط تفاخر ہے مقصود یہ ہے کہ ذرا آن بان سے رہیں خوبصورت معلوم ہوں اور کوئی یوں نہ کہے کہ یہ کیسے باؤلوں کے سے ڈھیلے پائنچے ہیں جیسے جھلی ماری پہنے پھرتی ہے (یعنی سینگی لگانے والیاں) تو اب عورتیں بھی اس طرح سے طعن کرنے لگی ہیں۔ غرض عورتوں نے بھی اب آپس میں مردوں کا سا تفاخر کرنا شروع کر دیا ہے مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔ مردوں کو تو یہ مرض تھا ہی عورتوں کو بھی ہوا اور مردوں کا تفاخر تو خیر چل بھی سکتا ہے کیونکہ ایک کو دوسرے کی اندرونی حالت معلوم نہیں جیسا چاہا اپنے کو ظاہر کر سکتے ہو مگر عورتیں گھروں میں آنے جانے والیاں ایک کو دوسرے کے گھر کی ہر ایک کی حالت کی خبر ہے یہ ایک دوسرے سے کیونکر اپنا اصلی حال چھپا سکتی ہیں اس لئے مرد اگر تفاخر کرتے ہیں تو ان کی اتنی بے وقوفی نہیں کیونکہ ایک کو دوسرے کا حال معلوم نہیں کہ گھر میں چوہے قلابازی کھا رہے ہیں قلعی نہیں کھلتی بس ایک جوڑا انگریزی بنا لیا اور ہر موقع پر اچھے خاصے جنٹلمین بن گئے جو غریب ہیں انہوں نے بھی بس ایک اچکن بڑھیا بنوالی اور ہر موقع پہ وہی اچکن ڈاٹ لی اور نواب کے بچے بن

سے گئے حالانکہ گھر میں خاک بھی نہیں بعض لوگ انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں جانتے لیکن جنٹلمین رنگ وروغن بناتے ہیں روغن پر ایک حکایت یاد آئی کوئی ایسے ہی تھے شیخی باز۔ ظاہری وضع تو نہایت امیرانہ اور گھر میں کھانے تک کو نہیں روز گھر سے آکر اپنے دوستوں میں شیخی بگھارا کرتے کہ آج گوشت بہت مزیدار پکا تھا پلاؤ بھی اچھا تھا چاہے گھر میں دال اور خشکہ بھی میسر نہ آیا ہو میاں فاقہ ہی سے ہوں اور ترکیب یہ کرتے کہ گھر میں جو جلنے کا چراغ تھا اس کا تیل انگلیوں اور مونچھوں کو لگا لیتے تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ واقعی نواب صاحب بہت مرغن گوشت اور پلاؤ کھا کر آ رہے ہیں ایک دن عجب دل لگی ہوئی حسب دستور چراغ میں سے تیل لے کر جو مونچھوں کو چپڑنے لگے تو اتفاق سے بتی بھی مونچھوں پر لپٹ گئی اور چونکہ وہ جلتے جلتے چھوٹی سی رہ گئی تھی اس لئے ان حضرت کو وہ محسوس بھی نہ ہوئی۔ باہر آکر حسب عادت دوستوں میں ڈینگیں مارنے لگے کہ واللہ آج کا پلاؤ تو بہت ہی مزیدار تھا ایک صاحب کی نظر جو مونچھوں پر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ چراغ کی بتی لپٹی ہوئی ہے بس ساری قلعی کھل گئی کہ حضرت چراغ کا تیل مونچھوں میں لگا کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو کہ بہت مرغن کھانے کھاتے ہیں فوراً انہوں نے کہا کہ جناب بجا ہے اور دیکھئے پلاؤ کا ایک چاول بھی مونچھوں میں لپٹ آیا ہے ہاتھ پھیر کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چراغ کی بتی ہے۔ بہت ہی خفیف ہوئے تو اس شیخی بازی سے فائدہ کیا خیر یہ تو اتفاقی بات تھی کہ لوگوں کو پتہ چل گیا ورنہ مردوں کی شیخی تو کچھ چل بھی جاتی ہے کیونکہ گھر کے اندر کا حال مردوں کو کیا معلوم لیکن عورتوں کو تو ایک

دوسرے کا حال معلوم ہے کہ اتنے پانی میں ہے پھر شیخی کیسی۔ پھر بیگم صاحبہ خواہ مخواہ ہی اینٹھ مروڑ میں مری جاتی ہیں۔ پھر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر لباس قیمتی ہی پہننے کا شوق ہو پہنو تو ایک تو شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہیئے دوسرے زینت میں غلو نہ ہو بس اتنا تجمل کافی ہے کہ کوئی ذلیل نہ سمجھے کوئی باؤلا جھلّا نہ کہے (یعنی پاگل) اور اصلی بات تو یہ ہے کہ نہ ذلت کی پرواہ ہو نہ بدنامی کی یہ دونوں شانیں عشق کے لوازم میں سے ہیں يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ اور لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ط اسی طرف اشارہ ہے محبین پر تو ملامت ہوتی ہے مثلاً پردہ ہی ہے، بعض عورتیں جو متشرع ہیں وہ سب نامحرموں سے پردہ کرتی ہیں حتیٰ کہ چچا زاد بھائی سے بھی ان کے اوپر بڑے طعن ہوتے ہیں کہ بھلا بھائی سے بھی کہیں پردہ ہوتا ہے۔ عورتوں کے نزدیک چچا کا لڑکا ایسا ہے جیسا سگا بھائی۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سگا بھائی ہے لیکن ایسا سگا ہے جو سگ سے ماخوذ ہے اور الف جو آخر میں ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی بڑی ہانڈی کو ہنڈا کہہ دیتی ہے اسی طرح یہاں سگا کے معنے ہیں بڑا سگ ایک شہری بچہ سے کسی نے پوچھا کہ فلانا تمہارا سگا بھائی ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے سگ تو کتے کو کہتے ہیں۔ چھوٹا سا بچہ تھا لیکن کہیں سے سن لیا ہوگا کہ سگ کتے کو کہتے ہیں تو کہتا ہے کہ حقیقی بھائی کہئے سگ نہ کہئے تو غرض یہ کہ عورتیں چچا زاد بھائی کو مثل حقیقی بھائی کے سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس سے کیا پردہ عورتیں تو عورتیں ایسے پردہ سے مرد بھی خفا ہیں کسی نے ہمت کر کے اپنے قریبی نامحرم رشتہ داروں سے بھی پردہ کرنا شروع کیا تو اب چاروں طرف سے

اعتراض کی بھرمار ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میاں کچھ نہیں اب عزیزوں میں آپس میں محبت ہی نہیں رہی دوسرے صاحب بھی اینٹھ گئے کہ ان کے گھر جاویں تو کیا دیواروں سے بولیں۔ اب ہم ان کے یہاں جانا ہی بند کر دیں گے۔ سبحان اللہ کیا عزیزوں کے تعلقات اور آپس کا میل جول بے پردگی ہی پر موقوف ہے اگر یہ معنی ہیں تو یہ تو نعوذ باللہ اللہ میاں پر اعتراض ہے کہ ایسے قریبی رشتہ داروں کو بھی نامحرم قرار دے دیا استغفر اللہ مگر اسی میں بعض ایسی بھی ہمت والیاں ہیں کہ چاہے کوئی ہو وہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں آتیں چاہے کوئی بُرا مانے یا بھلا مانے اور اکثر جگہ تو پردہ کی ایسی کمی ہے کہ محرمیّت نہیں کچھ نہیں دُور دُور کے رشتہ داروں کو بے تکلّف گھر میں بلا لیتی ہیں اور بے محابا ان کے سامنے آجاتی ہیں یہ بالکل ناجائز ہے اور گناہ ہے مردوں کو چاہیئے کہ وہ انھیں تنبیہ کریں اور سب نامحرموں سے پردہ کرائیں۔ اگر کسی کو ناگوار ہو تو بلا سے ہو کچھ پرواہ مت کرو ہرگز ڈھیلا پن نہ برتو بلکہ مردوں کو چاہیئے کہ اگر کوئی نامحرم عورت ان سے پردہ نہ کرے تو وہ خود اس سے چھپا کریں۔
میری ایک خالہ تھیں یعنی میرے والد صاحب کی سالی یہ دستور ہے ہی کہ عموماً سالیاں بہنوئی سے پردہ نہیں کرتیں چنانچہ وہ بھی والد صاحب کے سامنے آنے لگیں والد صاحب اگرچہ عمر میں اُن سے بہت بڑے تھے اور باپ کے برابر تھے لیکن ان کو غیرت آئی اور سامنے آنے سے منع کر دیا انھوں نے مانا نہیں اور پھر بھی سامنے آئیں گو والد صاحب دنیا دار تھے مگر غیرت دار بڑے تھے ایک بار خوب ڈانٹا کہ خبردار جو کبھی میرے سامنے آئی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ بہت بُرا مانا اور بہت روئیں کہ بھائی نے

مجھے ایسا ایسا کہا مگر پھر کبھی سامنے نہیں آئیں پردہ کرنے لگیں تو انھوں نے بُرا مانا مگر والد صاحب نے کچھ پرواہ نہ کی پردہ کرا کر چھوڑا اسی طرح تم کرو۔ اگر کوئی بُرا مانتا ہے مانا کرے کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیئے بُرا مان کر کوئی کرے گا کیا۔ اچھا تو ہے سب چھوڑ دیں کوئی اپنا نہ رہے یوں ہی تعلق خلق سے گھٹے۔ جب کوئی اپنا نہ رہے گا اور سب سے توقع منقطع ہو جائے گی تب تو سوچے گا کہ بس جی اب تو اللہ میاں ہی سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے بقول کسی کے ؏

جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا

بقول جامع ؎

دشمنی خلق میری رہنما ہونے کو ہے — اب مرا دستِ طلب دستِ دعا ہونیکو ہے
بیکسی ہی سے حصول مدعا ہونیکو ہے — کوئی مت پوچھو مجھے میرا خدا ہونیکو ہے

اب سمجھے گا کہ اعزّہ اقربا یار دوست یہ سب حجاب تھے اب کوئی حجاب نہ رہا۔ بقول جامع ؎

اب تو میں ہوں اور شغل یاد دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

اب خدا کے بنو جتنے تعلقات کم ہوں اتنا ہی اچھّا۔ ہمارے ایک بزرگ تھے امداد علی صاحب ویسے تو ایک آزاد منش درویش تھے مگر باتیں بڑی حکمت کی فرمایا کرتے تھے کہتے تھے کہ تارک الدنیا ہونا تو بہت مشکل ہے مگر ہاں جب کسی پر میاں کا فضل ہوتا ہے تو اس کو متروک الدنیا بنا دیا جاتا ہے یعنی ایسے اسباب غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ خود دنیا اس کو چھوڑ دیتی ہے یہ صورت ہوتی ہے ترک دنیا اور ترک تعلقات کی یعنی

جب متروک الدنیا ہوگیا تو دنیا سے نفور ہو کر تارک الدنیا بھی ہو ہی گیا اور بھائی یہ تو سوچو کہ کسے کسے راضی کروگے راضی تو ایک ہی ہوتا ہے کئی تو راضی ہوا نہیں کرتے تو حضرت یہ کیجئے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو راضی رکھئے بہت سے آدمیوں کو کہاں تک راضی رکھئے گا ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیۡهِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوۡنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضد اضدی ہے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا ہے کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے ؎

دلا رامے کہ داری دل درو بند — دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند۔

میں کہتا ہوں کہ ایک مرد بازاری عورت کی محبت میں اس کی رضامندی کی خاطر اپنی آبرو جائداد خاندان کی عزت سب برباد کر دیتا ہے کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا تو کیا خدا کی محبت اس سے بھی کم ہوگئی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولا کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

کیا عشق مولا لیلیٰ سے بھی کم ہوگیا۔ دیکھو لیلیٰ کی محبت میں مجنوں کی کیا کیفیت تھی پھر تم تو خالق لیلیٰ کے مجنون ہو تمہاری تو اس سے بھی بڑھ کر حالت ہونی چاہیئے خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی ناراضی کا خیال نہ کرو۔ یہ میں نہیں کہتا کہ باؤلے بنو۔ بلکہ مستقیم رہو شریعت پر اور پختہ کار ہو جاؤ محبت میں اگرچہ سارا جہان خلاف ہو جاوے ساری دنیا لتاڑے۔ بُرا بھلا کہے ملامت کرے بقول احقر جامع ؎

تری رضا میں ہے سارا جہاں خفا ہم سے
اگر یہی ہے زیاں تب تو کچھ زیاں نہ ہوا

بلکہ ملامت سے تو عشاق خوش ہوتے ہیں اور ایک راز ہے خوش ہونے کا۔ ایک تو اس سے خوش ہوتے ہیں کہ الحمدللہ ہمیں لوگ اللہ میاں کا عاشق سمجھتے ہیں ایک یہ کہ ضد میں دین اور پختہ ہو جاتا ہے مثلاً شادی کی اور بارات میں صرف چار آدمی لے گئے۔ پھر اس پر چاروں طرف سے لتاڑ پڑنا شروع ہوا تو اس سے اور بھی چڑ پیدا ہو جائے گی اور ضد میں آکر کہے گا کہ اب کی بار اس سے بھی مختصر لو۔ اب کے تو چار آدمی بھی تھے اب کے دیکھنا انشاء اللہ جو چار آدمی بھی ہوں۔ کہو میرا کیا کرتے ہو اگر لتاڑ نہ پڑے تو اتنے پختہ نہ ہوں جتنے لتاڑ میں پختہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے لتاڑ بھی اللہ میاں کی بڑی رحمت ہے بس تو نیک کام پر اگر لتاڑ پڑے تو خدا کا شکر کرو۔ خلاصہ یہ کہ طریق محبت ہے اصل لیکن اس کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے اس واسطے کہ اگر عمل نہ کیا تو محبت باقی نہیں رہتی بلکہ گھٹ جاتی ہے اور گھٹتے گھٹتے بالآخر بالکل ہی فنا ہو جاتی ہے (جیسے چراغ میں اگر تیل ڈالنا چھوڑ دیں تو لو کم ہوتی چلی جائے گی اور رفتہ رفتہ چراغ گل ہو جائے گا) چنانچہ اسی طریق محبت کی طرف اشارہ ہے آیت کے اس جزو میں یُحِبُّهُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَهٗۤ یعنی وہ لوگ ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ اصل تو محبت ہے آگے ان کی علامت مذکور ہے کہ وہ کیسے ہیں وہ ایسے ہیں کہ اَذِلَّةٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ یعنی اللہ کے ماننے والوں کے سامنے تو نرم ہیں کیونکہ

جس سے محبت ہوتی ہے اس کے متعلقین سے بھی محبت ہوتی ہے اور اللہ کے مخالفین کے سامنے سخت ہیں یعنی یہی نہیں کہ ان سے محبت اور میل جول نہیں بلکہ ان سے اعراض ہے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ ہے محبت کا یہی مقتضا ہے کہ محبوب کے مخالفین سے اعراض ہو۔ صاحب یہ کیسی محبت ہے کہ محبوب کی نافرمانی کرنے والوں سے بھی محبت ہے حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ آپ نہ پاویں گے ان لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کے ساتھ چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا اولاد ہوں یا بھائی ہوں یا چاہے ان کا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان سب کو مخاطب کر کے صاف کہہ دیا ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

(ہزار رشتہ دار جو خدا سے بے تعلق ہوں اس ایک بیگانہ شخص پر قربان جو خدا کا دیوانہ ہے)۔

اور صاف کہہ دیا کہ سن لو صاحب ہم میں تم میں میل نہیں ہے ہمارا تمہارا مذہبی اختلاف ہے ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں بس معاف

کرو۔ خیر اگر اتنی ہمت نہ ہو تو کم از کم محبت اور دوستی تو نہ ہو میل جول شادیوں میں شرکت وغیرہ یہ اور بات ہے۔ ؏

مل گئے صاحب سلامت ہو گئی

حدیث شریف میں بھی اہل باطل کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے کا حکم ہے ارشاد ہے لَا تُصَلُّوْا عَلٰى جَنَائِزِهِمْ وَلَا تَعُوْدُوْهُمْ یعنی اگر بیمار پڑ جائیں تو جا کر ان کی عیادت مت کرو اور اگر مر جائیں تو اُن کے جنازے کی نماز مت پڑھو اگر مخالفین حق سے قطع تعلق ہو ہی گیا ہو تو ہو جانے دو۔ آخر یہ علاقے کیا کام آئیں گے بلکہ ان علاقوں کے قطع ہو جانے پر حق سبحانہ تعالیٰ ایسی ایسی بشارتیں دے رہے ہیں فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ یعنی یہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے آگے سبحان اللہ کیا وعدہ ہے وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ یعنی خدا نے مدد دی ان کو ایک روح کے ساتھ وہ روح کیا ہے نسبت باطنی خدا کے ساتھ اس سے ایسی قوت قلب میں پیدا ہوتی ہے کہ اگر سارا عالم بھی مخالف ہو جائے تو بھی کچھ پرواہ نہیں ہوتی تعلق مع اللہ سے ایک نور قلب میں پیدا ہوتا ہے اس نور کو روح اس لئے کہہ دیا کہ اس سے قلب میں حیات پیدا ہوتی ہے حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق بڑھتا ہے کہ بس یہ شان ہو جاتی ہے ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش   چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس   ہمیں است بنیاد توحید و بس

موحد کے قدموں پر سونا نچھاور کر دیا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دو

امید وخوف اس کو کسی سے نہ ہوگا بس توحید کی بنیاد یہی ہے)
اور بھی بشارت سُنئے وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ یعنی ان کو ایسی جنتوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس سے بھی بڑی نعمت یہ ہوگی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے پھر فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ یہ خدا کی جماعت ہے۔ یہ خدائی پارٹی ہے اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؀ اور سُن لو کہ خدا ہی کی پارٹی کے لوگ فلاح پانے والے ہیں تو حضرت اب کیا تو برادری اور کیا رشتہ داری دور دور کی کہتے ہیں کہ صاحب برادری کو تو چھوڑا نہیں جاتا کیا کریں۔ بہت اچھا صاحب برادری کو نہیں چھوڑا جاتا تو پھر اللہ میاں کو چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک دل میں اللہ بھی ہو اور اللہ کا مخالف بھی ہو تو حضرت نماز روزہ تو ہے مگر محبت نہیں جس کے آثار آگے مذکور ہیں۔ یہ آثار مسلمانوں میں کم ہیں۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ محبت کے آثار یہ ہیں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اللہ والوں کے ساتھ نرم ہیں اور اللہ کے مخالفوں کے ساتھ سخت ہیں ایک تو یہ آثار ہیں دوسرے آثار کیا ہیں یہ ہیں ، يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بڑی محنت کے عمل کرتے ہیں۔ تو دیکھئے محبت کے آثار میں سے عمل بھی ہے اور صاحب کیوں نہ ہو۔ اگر محبت ہو تو وہ ظاہر کیوں نہ ہوگی (بقول شخصے ؏ ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو) بلکہ میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ اگر کہیں تمہارا محبوب مدتوں کے بعد ترستے ترستے تم کو مل جائے تو بھائی ایمان سے کہو

تمہارا کیا جی چاہے گا؟ کیا یہ جی نہ چاہے گا کہ اس کو فوراً سلام کریں اور دوڑ کر اس کے پاس پہونچیں اور جاکر اس سے لپٹ جائیں اور کیا مزے لے لے کر اس سے گفتگو نہ کروگے اور کیا زبان سے یہ نہ کہوگے کہ اللہ کا شکر ہے مدتوں کی آرزو پوری ہوئی اور کیا دعائیں نہ دوگے کہ خدا عمر دراز کرے اور زیادہ ہمت ہوئی تو کیا اس کی جوتیاں بھی ہاتھ میں لے لے کر سر آنکھوں پر نہ رکھوگے اور کیا اس کے تلووں سے آنکھیں نہ ملوگے غرض کیا کیا نہیں کروگے اگر اس سے محبت ہے اور ایک عاشق ایسا ہے کہ معشوق بلا اور یہ منہ پھیر کر بیٹھ گئے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا؟ کہا تم کیا جانو ہم اہل باطن ہیں ہمارے باطن میں محبت بھری ہوئی ہے ہمارا باطن لبریز ہے محبت سے مگر اظہار کی ضرورت نہیں بھائی دنیا میں کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو محبت ہے بلکہ ہر شخص یہ کہے گا اور بالکل سچ کہے گا کہ جھوٹا ہے مکار ہے ؎

تَعْصِي الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ ۔ هٰذَا الْعُمْرِيْ فِي الزَّمَانِ بَدِيْعٌ
لَوْكَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ ۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

ترجمہ:۔ نافرمانی کرتا ہے تو خدا کی اور ظاہر کرتا ہے اس کی محبت کو یہ قسم ہے میری جان کی کہ عجیب بات ہے اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا۔ کیونکہ محب جس سے محبت رکھتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے تو صاحب ایسے شخص کو بھلا کوئی بھی عاشق کہے گا۔ جو کوئی سنے گا یہی کہے گا کہ واہ صاحب اچھے عاشق ہیں اور اچھی محبت ہے کہ معشوق نے پکارا تھا بولے ہی نہیں۔ بلایا تھا گئے ہی نہیں یہ شخص ہرگز

عاشق نہیں جھوٹا ہے نالائق ہے خواہ مخواہ شیخی بگھارتا ہے کیا عاشق ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ اجی حضرت یہ تو بڑی بات ہے کہ کہنا نہ مانا ۔ اہل صدق نے تو ذرا سی بات سے عاشق کو اہل وفا کے زمرہ سے خارج کر دیا ہے چنانچہ کسی ہوسناک کا شعر تھا ؎

اس کے کوچہ سے جب اُٹھ اہل وفا جاتے ہیں
تا نظر کام کرے رو بقفا جاتے ہیں

اب سُنئے ایک عاشق نے اس کا کیا خوب جواب دیا ہے ؎

اس کے کوچہ سے کب اُٹھ اہل وفا جاتے ہیں
وہ ہوسناک ہیں جو رو بقفا جاتے ہیں

جو عاشق ہوگا وہ کوچۂ محبوب سے اُٹھ کر ہی کیوں جائے گا۔ محبوب ہی اٹھ کر چلا جائے تو یہ دوسری بات ہے تو دیکھئے اس کو بھی خلاف محبت کہا۔ صاحب اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تو دعویٰ اور حال یہ کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز پڑھو۔ تو آپ کہتے ہیں نہیں صاحب میں تو نہیں پڑھتا۔ جب زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں تو کہتے ہیں میں نہیں دیتا جب روزہ کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں میں نہیں رکھتا۔ اسی طرح جب خلاف شرع لباس سے شرک سے بدعت سے منع کیا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ نہیں صاحب میں تو نہیں مانتا اور کہنے کو اللہ تعالیٰ کے عاشق ہیں زبان پر ہے ہائے اللہ ہائے اللہ یہ اچھے عاشق ہیں صاحب میں کہتا ہوں کہ جیسے مخلوق کی محبت تھی کہ محبوب کو دیکھتے ہی رہ نہ سکا بدون ہاتھ پاؤں چومے بدون پرلپٹے بدون قدموں پر گرے بدون تلوے چاٹے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے

جھک جانے سے گر پڑنے سے تعریف کرنے سے کیسے رہا گیا۔ اگر محبت ہوتی تو تعظیم کے کلمات بھی کیوں نہ زبان سے نکلتے جھک بھی کیوں نہ جاتا سجدہ میں بھی کیوں نہ گر پڑتا اسی کا تو نام نماز ہے تو نماز تو پڑھتے نہیں اور اللہ تعالیٰ کے عاشق ہیں اچھے عاشق ہیں۔ کوئی شعر سنا تھا یا گانا بجانا سُنا تھا اس پر کودنے لگے بس عاشق ہیں اگر یہی ہے تو پھر سانپ بھی اولیاء اللہ ہیں کیونکہ جب بین کی آواز سنتے ہیں تو وہ بھی مست ہو جاتے ہیں آدمی کیا بہت سے جانور بھی گانے بجانے پر عاشق ہیں۔ بھلا یہ کوئی محبت ہے۔ محبت تو وہ چیز ہے کہ خدا کی قسم نہ گانے کی ضرورت نہ بجانے کی ضرورت اور بے چین ہیں ؎

کسانیکہ یزداں پرستی کنند — برآوازِ دولاب مستی کنند

(جو لوگ خدا کی پوجا کرتے ہیں وہ رہٹ کی آواز پر مستی کرتے ہیں)

بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں ان کی تو ہر وقت یہ شان ہے ؎

خوشا وقت شوریدگانِ غمش — اگر ریش بینند وگر مرہمش

(اس کے غم کے پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے اگر غم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں)

؎ دمادم شراب الم درکشند — وگر تلخ بینند دم درکشند

(ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

؎ گدایانے از بادشاہی نفور — بامیدش اندر گدائی صبور

(ایسے فقیر کہ بادشاہی سے نفرت کرنے والے اس کی اُمید پر فقیری میں قناعت کرنے والے)

حضرت ان کے سر پر ہر وقت آرے چلتے ہیں ان کی حالت کی دوسرے کو کیا خبر کسی نے خوب کہا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

(اے تیرے پاؤں میں تو کانٹا تک نہیں لگا تو ان شیروں کا حال کیا جانے جن پر مصیبت کی تلوار پڑی ہے)

کسی کو کچھ خبر نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے ۔ وہاں تو ہر وقت یہ حالت ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(مقتولانِ خنجرِ تسلیم تو ہر گھڑی یادِ خدا میں لذّت محسوس کرتے ہیں)

ان کی حالت تو یہ ہے کہ ان سے ذرّہ برابر نافرمانی نہیں ہوتی حضرت عشق اور محبّت تو یہ ہے کہ اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں یعنی صرف عمل نہیں بلکہ سخت سے سخت محنت کے کام کرتے ہیں پھر ایسوں کو بھلا کہاں بھوک پیاس کہاں چین آرام کہاں حظوظ ولذائذ کا اہتمام کہاں مرغن کھانوں کی رغبت ہاں خدا دے تو کھا بھی لیتے ہیں مگر اہتمام نہیں نہ ان چیزوں سے ان کو دلچسپی بلکہ ان کا مذہب یہ ہوتا ہے ؎

عاقبت سازد ترا از دیں بری این تن آرائی واین تن پروری

(تیرا بدن سجانا اور تن پروری آخر کار تجھ کو دین سے دور کر دے گا۔)

وہ تو ان سب خرافات سے یکسو ہو چکے ہیں اور ہر وقت خدا جانے

کس شغل میں ہیں (بقول احقر جامع ؎

اب تو میں ہوں اور شغل یاد دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

چونکہ وہ اہل محبت ہیں اس واسطے سخت سے سخت کام بھی کر لیتے ہیں مشکل سے مشکل کام بھی ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ بقول احقر جامع ؎

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

تو دیکھئے خود حق تعالیٰ کے ارشاد یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے معلوم ہوا کہ محب کے واسطے عمل معاف نہیں بلکہ اس پر اور زیادہ محنت پڑتی ہے ۔ نیز محبّت کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَةَ لَآئِمٍ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے ۔ کوئی کچھ کہے پرواہ نہیں کرتے اپنے کام میں مشغول ہیں کوئی کچھ ہی کہا کرے ذرہ برابر التفات نہیں کرتے فرماتے ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اور اللہ میاں بڑی وسعت والے ہیں تو سب کو یہ نعمت عطا فرما دیں مگر وہ علیم بھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ کون دینے کے قابل ہے کون نہیں ۔ جو مانگتا ہے اسی کو دیتے ہیں کسی کے سر نہیں منڈھتے یہ آیت کا ترجمہ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ کن لوگوں کی مدح ہے اور مدح کا کیا حاصل ہے ۔ مدح کا حاصل یہ ہے کہ خدا سے کامل محبّت رکھتے ہیں ۔ خدمت اور طاعت میں پوری مشقت اٹھاتے ہیں ۔ اور کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے بس اسی

شان کے شخص کو قلندر کہتے ہیں اور یہی معنی قلندر کے حضرت عراقی کے
اس شعر میں ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(میرے مرشد مجھ کو تو طریق جذب کا رستہ دکھلا دے، کیونکہ محنت و ریاضت کا راستہ بہت دشوار معلوم ہوتا ہے)
تو گویا عراقی کا شعر خلاصہ ہے قرآن مجید کی آیت کا اور قرآن مجید کی آیت تفصیل ہے عراقی کے قول کی پس قلندر وہ ہے جس میں عمل اور محبت دونوں جمع ہوں اور جس کی یہ شان ہو ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا جام دوسرے ہاتھ میں عشق کا ہتوڑا۔ ہر بوالہوس جام اور سندان سے کھیلنا نہیں جانتا)
احقر جامع کا شعر ہے ؎

دیکھا نہ زمانہ میں مجذوب سا مستانہ
فرزانہ کا فرزانہ دیوانہ کا دیوانہ

اور رہ پارسائی وہ ہے جس میں نرا عمل ہو بلا محبت اب میں صرف پانچ منٹ اور بیان کروں گا پھر ختم کر دوں گا چونکہ بہت دیر ہو گئی ہے اس لئے نیت تو یہیں ختم کر دینے کی تھی لیکن اصل مقصود بیان کرنے سے باقی رہ گیا ہے یعنی رہ قلندر کی حقیقت بیان تو ہو چکی ہے مگر اس کا طریق عمل بیان کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ محض حقیقت کا معلوم

ہو جانا عمل کے لئے کافی نہیں لہٰذا رہ قلندر کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسا طریق ہے جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے۔ پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا چاہیئے سو عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمت کرو عمل ہو جائے گا پس اُس کا یہی طریق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیونکر پیدا ہو تو لیجئے میں اس کا ایک نسخہ لاکھوں روپیہ کا مفت بتائے دیتا ہوں وہ نسخہ مرکب ہے چند اجزاء سے اور وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں غور سے سنئے وہ چند چیزیں ہیں سب سے اول ہے عمل کیونکہ میں اول ہی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کر دینے کی اور اس کو بہت بڑا دخل ہے محبت پیدا کرنے میں چاہے تجربہ کر لو روز روز کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہو جاوے گی پہلے تھوڑی ہو گی پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جاوے گا کہ بہت ہی زیادہ غرض یہ مسلم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہو گا اتنی ہی زیادہ محبت ہو گی وہ جو کہتے ہیں کہ پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہے غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اس سے محبت حق پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو مدت سے نیک عمل کر رہے ہیں۔ مگر محبت پیدا نہیں ہوئی جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک یہ ہی جز تو نہیں کہ بس عمل کر لیا بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزاء سے بھی ایک جز تو عمل کرنا ہے دوسرا جزیہ ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے مثلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے نیک عمل جس طرح کیا جاتا ہے اور جو اس کا مامور بہ طریق

ہے اس طریق سے اس کو کرو۔ پھر دیکھو محبت کیسے پیدا نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ تعالےٰ کی محبت بڑھ جاوے عمل میں یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہو جائے سو اس نیت سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے بہرحال ایک جز تو اُس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیادِ محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لو جی لگا کر یعنی تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو تیسری بات یہ ہے کہ بہت ہی ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اوّل تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جاکر رہیں بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل ہو گئے بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے ہاں تم مکبل تو ہو گئے یعنی کمبل پوش۔ باقی نہ کامل ہوئے نہ مکمل۔ ارے بھائی موٹی بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتیٰ کہ اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا اندازہ بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت اور خط کی کشش کو دیکھے ہوئے ہرگز خوشنویس نہیں ہو سکتا غرض بدون صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا لہٰذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا ہے مگر ابتداء میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں اور آج

کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی تو وہاں تو ہوتی ہے اصلاح پہونچتے ہی تاڑ پڑنا شروع ہو گئی تو اب یہ حضرت گھبرائے کہ میاں کس مصیبت میں آ پھنسے ہم تو آئے تھے بزرگ سمجھ کر انھوں نے تاڑنا ہی شروع کیا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں یہ کیسے اللہ والے ہیں اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی معدہ کا مریض طبیب کے پاس جا کر کہے کہ دیکھو جی ہم اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے حلوے ہی ہمارے لئے تجویز کرنا ذرا حماقت تو دیکھئے حالانکہ خدا کے فضل سے آپ کو دست بھی ہو رہے ہیں معدہ بھی خراب ہے۔ ہضم بھی درست نہیں۔ یہ تو حضرت کی حالت اور حلوے کی فرمائش طبیب بھلا اس کی رعایت کیوں کرتا۔ اس نے اس کی حالت کے مناسب کڑوا مسہل تجویز کیا اور جب اس نے پینے سے انکار کیا اور تین پانچ کی تو گرا کر زبردستی چمچوں کے ذریعہ سے پلا دیا لیکن اس نے قصداً قے کر کر کے سارے پیئے ہوئے مسہل کو پیٹ سے نکال دیا آپ قے کرتے جاتے ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں کہ واہ جی ہم تو اپنے گھر میں حلوے کھایا کرتے تھے حکیم جی نے نہ جانے کیا الابلا پلا دی کاش کوئی خیرخواہی سے کہتا کہ ارے بے وقوف تو کیا سمجھے۔ تجھے جو وہ اس وقت کڑوا مسہل پلا رہا ہے تو تیرے ساتھ وہ دشمنی نہیں کر رہا ہے بلکہ دراصل وہ تجھے حلوے کھانے کے قابل بنا رہا ہے ابھی تیرا معدہ حلوے کے قابل نہیں ایسی ہی حالت میں حلوہ کھانے سے تو تجھے دست ہو رہے ہیں تو حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوتی ہے مولانا نے مثنوی میں اسی مضمون کو ایک حکایت کے ضمن میں لکھا ہے۔ حکایت یہ تھی

ہے کہ ایک قزوینی نے ایک دلاک سے کہا کہ تم میرے شانہ پر ایک تصویر شیر کی گود دو چنانچہ اس نے گودنا شروع کیا اور سوئی لے کر کچ سے کر دیا قزوینی کو جو تکلیف ہوئی تو ہائے واویلا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ ارے میاں یہ کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا کہ کر کیا رہا ہوں شیر کی شکل بنا رہا ہوں پوچھا کس عضو سے شروع کیا ہے کون سی چیز بنا رہے ہو۔ کہا دُم کی طرف سے شروع کیا ہے دُم بنا رہا ہوں کہا میاں اس شیر کے لئے دُم کی کیا ضرورت ہے بے دُم ہی کا سہی۔ اجی چھوڑ بھی اس دُم کو میرا تو اس نے دَم ہی نکال دیا۔ پھر اس نے دوسری طرف سے شروع کیا۔ پھر کچ سے سوئی چبھوئی پھر وہ چیخنے چلانے لگا اور پھر پوچھا کہ اب کون سا عضو بنا رہے ہو کہا کہ اب کی دفعہ کان بنا رہا ہوں وہ بولا ارے میاں بعضے شیر بوچے بھی تو ہوتے ہیں کان بھی چھوڑ دو۔ بوچا ہی شیر سہی۔ پھر تیسری جگہ سوئی لگائی تو وہ پھر چلانے لگا اور پوچھنے لگا کہ بھائی اب کیا بنا رہے ہو۔ کہا پیٹ۔ کہا میاں تم بھی عجب آدمی ہو اجی وہ سُسرا کھائے پیئے گا تھوڑا ہی جو پیٹ بنا رہے ہو۔ یہ بھی رہنے دو۔ اب تو دلاک کو بڑا غصہ آیا۔ سوئی اٹھا کر زمین پر پھینک دی اور جھلا کر کہا ؎

شیر بے گوش و سر و اشکم کہ دید — ایں چنیں شیرے خدا ہم نا فرید

میاں ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا جس کے نہ سر ہو نہ کان نہ پیٹ

پھر مولانا اس سے نتیجہ نکالتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

چوں نداری طاقت سوزن زدن — ایں چنیں شیر ژیاں پس دم مزن

تم جو شیخ کے پاس اصلاح کے لئے آئے ہو تو اس کی سختی اور لتاڑ کو برداشت کرو اور اگر قزوینی کی طرح سوزن کی برداشت نہیں ہے

تو شیر کا نام ہی مت لو۔ اصلاح کی درخواست ہی نہ کرو بھائی وہاں تو اصلاح اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوگی۔ پھوڑا لے کر گئے ہو تو نشتر لگے ہی گا اب وہاں تو نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال ہے ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق — تو بجز نامے چہ می دانی زعشق

(تو تو عشق کے زخم سے ہی بھاگتا ہے تو نے عشق کے نام کے سوا دیکھا ہی کیا ہے)

بس نام ہی نام ہے عشق کا ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگے وہاں کا تو ادب یہ ہے کہ ؎

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش
سست و ریزندہ چو آب و گل مباش

(جب تو نے پیر کا انتخاب کر لیا تو نازک دل نہ بن۔ پانی اور مٹی کی طرح سست اور گرنے والا نہ بن)

در بہر زخمے تو پُر کینہ شوی — پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

(اگر ہر زخم پر بغض اور کینہ دل میں رکھنے لگے گا تو تو کیسے بغیر پالش کے آئینہ بن جائے گا)

یہ مصیبت ہوگئی ہے تو حضرت نرا وظیفہ اصلاح کے لئے ہرگز کافی نہیں نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے تو اہلِ محبت کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کرو تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہو جائے گا اور خدا کی قسم اس قدر محظوظ ہو گے کہ تمہاری نظر میں پھر سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت نہ رہے گی۔ حضرت حافظؒ فرماتے ہیں ؎

چو بیخود گشت حافظ کے شمارد　　بیک جو مملکت کاؤس کے را

(جب حافظ بیخود ہو گیا۔ ایک جَو کے برابر بھی کیکاؤس کی حکومت کو کب شمار میں لا سکتا ہے)

جامع کے شعر ہیں ؎

دل ہے وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یار کے سوا
میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں

؎

کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں اے صاحب میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر لے گا۔ وہ ایسا ہو جائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہوگا نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وباء کا کوئی غم نہ رہے گا بس بالکل جنّت کی سی حالت ہو جائے گی۔ ہاں غم ہوگا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں۔ نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض بس اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہوگا مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پر نثار اس شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اس کے عوض اپنی ساری خوشیاں تمہیں دے دیں تو کبھی نہ بدلے گا تو حضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے اور ان کا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق کا یہ ہے کہ اعمال میں ہمّت کر کے شریعت کے پابند رہو ظاہراً و باطناً اور اللہ اللہ کرو۔ اور کبھی کبھی

اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو۔ اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ لو جی یہ چار چیزیں ہیں۔ میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ جو ان چار پر عمل کر کے دکھلاوے گا وہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ کا مصداق یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محب ہو جاوے گا۔ ضرور ہو جاوے گا۔ ضرور ہو جاوے گا۔ ضرور بالضرور ہو جاوے گا۔ تو صاحب اب اختیار ہے جو چاہے عمل کر کے دیکھ لے اور تجربہ کر لے اور اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جاوے اجی کس کی پیری مریدی لئے پھرتے ہو یہ تو پھنڈ ہے بیعت کی صورت ضروری نہیں اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے۔ احقر جامع کا شعر ہے ؎

تین حق مرشد کے ہیں رکھ انکو یاد　　اعتقاد و اعتماد و انقیاد

جیسے طبیب سے رجوع کرتے وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ تحقیق نیت کرتا ہوں میں کہ آج سے بناؤں گا تم کو طبیب اپنا اللہ اکبر اسی طرح اس کی کیا ضرورت ہے کہ پیر کہے میں نے تمہیں مرید کیا اور مرید کہے میں نے تمہیں پیر بنایا اس پٹہ اور قبولیت کی ضرورت ہی کیا ہے اگر پکّے کاشتکار ہو گے اور طریقہ سے کاشتکاری کرو گے تو بلا پٹہ اور قبولیت کے بھی غلہ پیدا ہوگا۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کر دو بس ہو گیا تعلق۔ واللہ وہی نفع ہوگا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو نہ کریں بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے۔ چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کر لیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے ان سے تو لوگ بہت خوش ہیں اور میں

مرید تو کرتا نہیں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیر کے وہ انچھر ہیں پریم کے وہ مریدوں ہی کو بتائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو انچھر بتا دے گا اور اللہ والے ہو جائیں گے۔ دھرے تھے انچھر دھرے تھے بھید ڈلے پتھر۔ میاں خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لو اور احکام بجا لاؤ۔ بس یہی انچھر ہیں اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو، یہی بھید ہیں اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم باآواز دُہل کہیں گے کہ ہاں یہی ہے اور اس طریق میں کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئیں گے بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہوں گی یہ سب ہوگا مگر یہ مقصود نہیں ہے۔ بھائی حالات تو سڑک کے درخت ہیں پھولوں کے نظر آتے تو کیا نہ نظر آئے تو کیا سڑک تو بہرحال قطع ہوگی درختوں اور پھولوں کا نظر آنا سڑک کے قطع ہونے کے لئے ضروری نہیں نظر پڑیں گے تب قطع ہوگی نہ نظر پڑیں گے تب قطع ہوگی بس چلتے رہنا شرط ہے اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر بھی نظر نہیں آتے واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ طریق میں بس ایسے ہیں جیسے سڑک پر دو طرفہ درخت لگے ہوں گلاب اور بیلے کے کبھی نظر نیچی کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر پڑیں یا نہ پڑیں افسوس ہے تصوف کا ناس کر دیا ہے ان جاہل صوفیوں نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے کہتے ہیں چلّے کھینچو بیوی کو طلاق دے دو اولاد کو عاق کر دو دروازہ کو تیغا کر دو چالیس چنے رکھ لو اور ایک چنا روز کھاؤ بدون اس کے اصل فقیری

ملتی ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں واللہ دوشالوں میں گدے تکیوں میں سلطنت میں مرغن کھانوں میں فقیری ملتی ہے مگر گھر میں نہیں شیخ کامل کی خدمت میں ملتی ہے چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جن کی شان اتنی بڑی ہے کہ مولانا روم جیسے عارف کی ان کے بارہ میں یہ رائے ہے ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت — ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(عطار نے عشق کے سات شہروں کی سیر کی ہے ہم تو ابھی (عشق کے) ایک کوچہ ہی کے پیچ وخم میں چل پھر رہے ہیں)۔

وہ فرماتے ہیں ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا — دامن رہبر بگیر و پس بیا

(اے دل اگر اس محبت کے سفر کو طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو کسی رہبر کامل کے دامن کو مضبوط پکڑے چلا آ)

؎ در ارادت باش صادق اے فرید
تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید حسنِ عقیدت وارادت کا دامن (کبھی) نہیں چھوڑنا چاہیئے تاکہ تجھ کو گنج معرفت کی کنجی حاصل ہو جائے۔)

؎ بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

(بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اُس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا)۔

مگر شیخ ہونا چاہیئے کامل اور کامل شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا

پورا متبع ہو بدعت اور شرک سے محفوظ ہو کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اس علاج سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے اور اس کے اِتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے یہ علامت ہے شیخ کامل کی ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیرِ اعظم ہے تو یہ ہے طریقہ محبّت پیدا کرنے کا اس سے تو ہوگی محبّت آگے رہا عمل تو اُس کے لئے ضرورت ہوگی ہمّت کی۔ اب ایک اور غلطی میں لوگ مبتلا ہیں کہ پیر بنا کر اس کو پلّہ دار اور ذمہ دار اعمال کا سمجھتے ہیں اس میں ان کا قصور نہیں کیونکہ ان کو بہکایا ہے دوکانداروں نے چنانچہ ایک گاؤں میں ایک پیر صاحب آیا جایا کرتے تھے ایک بار آئے تو کچھ دُبلے ہو رہے تھے گھر پر مرغن کھانے نہ ملے ہوں گے۔ ایک چودھری نے جو مُرید تھا دیکھ کر کہا کہ اے پیر یہ کیا بات ہے توں (یعنی تو) دُبلا بہت ہو رہا ہے اب کیا تھا اُنھیں موقع مل گیا کہا چودھری جی دُبلا نہ ہوں تو کیا ہوں تمہاری طرف سے کام بھی تو مجھے بہت کرنے پڑتے ہیں تم نماز نہیں پڑھتے تمہاری طرف سے مجھے نماز پڑھنی پڑتی ہے تم روزے نہیں رکھتے تمہاری طرف سے مجھے روزے رکھنے پڑتے ہیں اور سب سے مشکل کام یہ ہے کہ تمہاری طرف سے مجھے پلصراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے بس اِسی فکر میں جان سوکھی جاتی ہے اب تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ کیوں دُبلا ہو رہا ہوں ان ہی وجہوں سے دُبلا ہو گیا یہ سُن کر

چودھری کو بڑا رحم آیا کہنے لگا وَہْ وَہْ (کلمہ تاسف) ارے پیر تجھے تو بڑے کام کرنے پڑیں ہیں تیرے اوپر تو بڑی محنت پڑے ہے جا میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت دیا۔ پیر صاحب نے سوچا کہ یہ گاؤں کے لوگ ہیں ان کا کیا اعتبار ہے ابھی چل کر کھیت پر قبضہ کرنا چاہیئے ورنہ ممکن ہے بعد کو رائے بدل جائے فوراً کہا کہ چودھری جی میں نے تمہارا وہ کھیت کبھی دیکھا نہیں چل کے مجھے دکھا دو اور قبضہ کرا دو اس نے کہا چل۔ اب پیر صاحب تو آگے آگے اور مُرید صاحب پیچھے پیچھے۔ کھیتوں میں راستہ نہیں ہوتا پتلی پتلی ڈولیں ہوتی ہیں خاص طور سے مونجی اور دھان کے کھیتوں کی ڈول بہت اونچی اور پتلی ہوتی ہے اور کھیتوں میں پانی بھرا رہتا ہے۔ یہ دونوں بھی ایک پتلی سی ڈول پر چلے جا رہے تھے دفعتہً پیر صاحب کا پاؤں پھسلا اور دھڑام سے نیچے آ رہے کیونکہ پانی کی وجہ سے مٹی بھی چکنی ہو رہی تھی چودھری نے کود کر اوپر سے ایک لات رسید کی اور کہا کہ سُہرے تو تو کہے تھا کہ میں پلصراط پر چلوں ہوں جو بال سے بھی باریک ہے تو بالکل جھوٹا ہے ایک بالشت چوڑی مینڈ پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا بال سے باریک پلصراط پر تو تو ضرور چلتا ہو گا۔ جا میں کھیت نہیں دیتا میں تو پلصراط کے بدلے دوں تھا اب کیوں دوں کھیت بھی بیچارے کے ہاتھ سے گیا۔ پانی میں جُدا گرا اور اوپر سے لات پڑی سو الگ۔ تو جناب ان جاہلوں کو ایسے دوکانداروں نے یہ پٹّی پڑھا رکھی ہے کہ تمہیں کچھ عمل کرنے کی ضرورت نہیں سب ہمیں کر لیں گے بس اب وہ سچّے پیروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں چنانچہ میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ صاحب

تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی دُعا کر دو کہ آنکھ کھلا کرے میں لکھ دیتا ہوں کہ اچھا میں اس شرط پر دعا کروں گا کہ آپ میرے لئے یہ دعا کر دیجئے کہ میری ایسی ٹانگیں ہو جائیں کہ میں روز کلکتہ پہونچ کر اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اٹھا دیا کروں۔ بے وقوف ہوئے ہو۔ آنکھ نہیں کھلتی تو میں کیا کروں۔ میاں اُٹھو کسی طرح۔ اور اگر کسی طرح نہیں اُٹھا جاتا تو عشاء کے بعد ہی تہجد کی رکعتیں پڑھ لیا کرو غرض ہر چیز کا علاج ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ وظیفہ پورا نہیں ہوتا کوئی ایسی توجہ دیجئے کہ وظیفہ پورا ہو جایا کرے پس سارے کام توجہ ہی سے چلانا چاہتے ہو لاؤ میں توجہ کی حقیقت ظاہر کر دوں صاحبو کہیں دوسرے کی توجہ سے بھی کام چلتا ہے جب تک کہ خود توجہ نہ کرے اور ہمّت سے کام نہ لے سارا کام ہمّت پر موقوف ہے بے وقوف یوں سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ پیروں کے ہاتھ میں ہے۔ پیر تو بے چارے کیا چیز ہیں خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطالب کے لئے بہت چاہا کہ مسلمان ہو جائیں مگر ہدایت نہ ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو ارشاد ہوا اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں لیجئے جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنی توجہ سے ہدایت نہ کر سکے تو پیر بے چارے تو کیا کرتے دیکھا آپ نے اب تو صاحبو آپ کو توجہ کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ پھر ایک اور غضب یہ ہے کہ دین تو دین دنیا کے کام بھی پیر ہی کے سپرد کئے جاتے ہیں ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ یہاں اتنے آدمی اب تک طاعون میں مر چکے ہیں خیر جو

مر چکے وہ تو مر چکے اب جو زندہ ہیں ان کی خیریت چاہیئے ایسی دُعا کیجئے کہ وہ نہ مریں میں نے لکھا کہ حضور آپ کو تو ماشاء اللہ وہاں کی انسپکٹری مل گئی ہے جو وہاں کے انتظامات کی فکر ہے لیکن مجھے ابھی ٹھیکیداری نہیں ملی۔ تم تو انسپکٹر ہو گئے ہو مگر میں تو ٹھیکیدار نہیں ہوا۔ یہ تو ایسی درخواست ہے کہ گویا حوالات سے اتنے مجرم تو بھاگ گئے بقیہ کا میں پہرہ دوں سو مجھے اس چوکیداری سے معاف رکھئے اس قسم کی حماقتیں کرتے ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہ شرک میں مبتلا ہو گئے لوگ غرض یہاں تو جو کچھ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور تم چاہتے ہو کہ کچھ کرنا نہ پڑے۔ پیر کی توجہ ہی سے سب کام بن جائیں اور کمال حاصل ہو جائے ارے بھائی جن سے یہ درخواست ہے پہلے ان سے تو تحقیق کر لو کہ انھیں جو کمال حاصل ہوا ہے وہ کاہے سے حاصل ہوا ہے حضرت چکی پیسنے سے پہلے چکی پیسی پھر آٹا نکل آیا پھر پانی ڈال کر آٹا گوندھا پھر روٹی بنا کر توے پر ڈالی پھر وہ پک گئی پھر کھا لی اب تم چاہتے ہو کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور پیٹ بھر جائے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی دو شخص ہم سفر تھے کسی مقام پر روٹی پکانے کے لئے ٹھہرے تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ آٹا تو میں لے آؤں گا لکڑی تم لے آؤ۔ اس نے کہا بھائی مجھ سے تو نہیں اٹھا جاتا میں تو بہت تھک گیا ہوں تمہیں دونوں چیزیں لے آنا۔ خیر وہ آٹا بھی لے آیا۔ لکڑی بھی لے آیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں آگ جلاؤں تم آٹا گوندھ لو۔ کہا جی صاحب معلوم نہیں پتلا ہو جائے سخت ہو جائے پھر تم خفا ہونے لگو بس تمہیں گوندھ لو۔ بیچارے نے آٹا بھی گوندھ لیا پھر اس نے کہا تم توے پر روٹی ڈالتے جاؤ میں

سینکتا جاؤں۔ کہا میں نے بھائی کبھی روٹی پکائی نہیں کچی رہ جاوے
جل جائے تمہیں اچھی پکاؤ گے خیر اس نے روٹی بھی پکالی۔ جب سب
ہو ہوا چکا اور روٹی پک پکا کر تیار ہوگئی تو اس نے ساتھی سے کہا کہ
آؤ روٹی تیار ہے کھالو کہنے لگا بھائی تمہارے خلاف کرتے ہوئے بہت
دیر ہوگئی اب کہاں تک خلاف کروں اور کب تک انکار کرتا رہوں
شرم آتی ہے اچھا لاؤ کھاؤں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بس احسان جتلا
کر کھانے بیٹھ گئے خیر غنیمت ہے ایک بات تو مانی۔ تو اب تم چاہتے
ہو کہ ایسا پیر ملے جو پکی پکائی کھلا دے لیکن ایسا نہ ہوگا ع این خیال
است و محال است و جنوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
تو پکی پکائی کھلائی ہی نہیں اور کسی کی تو کیا ہستی ہے اور کیا مجال ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو غایت شفقت سے بہت چاہتے تھے کہ
پکی پکائی ہی کھلادیں مگر غیرت حق اور مصلحت دین کی بنا پر اللہ تعالیٰ
نے اس کی اجازت نہ دی تو بھائی خوب سمجھ لو کہ کام کرنے ہی سے کام
چلے گا بس طریق یہی ہے کہ کام کرو محنت کرو خدا برکت دے گا۔ اگر
کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کام کرو اور
محنت کرو جیسا کہ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے میں ثابت کر چکا ہوں۔
خلاصہ یہ کہ جو پیر ایسا کامل مکمل ہو اور جس میں مذکورہ علامتیں
ہوں اس کی خدمت میں رجوع کرو لیکن بیعت پر اصرار نہ کرو۔
درخواست پر اگر وہ کرلے اس کی عنایت ہے باقی تم اس کو دق نہ کرو
پھر جو وہ کہے کرو۔ اگر محنت کراوے محنت کرو۔ ذکر و شغل کراوے
ذکر و شغل کرو۔ غرض اس کی فکر میں لگ جاؤ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت

میسر آئے اب آخر میں یہ عرض ہے کہ مقصود میں کوتاہی کرنے والے دو
قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں انکو چاہیئے کہ
اپنے قصد کو پختہ کریں اور ہمت سے کام لیں دوسرے وہ ہیں جن میں
محبت کی کمی ہے وہ اہل محبت کی صحبت اختیار کریں غرض یہ دونوں
چیزیں لازم طریق ہیں ایک عمل دوسری محبت اول میں ہمت کی
ضرورت ہے دوسرے میں اہل اللہ کی صحبت اور ان کے اتباع کی
اس سے ان صفات کے جامع اور ان ثمرات کے مستحق ہو جاؤ گے جو اس
وقت بہ ضمن آیت قرآن بالتفصیل بیان کئے گئے۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا
میں کہہ چکا اب میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں اور اس کا نام اس کی
خصوصیات کے لحاظ سے جو کہ ظاہر ہیں طریق القلندر رکھتا ہوں اس
نام میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قلندر کے متعلق چونکہ عموماً لوگ بہت
غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اس نام کو سن کر یا دیکھ کر بے اختیار ان کو یہ
اشتیاق ہوگا کہ لاؤ دیکھیں اس وعظ میں طریق قلندر کی کیا حقیقت
بیان کی گئی ہے اور جب دیکھیں گے تو ساری عمر بھر کے لئے ساری غلط
فہمیوں سے محفوظ ہو جائیں گے اور حضرت حافظ کے ان اشعار کی
حقیقت کی تحقیق اور حقیقت کی تصدیق ہو جاوے گی ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند   نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(یعنی جو شخص بھی چہرہ آراستہ کرے یہ لازم نہیں کہ دلبری جانتا ہو جیسے
جو شخص آئینہ بناتا ہو یہ لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو)

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست   نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(اس جگہ ہزاروں باریکیاں بال سے زیادہ باریک ہیں جو شخص بھی سر

منڈائے ضروری نہیں کہ قلندری بھی جانتا ہو)۔
اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں اور قلندر کی جو صفت اس وقت کتاب و سنّت اور اقوال مشائخ وائمہ طریق سے بیان کی گئی ہے اس کا پورا پورا مصداق بنائیں اور ہر قسم کی گمراہی اور کجی سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھیں چونکہ یہ بیان حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے قریب ہوا جس میں حضرت کا روحانی فیض شامل ہونا بھی بعید نہیں اس لئے میں اس کا ثواب حضرت کی روح مبارک کو پہونچاتا ہوں۔ (پھر سارے مجمع نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور بعد دُعا حضرت نے فرمایا کہ مصافحہ سے معافی چاہتا ہوں مجھ کو بھی تکلیف ہوگی اور سب کو تکلیف ہوگی گیارہ بج چکے ہیں رات زیادہ ہوگئی سب صاحب آرام فرمائیں) فقط۔

وعظ تمام شُد۔ اشرف علی

جامع وعظ ہذا احقر عزیز الحسن عرض کرتا ہے کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہ معرکۃ الآرا وعظ تقریباً چودہ برس بعد آج ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ یوم چہار شنبہ ٹھیک اذان مغرب کے وقت سہ دری حضرت حاجی صاحبؒ میں بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر صاف ہو کر قابل اشاعت ہوا اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرمائے اور میرے لئے کفارۂ سیئات و ذخیرۂ آخرت کرے جو صاحب فائدہ اٹھائیں حضرت واعظ مدظلہم العالی کی طویل حیات با ہیں فیوض و برکات کے لئے نیز

جامع وعظ اور ناشر وعظ کے لئے توفیق مرضیات وحُسن خاتمہ کی دُعا فرمائیں جناب مولوی حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری کے لئے بھی دعا فرمائیں جن کے مسودہ اجمالی سے مجھ کو مدد ملی اور تسوید تفصیلی میں بھی بہت سے مشکل مقامات ان سے حل ہوئے مکرمی حافظ صغیر احمد صاحب سے بھی بہت مدد ملی کیونکہ نقل و مقابلہ انھیں نے کیا اور اگر وہ رات دن محنت کر کے اس کام کو نہ کرتے تو سارے کام اتنی قلیل مدّت میں ہرگز ختم نہ ہو سکتے تھے ان کے لئے بھی دُعا کی جائے اب آخر میں یہ احقر بھی اس وعظ کی تبیض وثواب بہ تبعیت حضرت واعظ مدفیوضہم العالی حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی روح پُرفتوح کو پہونچا کر ختم کرتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

وَالسَّلَامُ خَیْرُ الْکَلَامِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ۔
۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

قال تعالیٰ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ الآیہ

مصداق آیت بالاحق تعالیٰ تک پہنچنے کا سہل اور سیدھا راستہ بتانیوالا

مفید رسالہ مسمیٰ بہ

تسہیل قصد السبیل

مع پنج رسائل

یعنی السبیل[1] لعابری السبیل و تسہیل[2] رسالہ الیم فی الیم و تسہیل رسالہ[3] الطم فی السم و بعضے[4] آداب شیخ۔ و بعضے[5] آداب معاشرت

ملقب بہ

لطائف ستہ

جسمیں اکثر حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی الطریقہ حضرت مرشدنا و مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب چشتی قدس سرہ کے افادات ہیں

جیساکہ تمہید سے واضح ہے

ناشر

کتب خانہ مظہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید مضامین ستّہ تصوّف مُلقب بہ لطائف ستّہ

حمد و نعت کے بعد گذارش ہے آیت وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ راہ حق سب راہوں سے معتدل اور قریب اور سہل ہے مگر آج کل کے نام نہاد صوفیوں نے راہ حق کے شعبہ تصوف کو افراط و تفریط اور خود تراشیدہ لغویات سے ایسا دشوار اور تنگ کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ اسی لیے حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی الطریقۃ حضرت مولانا مولوی حاجی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی قدس سرہٗ نے رسالہ قصد السبیل الی المولی الجلیل" تالیف فرمایا جس میں تصوف کا معتدل ہونا اس طرح دکھایا ہے کہ فساد عقیدہ کا نشان نہیں رہا اور قریب ہونا اس طرح ظاہر کیا ہے کہ ناامیدی کا وہم نہیں رہا اور سہل ہونا اس طرح بیان کیا ہے کہ جس سے کم ہمت اور عدیم الفرصت بھی کمربستہ ہو جاتے ہیں مگر چونکہ یہ رسالہ بہت زیادہ عام فہم نہ تھا اسلیے حضرت مؤلف کے خلیفہ شاہ لطف رسول صاحب نے اس کی تسہیل فرما کر تسہیل قصد السبیل نام رکھا پھر حضرت مؤلف کے مشورہ سے بعض نہایت اہم مگر مختصر مضامین بھی لاحق کر دیے گئے (۱) رسالہ الیم فی الیم (۲) رسالہ النظم فی الیم (۳) بعضے آداب شیخ (۴) بعضے حقوق معاشرت تاکہ اصل رسالہ سے صحیح دستور العمل معلوم ہو جائے اور (۱-۲) جو فن تصوف کی جان ہیں۔ سالک کی خاص پریشانیاں رفع ہو جائیں اور (۳) سے شیخ کے معاملات پر تشدد کی بدگمانی نہ ہو کیونکہ بدگمانی ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے، نیز یہ آداب شیخ ابن عربی کے ایک رسالہ سے جو مستقلاً بھی مع ترجمہ شائع ہو چکا ہے منتخب کیے گئے ہیں اور (۴) سے حقوق معاشرت کی پوری رعایت ہو اور یہ آداب حضرت مؤلف کے رسالہ آداب المعاشرت سے منتخب کیے گئے ہیں حضرت مؤلف نے ان بیش بہا چار اضافوں کی رعایت سے اس مجموعہ کا لقب پنج حاشیہ باطنہ تجویز فرمایا تھا اس مرتبہ ہم اس رسالہ السلسبیل العابری اور مفید اضافہ رسالہ السلسبیل العابری السبیل جو حضرت مؤلف کا ایک ملفوظ ہے اور رسالہ النظم کی تسہیل کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور اس مجموعہ کو بمشورہ حضرت مؤلف لطائف ستہ سے ملقب کرتے ہیں حق تعالیٰ مقبول اور نافع فرمائیں۔ اللّٰھم آمین

تسہیل قصد السبیل

بعبارت مولانا شاہ لطف رسول صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعریف کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو بڑا مالک ہے اور اسی کی طرف (دین کے) سیدھے راستہ کی انتہا ہے اور درود و سلام ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو جن کی برابر کمالات میں کوئی دوسرا نہیں اور وہ اس راستہ کے بہترین رہبر ہیں اور آپ کی اولاد اور اصحاب سب پر بھی درود و سلام ہو جنہوں نے اپنی جان و مال تھوڑا ہو تو بہت ہو تو سب اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور جو آیتوں اور حدیثوں کے پہچاننے والے ہیں جن سے مسلمانوں کو عزت اور کافروں کو ذلت نصیب ہوئی۔

امابعد جاننا چاہیے کہ اس کتاب میں ہم تھوڑی سی ضروری باتیں فقیری کے بیان میں لکھتے ہیں اور ہر بات کے شروع میں لفظ ہدایت لکھیں گے اور ان باتوں کے لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اکثر لوگوں کو فقیری کا شوق ہوتا ہے لیکن بعض لوگ تو راستہ نہ جاننے سے غلطی اور گمراہی میں پھنس جاتے ہیں اور بعض لوگ اگرچہ (غلطی و گمراہی) میں نہیں پھنستے لیکن مقصود کے نہ جاننے سے ان کا وہی حال ہوتا ہے جس کا بیان ان شعروں میں ہے ؎

یک سبد پُر نان ترا بر فرق سر — تو ہمی جوئی لب نان دربدر
تا بزانوئے میانِ جوئے آب — وز عطش وز جوع گشتستی خراب

معنی ان شعروں کے یہ ہیں کہ ایک ٹوکرا روٹیوں سے بھرا ہوا ہو تو تیرے سر پر رکھا ہوا ہے اور تیرا حال یہ ہے کہ ایک ٹکڑا روٹی کا در در مانگتا پھرتا ہے اور گھٹنے تک تو تو پانی کی نہر میں کھڑا ہے مگر تیرا حال یہ ہے کہ بھوک اور پیاس سے تباہ[1] ہو رہا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ یہ بات آسان طریقہ سے بتلادی جائے

---

[1] یعنی جب آدمی مقصود کو نہیں جانتا تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مقصود حاصل ہو گیا مگر وہ سمجھتا ہے کہ مقصود حاصل نہیں ہوا اس لئے پریشان ہوتا ہے ۱۲ لطف رسول

کہ فقیری کا راستہ کیا ہے اور فقیری میں کس بات کا حاصل ہونا مقصود ہے اس کتاب کے لکھنے سے پہلے بھی بعض صاحبوں نے اس کی فرمائش کی تھی اگر اس وقت یہ صورت جو اس کتاب کی ہے میرے خیال میں نہ آئی تھی اس لئے عذر کر دیا گیا اب اس کے لکھنے کا وقت آگیا ان باتوں کو میں نے جہاں سے لیا ہے وہ یہ ہیں قرآن شریف حدیث شریف فقیری کے جو بڑے بڑے جاننے والے بزرگ گذرے ہیں ان کی کہی ہوئی باتیں اپنے بزرگوں سے جو باتیں سُنیں وہ باتیں جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال دیں اگرچہ اس ڈر سے کہ کتاب بڑی نہ ہوجائے ہر بات کی دلیل بیان نہیں کی۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ جیسا اس کتاب کا نام ہے جس کے معنی ہیں اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ۔ اسی طرح اس کتاب کو اللہ تک پہنچنے کا سبب بنا دیں یعنی جو اس کتاب پر عمل کرے اللہ تک پہنچ جاوے اور مجھ آوارہ کو بھی ٹھکانے اچھے لگا دیں اور یہ اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں۔

ھدایت پہلی : فقیری اس کو کہتے ہیں کہ اپنے ظاہر اور باطن کو آراستہ کرے، ظاہر کو ان عملوں سے جو جسم کے ظاہری اعضا سے کئے جاتے ہیں اور ان کا کرنا ضروری ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ اور دل کو سچے عقیدوں اور نیک عادتوں سے جیسے اخلاص یعنی دین کے کام اللہ کی رضامندی کے لئے کرنا لوگوں کو دکھلانے کے لئے نہ کرنا اور شکر یعنی اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا اور صبر یعنی مصیبت کے وقت شکوہ شکایت نہ کرنا۔ اور زہد یعنی دنیا سے بے رغبت ہونا اور تواضع یعنی اپنے کو بڑا نہ سمجھنا - یہ اوصاف حاصل کرے۔ فقیری[1] کا ایک درجہ تو یہ ہے اور دوسرا[2] درجہ یہ ہے کہ ان مذکورہ باتوں کے ساتھ ظاہر کو نفل عبادتوں میں اور باطن یعنی دل کو اللہ کی یاد میں ہمیشہ مشغول رکھے، کسی دم غافل نہ ہو پہلے درجہ کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس درجہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے اس لئے اُن دو چیزوں کا اہتمام

---

[1] اس درجہ کا نام ولایت عامّہ ہے اور یہ درجہ ولایت کا ہر مسلمان متقی کو حاصل ہوتا ہے ۱۲ لطف۔

[2] اس درجہ کا نام ولایت خاصہ ہے اور یہ درجہ ولایت کا صرف بزرگوں کو ہی حاصل ہوتا ہے ۔ [illegible] کو [illegible] کہتے ہیں ۔

کرنا بھی ضروری ہے ایک بقدر ضرورت علم دین سیکھنا خواہ پڑھ کر یا خواہ عالموں سے مسئلے پوچھ کر اور اگر پڑھے تو چاہے عربی پڑھے چاہے فارسی کتابیں مسئلوں کی پڑھ لے، چاہے اردو کتابیں مسئلوں کی پڑھ لے۔ اس احقر نے ایک کتاب بہشتی زیور شائع کرائی ہے اور کتاب صفائی معاملات اور تیسرا باب مفتاح الجنۃ کا یہ دین کی روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے کافی ہیں دوسرے جو مسئلے سیکھے اُن پر عمل کرنے کا پکا ارادہ کرنا تاکہ نفس کی خواہشیں اور لوگوں کی ملامت عمل سے مانع نہ ہو یہ تو پہلے درجہ کا بیان ہوا اور دوسرا درجہ مستحب ہے اور لوگ اسی کو فقیری کہتے ہیں لیکن اگر اس دوسرے درجہ میں مشغول ہونے کے سبب پہلے درجہ کی باتوں میں سے کوئی ضروری بات چھوٹ جاوے یا ان میں کسی قسم کا نقصان پڑ جاوے تو پھر اس درجہ میں مشغول ہونا منع اور ناجائز ہوگا جیسے بعض جاہل کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر درویشی کا دم بھرتے ہیں۔

ھدایت دوسری : طریقہ درویشی میں قدم رکھنے کا یہ ہے کہ پہلے سب گناہوں سے پوری طرح توبہ کرلے اور اگر کوئی عبادت جو اس کے ذمہ واجب تھی جیسے نماز روزہ وغیرہ چھوٹ گئی ہو تو اس کو قضا کرنا شروع کردے اور اگر لوگوں کے اس کے ذمہ کچھ حق ہوں تو ان کے ادا کرنے کی فکر میں لگ جاوے یا حق والوں سے معاف کرائے کیونکہ بدون اس کے کہ حق والوں کے حق سے ہلکا ہو اگر عمر بھر بھی محنت و مشقت کرے گا ہرگز ہرگز اللہ تک نہ پہنچے گا پھر توبہ کرنے کے ساتھ یہ بھی ارادہ رکھے کہ اللہ ورسول کا حکم ماننے میں چاہے جتنی اپنے آپ کو تکلیف ہو اور چاہے جتنا بڑا مال کا یا جان کا نقصان ہوجاوے اور چاہے کوئی دنیوی فائدہ جاتا رہے اور چاہے جتنی لوگ ملامت کریں سب گوارا کریں گے مگر اللہ اور رسول کی فرماں برداری نہ چھوڑیں گے اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ اللہ کا طالب نہیں ہے۔ اللہ کے طالب کی تو یہ حالت ہوتی ہے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئی گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمتِ قاروں باشی
در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

مطلب ان شعروں کا یہ ہے کہ اے دل مصلحت یہ ہے کہ شراب محبت پیکر بیخود ہوجائے اور بے روپے پیسے کے قارون کی برابر ہو کر رہے اور محبوب کے راستہ میں جس میں جان کے بڑے بڑے خطرے ہیں اس میں قدم رکھنے کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ دیوانہ ہوجاوے جب گناہوں سے پوری طرح توبہ کرلے اور یہ پکا ارادہ ہوجاوے کہ اب اللہ اور رسول کی فرمانبرداری نہ چھوڑیں گے تو اس وقت دین کا علم ضرورت کے موافق سیکھے اور طریقہ علم دین سیکھنے کا پہلی ہدایت میں ہوچکا ہے۔ پھر پیر کامل کی تلاش میں لگے۔ جس کی پہچان آگے آتی ہے۔

ھدایت تیسری: پیر کامل وہ ہے جس میں یہ باتیں موجود ہوں (۱) ضرورت کے موافق دین کا علم اس کو ہو (۲) عقیدے اور عمل اور عادتیں اس کی شرع کے موافق ہوں، (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو کامل ہونے کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کی ایک شاخ ہے (۴) کسی کامل پیر کے پاس کچھ دنوں تک رہا ہو (۵) اس کے زمانے میں جو عالم اور درویش منصف مزاج ہوں وہ اس کو اچھا سمجھتے ہوں (۶) عام لوگوں کی نسبت خاص لوگ یعنی جو لوگ سمجھدار اور دیندار ہیں وہ اس کے زیادہ معتقد ہوں (۷) اس کے جو مرید ہیں ان میں اکثر کا یہ حال ہو کہ شرع کے پابند ہوں اور دنیا کی طمع ان کو نہ ہو (۸) وہ پیر اپنے مریدوں کی تعلیم جی سے کرتا ہو اور چاہتا ہو کہ یہ درست ہوجاویں اور اگر مریدوں کی کوئی بری بات دیکھتا ہو یا سنتا ہو تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے (۹) اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں زیادتی معلوم ہوتی ہو (۱۰) خود بھی وہ ذکر و شغل کرتا ہو۔ کیونکہ بدون عمل کے پختہ ارادہ کئے ہوئے تعلیم میں فائدہ نہیں ہوتا جس شخص میں یہ نشانیاں موجود ہوں پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی ہوتی ہے یا نہیں یا پوشیدہ یا آئندہ ہونے والی باتیں اس کو معلوم ہوتی ہیں یا نہیں۔ یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہوجاتی ہے یا نہیں یا یہ اپنی باطنی قوت سے کچھ کام کر دیتا ہے یا نہیں کیونکہ یہ باتیں پیر یا ولی کے لئے ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ تڑپنے

لگتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ بزرگی کے لئے ضروری نہیں۔ اصل میں اس قسم کا اثر نفس کے متعلق ہے جو مشق کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔ جو شخص پرہیزگار بھی نہیں بلکہ جو مسلمان بھی نہیں وہ بھی کر سکتا ہے اور اس توجہ دینے سے کچھ زیادہ نفع بھی نہیں ہوتا کیونکہ توجہ کا اثر باقی نہیں رہا کرتا۔ بس توجہ کا اتنا فائدہ ہے کہ جو مرید ایسا ہو کہ اس میں ذکر کا اثر بالکل نہ ہوتا ہو اس کو پیر چند روز تک توجہ دے تو اس میں توجہ سے ذکر کا اثر ہونے لگتا ہے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہوجاوے۔

ھدایت چوتھی، جب پیر کامل مل جاوے اور اس سے مرید ہونے کا ارادہ کرے تو پہلے یہ سمجھ لے کہ مرید ہونے سے غرض کیا ہے کیونکہ مرید ہونے سے لوگوں کی بہت سی غرضیں ہوتی ہیں۔ کوئی تو یہ چاہتا ہے کہ ہم کرامت والے ہوجاویں اور ہم کو کشف سے وہ باتیں معلوم ہوجائیں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتی ہیں۔ سو تیسری ہدایت میں ابھی تم کو معلوم ہوچکا ہے کہ خود پیر ہی میں یہ ہونا ضروری نہیں کہ اس سے کرامتیں ہوں اس کو کشف سے ایسی باتیں معلوم ہوجایا کریں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتی ہیں تو بیچارہ مرید اس کی کیا ہوس کرے گا۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مرید ہونے سے پیر صاحب بخشش کے ذمہ دار ہوجاویں گے قیامت میں دوزخ میں نہ جانے دیں گے خواہ کیسے ہی برے کام کرتے رہو یہ بھی محض غلط ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا "یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار" اے فاطمہؓ اپنے کو دوزخ سے بچاؤ یعنی عمل کرو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پیر صاحب ایک نگاہ میں کامل کر دیں گے ہمکو نہ محنت کرنا پڑے گی نہ گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرنا پڑے گا۔ اگر اسی طرح کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل ہوگا۔ گو کہیں بطور کرامت کے ایسا بھی ہوگیا ہے کہ کسی بزرگ نے ایک نگاہ میں کامل کر دیا۔ لیکن کرامت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہوا کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ولی سے کرامت ہوا کرے اس بھروسے پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے کوئی یہ چاہتا ہے کہ خوب جوش و خروش

وشورش و مستی پیدا ہو خوب نعرے لگایا کریں۔ گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں گناہ کی خواہش مٹ جاوے نیک کاموں کا ارادہ ہی نہ کرنا پڑے آپ سے آپ ہو جایا کریں دل کے وسوسہ اور خطرے سب مٹ جاویں۔ بس ایک بے خبری کی کیفیت رہا کرے یہ خیال پہلے سب خیالوں سے اچھا سمجھا جاتا ہے لیکن سبب اس کا ناواقفیت ہے یہ سب باتیں کیفیات اور حالات کہلاتی ہیں اور حالات کا پیدا ہونا آدمی کے اختیار سے باہر ہے اور حالات اگرچہ بہت عمدہ چیز ہیں مگر مقصود نہیں۔ مقصود وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا حاصل کرنا اختیار میں ہو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی خواہشوں میں نفس کا چھپا ہوا مکر ہے وہ یہ کہ نفس آرام اور مزہ اور ناموری چاہتا ہے ان کیفیتوں میں یہ سب باتیں حاصل ہیں جو شخص اللہ کی رضامندی کا طالب ہوگا جس کے متعلق آگے بیان آتا ہے کہ درویشی سے مقصود یہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے ایسے شخص کو ان خواہشوں سے کیا تعلق وہ تو اپنی حالت ایسی رکھے گا جیسے گویا یوں کہہ رہا ہے ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

یعنی جس کو تم فراق سمجھتے ہو اور جس کو وصال سمجھتے ہو یہ دونوں برابر ہیں اصل چیز اس کی رضامندی ہے اللہ تعالیٰ سے اللہ کے سوا دوسری چیز چاہنا افسوس کے قابل بات ہے ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست　　تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

یعنی کیفیتیں اور حالات اگر جاتے رہے تو کوئی افسوس کی بات نہیں اللہ کا تعلق رہنا چاہیے جس کی برابر کوئی چیز پاک نہیں ؎

بس زبون وسوسہ باشی دلا　　گر طرب را باز دانی از بلا!

یعنی اے دل تو ابھی خیال فاسد ہی میں مغلوب ہے اگر تو راحت اور مصیبت میں فرق سمجھے پھر یہ کہ ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کیفیتیں یا حاصل ہوں گی یا نہیں اگر حاصل ہو گئیں تب تو وجہ اس کے کہ یہ شخص اسی کو درویشی سمجھتا تھا، اپنے کو کامل سمجھنے لگتا ہے اور ان ہی کیفیات پر بس کر کے پرہیزگاری اور عبادات سے بے فکر ہو جاتا ہے اور عبادات کی ضرورت اپنے لئے نہیں سمجھتا،

یا کم سے کم عبادات کو بے قدر ضرور سمجھنے لگتا ہے اور اگر حاصل نہ ہوئیں تو غم میں مرنے گھلنے لگتا ہے۔ اور کچھ اسی کی خصوصیت نہیں بلکہ جو شخص بھی ایسی باتوں کی خواہش کرے گا جو اختیار سے باہر ہیں غم اور پریشانی میں مبتلا رہے گا۔ کوئی سمجھتا ہے کہ پیر صاحب کے پاس عمل بڑے بڑے اچھے ہیں جب ضرورت ہوگی ان سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے۔ یا پیر صاحب کی دعا بہت قبول ہوتی ہے مقدموں میں اور دنیا کی ضرورتوں میں ان سے دعا کرا لیا کریں گے اور سب کام ہماری مرضی کے موافق ہو جایا کریں گے گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضہ میں ہے، یا ہم ان سے ایسی چیز سیکھ لیں گے کہ ہم برکت والے ہو جاویں گے کہ ہمارے دم کر دینے اور ہاتھ پھیر دینے سے بیمار اچھے ہو جاویں گے بلکہ ایسے لوگ بزرگی ان ہی عملوں کو اور ان کے اثر کو سمجھتے ہیں۔ چونکہ ان عملوں کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ نیت بالکل دنیا ہی کا چاہنا ہے اس لئے غلطی در غلطی ہے۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ذکر و شغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ روشنی دکھائی پڑے گی یا کوئی آواز سنائی دے گی یہ بھی بالکل غلط خیال اور ناسمجھی ہے کیونکہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ ذکر اور شغل کرنے سے روشنی معلوم ہو یا آواز سنائی دے اور نہ ذکر و شغل کرنے سے روشنی وغیرہ کا دکھلائی پڑنا مقصود ہے۔ دوسرے ذکر و شغل کرنے سے جو روشنی نظر آوے یا جو رنگ دکھلائی دے یا جو آواز سنائی دے بعض دفعہ یہ ذکر و شغل کرنیوالے کے دماغ کا فعل ہوتا ہے غیب کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ تیسرے اگر مان بھی لیا جاوے کہ غیب کی چیز دکھلائی پڑی یا غیب کی آواز سنائی پڑی تو اس سے کیا فائدہ ہوا غیب کی آواز معلوم ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل نہیں ہو جاتی اللہ تعالیٰ کی نزدیکی تو اس کی عبادت اور فرمانبرداری سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض دفعہ شیطانوں کو فرشتے دکھلائی دیتے ہیں، مگر وہ شیطان کے شیطان رہتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد کافروں کو غیب کی بہت سی باتیں معلوم ہو جاویں گی، تو جو بات کافر کو بھی معلوم ہو جاوے اگر وہ بات حاصل ہو گئی تو کیا کمال ہوگا جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ جتنی باتیں مذکور ہوئیں مقصود درویشی سے ان میں سے کسی کا حاصل ہونا بھی

نہیں اس لیے ان سب خیالوں کو دل سے نکال کر اصلی غرض اور مقصود درویشی سے اللہ کی رضامندی سمجھے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب حکموں کو بجا لاوے اور ذکر پابندی سے کرے پیر یہی بتلاتا ہے اور مرید اسی پر عمل کرتا ہے اگرچہ[ع] کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے خیال میں حاصل ہو۔ تب بھی آخرت میں ذکر اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے بجالانے کا فائدہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے

ع اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جتنے دین کے کام ہیں سب سے غرض اور مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو اور دوزخ سے نجات اور جنت نصیب ہو پھر بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ چاہے کوئی فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو مقصود تو رضائے الٰہی ہے وہ آخرت میں حاصل ہوگی مثلاً علم پڑھنے سے غرض یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو کوئی دنیوی فائدہ مقصود نہیں لیکن اگر کتاب سمجھ میں نہ آوے اور لیاقت نہ پیدا ہو تو طالب علم سے یہ نہیں کہا جاتا کہ مقصود تو رضائے الٰہی ہے چاہے کتاب سمجھ میں آوے چاہے نہ آوے لیاقت پیدا ہو یا نہ ہو آخرت میں اس کا ثمر ضرور ملے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگی اسی طرح مقصود درویشی سے یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل سے دور ہو اور اللہ کی یاد حاصل کرنے سے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جنت نصیب ہو دوزخ سے نجات ہو تو اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہو تب بھی آخرت میں ذکر اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے بجالانے کا فائدہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے ظاہر ہوگا الخ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ غفلت چاہے دور ہو چاہے دور نہ ہو اور اللہ کی یاد جس کو صوفی لوگ نسبت کہتے ہیں چاہے حاصل ہو جاوے نہ ہو مگر سمجھے کہ مقصود حاصل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی یاد ہونے کے بعد امور مذکورہ میں کسی امر کو مقصود نہ سمجھے مگر اللہ کی یاد وغیرہ سے اللہ کی رضامندی کو مقصود جانے جس طرح علم سے مقصود رضامندی اللہ کی ہے کوئی اور چیز دنیوی کا حاصل ہونا مقصود نہیں کیونکہ اللہ کی یاد کا خیال کرنا تو درویشی کا ایک جزو ہے جیسا کہ شروع کتاب میں کہا گیا ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان مذکورہ باتوں کے ساتھ نفلی عبادتوں میں اور ہر دم خدا کی یاد میں بھی رہے کسی دم غافل نہ ہو اور آگے چھٹی ہدایت میں آوے گا اور اگر ایک مدت تک ذکر کرنے سے دل میں یکسوئی پیدا نہ ہو تو مناسب ہے کہ کوئی شغل بھی کر لیا جاوے اور اسی ہدایت میں ہے کہ جب تک اس شخص کو جس کا ذکر ہو رہا ہے کسی قدر مضبوطی کے ساتھ نسبت باطنی حاصل نہ ہو جائے اسوقت تک لوگوں کو نفع پہنچانے میں مشغول نہ ہو ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مطلب نہیں

ظاہر ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا دوزخ سے بچے گا درحقیقت پیری مریدی کی یہی ہے کہ پیر وعدہ کرتا ہے ذکر اور اللہ کے حکموں کے بتلانے کا اور مرید اقرار کرتا ہے کہ پیر جو بتلاوے گا اس پر عمل ضرور کرلیگا اور اگرچہ پیر کی طرف سے یہ تعلیم اور مرید کی طرف سے پیر کے بتلائے ہوئے پر عمل بدون اس خاص طریقہ کے بھی ہو سکتا ہے کہ جس طریقہ سے مُرید ہونے کا دستور ہے لیکن اس خاص طریقہ سے مرید ہونے میں یہ خاصیت ہے کہ پیر کی توجہ مرید پر زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پیر کا کہنا ماننے کا زیادہ خیال ہو جاتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ایک ہی پیر کرے اور اپنے پیر کو اس زمانہ کے سب بزرگوں سے اچھا سمجھے اس کی مصلحت فقط یہ ہی ہے کہ اس صورت میں دونوں طرف سے تعلق بڑھ جاتا ہے۔ رہا ہاتھ میں ہاتھ لینا یا کوئی کپڑا وغیرہ عورت کو پکڑا دینا جبکہ وہ پاس ہو یہ بزرگوں کی ایک نیک رسم ہے اس اقرار کی مضبوطی کے واسطے جو کہ پیر اور مرید میں ہوتا ہے باقی یہ اقرار دونوں طرف سے بدون اس کے بھی ہو سکتا ہے اسی وجہ سے جو شخص دور سے مرید ہونا چاہیے اسکو بدون ہاتھ پہ ہاتھ رکھے مُرید کر لیتے ہیں، اور حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کا طریقہ اچھا ہے چنانچہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب بیعت فرماتے تھے تو مریدوں کا ہاتھ اپنے دست مُبارک سے پکڑ کر بیعت فرماتے تھے اور کپڑے وغیرہ کو پکڑا دینا یہ بجائے ہاتھ پکڑنے کے ہے۔

ھدایت پانچویں جب تمکو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ درویشی کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰ سے آگے: جو شبہ کرنے والے نے سمجھا ہے ۱۲ لطف اور ان کیفیتوں کا حاصل نہ ہونا بعض کے اعتبار سے ہے ورنہ اکثر تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہوتا ہے اور شاید ہی کوئی باوجود محنت اور مشقت کے محروم رہتا ہو۔ چنانچہ اسی ہدایت میں ہے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا اس کے دل میں عجیب عجیب طرح کے علم اور معرفت کی باتیں جن کے بارہ میں مولانا رومی فرماتے ہیں پیدا ہوں گے الی قولہ اور ان باتوں کو حالات کہتے ہیں ۱۲ لطف

کے حکموں کو پوری طرح بجالائے اور فائدہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہ طریقہ شریعت کے خلاف نہیں ہے پس یہ جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے اور مطلب اس کا یہ لیتے ہیں کہ شریعت طریقت کے خلاف ہے۔ یہ بالکل غلط اور گمراہی ہے اور اگر کسی معتبر بزرگ کی عبارت سے اس کا دھوکا اور شبہ ہوتا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اور ہونے کے دو مطلب ہیں ایک مطلب تو اور ہونے کا یہ ہے کہ یہ چیزیں دو ہیں کہ ایک نہیں دوسرا مطلب اور ہونے کا یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے خلاف ہے جیسے کہ کہا جاوے اسلام اور ہے اور کفر اور ہے اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اسلام کفر کے اور کفر اسلام کے خلاف ہے یعنی ایک چیز کو اگر اسلام کا قانون حرام بتلاتا ہے تو مذہب کفر اس کو حلال کہتا ہے۔ اور مذہب کفر میں اگر ایک چیز حرام ہے تو اسلام میں وہ چیز حلال برخلاف اس کے اسلامی احکام جو بہت سے ہیں وہ آپس میں ان معنی کے اعتبار سے الگ الگ نہیں البتہ اس معنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کہ وہ سب احکام ایک نہیں بلکہ کئی ہیں۔ مثلاً نماز کے احکام اور ہیں اور زکوٰۃ کے احکام اور ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ ایک چیز کو نماز کے بیان میں جائز لکھا ہو اور زکوٰۃ کے بیان میں ناجائز یا اس کا الٹا ہو کہ نماز کے بیان میں ایک چیز کو حرام لکھا ہو اور زکوٰۃ کے بیان میں اسکو حلال کہا ہو۔ پس شریعت اور طریقت کو اور کہنا یہ مطلب لے کر کہ دوسرے کے خلاف ہے تو سراسر بد دینی اور گمراہی ہے جیسا کہ بعض جاہل سمجھتے ہیں کہ فلاں بات اگرچہ شریعت میں ناجائز ہے مگر فقیری میں جائز ہے۔ نعوذ باللہ منہ البتہ اور کہنا اس مطلب سے کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں۔ یہ ایک صورت سے صحیح ہو سکتا ہے وہ یہ کہ شریعت خاص اُن حکموں کو کہا جاوے جو بدن کے ظاہری اعضا یعنی ہاتھ زبان کان وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ اور طریقت خاص ان حکموں کو کہا جاوے جو دل سے تعلق رکھتے ہیں جیسے صبر شکر توکل محبت الٰہی تو اس صورت میں یہ طریقت کا اپنے سمجھنے کے لئے ایک نیا نام ہوگا۔ اور یہ نام رکھنے کا ہر شخص کو اختیار ہے یہ کوئی جھگڑے کی بات نہیں اب کنز و ہدایہ وغیرہ جو

فقہ کی کتابیں ہیں ان میں جو مسئلے لکھے ہیں ان کو شریعت کے مسئلے اور احیاء العلوم اور عوارف المعارف وغیرہ جن میں درویشی کی باتیں لکھی ہیں ان کو تصوف اور طریقت کے مسئلے کہنا صحیح ہوگا اور دونوں قسم کی کتابوں میں وہی فرق ہوگا جو نماز کے مسئلوں اور زکوٰۃ کے مسئلوں میں فرق ہے سو اس معنی کے اعتبار سے شریعت و طریقت کے الگ الگ اور ہونے کا کسی کو انکار نہیں ہے انکار تو اس بات کا ہے کہ طریقت کی باتیں شریعت کے حکموں کے خلاف مانی جائیں اور اگر شریعت کے ایسے معنی لئے جائیں جس کے اعتبار سے اس میں سب احکام داخل ہوں۔ چنانچہ فقہ کے معنی عالموں نے ایسے ہی بیان کئے ہیں جو سب ظاہری اور باطنی حکموں میں شامل ہیں یعنی یہ کہا ہے کہ فقہ اُن سب باتوں کے جاننے کا نام ہے جن کے کرنے سے آخرت میں ثواب ہو یا عذاب اور طریقت و تصوف کے ایک معنی کہے جاویں جس کا بیان ہدایت اول میں آچکا ہے کہ درویشی سب حکموں کو بجالانا ہے چاہے ظاہری حکم ہوں مثل نماز روزہ کے اور چاہے باطنی حکم ہوں مثل صبر و شکر وغیرہ کے تو دونوں کو الگ الگ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ شریعت اور طریقت کے ایک ہی معنی ہوئے صرف ایک چیز کے نام دو ہوں گے اور جس نے یہ کہا ہے کہ ع

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدارا

یعنی کنز و ہدایہ فقہ کی کتابوں سے اللہ نہیں مل سکتا اور اس کا کہنا اس پہلے معنی کی بنا پر ہے کہ شریعت احکام ظاہری کو اور طریقت احکام باطنی کو جو دل سے متعلق ہیں ان کو کہا جاوے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو خدا کے احکام دل کی درستی کے لئے ہیں وہ ان کتابوں میں نہیں ہیں۔

ہدایت چھٹی جبکہ مرید موافق ہدایت چوتھی اور ہدایت پانچویں کے اپنی نیت درست کرے تو اس کو چاہیئے کہ اگر مُرید ہونے کے بعد فرصت ملے تو چند دن اپنے پیر کے پاس رہے اور اگر اس کی نوبت نہ آوے تو دور ہی سے اس کی تعلیم پر عمل کرے بلکہ اگر مرید ہونے کے لئے بھی پیر کی خدمت میں نہ پہنچ سکے تو جہاں ہو وہیں سے بذریعہ خط کے یا کسی معتبر آدمی کے واسطے سے مرید ہو سکتا ہے۔ حاضر ہونے کی ضرورت نہیں اور طریقہ تعلیم ہر پیر کا جدا ہے

ان سب طریقوں کو اس کتاب میں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے ایک چھوٹا سا دستور العمل لکھے دیتا ہوں جو بوجہ اس کے کہ انتہا درجہ کا اس میں نفع ہے اس قابل ہے کہ اس کو عطر تصوف کہا جاوے اور یہ طریقہ بہت خاک چھان کر ہاتھ لگا ہے اور اصل سبب اس کتاب کے لکھنے کا اسی طریقہ کو بیان کرنا ہے۔

یہ دستور العمل سب راہ درویشی کے چلنے والوں کے لئے بھی ہے جب تک وہ اپنے پیر تک نہ پہنچیں اور جو میرے دوست ہیں ان کے لئے ہمیشہ کے عمل کرنے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید رکھتا ہوں کہ اس دستور العمل کے موافق عمل کرنے والا محروم نہ رہے گا پھر اگر کوئی شخص اس دستور العمل پر عمل کرے اور اس کا پیر اسی دستور العمل کو پسند کرے اور اجازت دیدے تو قصہ آسان ہو۔ اور اگر اس کے وظیفوں میں اور جو ذکر و شغل اس میں لکھے ہیں ان میں کچھ کمی بیشی کرے یا اس کے علاوہ اور کچھ بتلادے تو جیسا وہ کہے ویسا کرے۔ البتہ اس دستور العمل میں جو ضروری باتیں شروع میں لکھی ہیں ان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی ہے وہ ویسی ہی رہیں گی۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ خلاصہ اس دستور العمل کا یہ ہے کہ اس راہ کا چلنے والا یا عامی ہے یعنی عالم نہیں یا عالم ہے اور ہر ایک ان میں سے یا کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق کے ادا کرنے سے بے فکر ہوگا یا بیوی بچوں کے حقوق کرنے کی اور کمانے کی فکر میں لگا ہوگا، یہ کل چار قسمیں درویشی کی راہ چلنے والوں کی ہیں ایک وہ عامی جو کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے سے بے فکر ہے دوسرا وہ عامی جو کہ کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے تیسرا وہ عالم جو دنیا کے کاموں سے خالی ہے چوتھا وہ عالم جو روزگار کے کام میں لگا ہوا ہے ہر ایک کے لئے ایک ایک دستور العمل ہے۔

دستور العمل اس شخص کا جو عالم نہیں اور دُنیا کے کام سے بیفکر نہیں ہے۔

یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے عقیدے ٹھیک کرے اور ضروری ضروری مسئلے سیکھے اور بہت اہتمام سے ان مسئلوں کی پابندی کرے اور جو کسی نئے مسئلے کی ضرورت پڑے کسی عالم سے پوچھ لے اور اگر پیر اس کا عالم ہے تو وہ سب سے بہتر ہے جو کچھ ضرورت ہو اس سے پوچھ لے

اور اگر ہوسکے تو تہجد آخیر رات میں پڑھے ورنہ عشاء کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں تہجد کی جگہ پڑھ لیا کریں اور بعد پانچوں نمازوں کے اور پانچوں نمازوں کے بعد چھٹی نہ ہو تو جن نمازوں کے بعد چھٹی ہو سُبحان اللہ سو بار اور لاآلہ الا اللہ سو بار اور اللہ اکبر سو بار اور سوتے وقت اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ سو بار پڑھا کرے اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے اس میں وضو اور کسی گنتی کی ضرورت نہیں ہے وضو اور بے وضو ہر حال میں درود شریف پڑھا کرے۔ لیکن تسبیح ہر وقت میں لئے نہ پھرے[1] اور اگر قرآن پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر قرآن شریف کی تلاوت بھی کر لیا کرے اور اس کتاب کے اخیر میں جو مردوں اور عورتوں کو نصیحتیں لکھی ہوئی ہیں ان کو کبھی کبھی دیکھ لیا کرے اور ان پر عمل کرے اور کبھی کبھی اپنے پیر کے پاس یا اور کوئی ایسے بزرگ اگر موجود ہوں جو پرہیزگار ہوں اور عقیدے ان کے اچھے ہوں۔

ان کے پاس جا بیٹھا کرے لیکن پیر کے پاس جانے میں اس کی پابندی نہ کرے کہ کچھ نہ کچھ لے کر ہی جانا چاہیئے یہ تکلف سچی محبت کے خلاف ہے اور باقی جو وقت بچے بال بچوں کے لئے حلال روزی تلاش کرنے میں لگا رہے کہ بال بچوں کے لئے کمانا بھی عبادت ہے اور اگر یہ عامی عورت ہے تو جو وقت بچے اس میں گھر کا کاروبار جا کر اپنے شوہر کی خدمت کرنا اس کے لئے عبادت ہے اس کام میں لگی رہے۔ مگر عورت بدون اپنے شوہر کی اجازت کے پیر کے یہاں نہ جاوے اور جن دنوں میں حیض آوے ان دنوں میں بھی وظیفوں کے وقت میں وضو کر کے وظیفے پڑھ لیا کرے۔ سوائے قرآن مجید کے کہ اس کا پڑھنا اس حالت میں درست نہیں۔

دستور العمل اس شخص کا جو عالم نہ ہو اور دنیا کے کام سے بے فکر رہے

اس شخص کا دستور العمل وہی ہے جو پہلے شخص کے لئے بیان کیا گیا مگر اتنی باتیں اور ہیں وہ یہ کہ اگر ہوسکے تو پیر کے پاس جا پڑے، لیکن اپنے کھانے پینے کی فکر ایسے طریقے سے کرے کہ کسی دوسرے پر اس کا بوجھ نہ پڑے اور اگر کوئی سامان ظاہری کھانے پینے کا نہ ہو تو اتنا ضرور ہونا چاہیئے کہ دوسرے کے بھروسہ پر نہ رہے یا تو کچھ محنت مزدوری

---

[1] یعنی بلاضرورت   اگر تسبیح کے بغیر ذکر کرنا یاد نہ رہے تو تسبیح لینے کا مضائقہ نہیں ۱۲ منہ

کرے اور اگر ہمت نہ ہو تو اللہ پر بھروسہ کرے۔ مل جاوے کھالے نہ ملے صبر کرے اور اگر پیر کے پاس نہ رہ سکے تو اپنے وطن میں رہے خواہ گھر میں یا کسی مسجد میں مگر جہاں تک ہو سکے آدمیوں سے الگ رہے۔ کسی کے پاس زیادہ آوے جاوے نہیں جب تک کوئی دنیا یا دین کا کام نہ ہو میل جول نہ کرے اور جب کسی ضرورت سے ملنا ہو تو زبان کا بہت خیال رکھے کوئی بات ایسی جو شرع میں منع ہو جیسے کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہنا یا اور کوئی بات ایسی ہی منہ سے نہ نکلنے پاوے لیکن نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اور تنہائی میں جو وقت ضروری کام اور راحت و آرام سے بچے اس میں قرآن شریف کی تلاوت کرے اور مناجات مقبول پڑھے یا نفلیں یا درود شریف یا استغفار پڑھتا رہے اور اگر کچھ پڑھا ہو تو تھوڑے وقت میں دین کی کتابیں بھی جو اردو فارسی میں ہیں کسی عالم کو دکھلا کر دیکھا کرے لیکن جہاں سمجھ میں نہ آوے اپنی عقل سے اس کا مطلب نہ بنالے کسی بڑے عالم سے پوچھ لے اور اگر اس بستی میں کہیں طالب علم یا اللہ اللہ کرنے والے موجود ہوں تو ان کی خدمت کرنے میں اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ خرچ کرے۔ اس سے دل میں نور بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی بڑائی بھی دل میں نہیں آتی اور کبھی کبھی نفل روزہ بھی رکھ لیا کرے باقی دونوں قسم کے آدمیوں کو جو کہ عالم نہ ہوں کوئی شغل نہ بتلانا چاہیے کیونکہ اس میں بہت باتیں پیدا ہوتی ہیں کہ ان سے خرابی کا ڈر ہے اور ان کی سہار عالم کے سوا دوسرا آدمی نہیں کر سکتا ہے البتہ اگر اس میں شوق دیکھے اور قابل اس کے سمجھے تو ذکر اللہ اللہ کا تین ہزار سے چھ ہزار مرتبہ تک تنہائی میں بیٹھ کر پڑھنے کو بتلادے مگر آواز اور ضرب کے ساتھ نہ ہو چپکے چپکے پڑھے اس سے زیادہ مناسب نہیں۔ باقی دوسرے وظیفے اور نفلیں جس قدر جی چاہے پڑھے البتہ اگر وہ شخص جو عالم نہیں ہے عالموں کی صحبت میں رہنے سے مثل عالموں کے سمجھدار ہو گیا ہو وہ عالم کے مثل ہے اس کو شغل بتلانے میں حرج نہیں۔

دستور العمل اُس عالم کا جو دینی یا دنیوی کام میں لگا ہو!

یہ ہے کہ جو وقت فرصت کا ہو اور دل فکر سے خالی ہو اور پیٹ نہ بھرا

ہو نہ بھوک لگی ہو ایسے وقت کو مقرر کر کے اس میں بارہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار مرتبہ تک جتنا ہو سکے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ وضو کے ساتھ ہلکی آواز ہلکی ہلکی ضرب کے ساتھ دل کو ذکر کی طرف لگا کر پڑھا کریں اور تہجد کی پابندی کریں اور کسی وقت قرآن شریف کی تلاوت اور مناجات مقبول عربی یعنی قربات عند اللہ وصلوٰۃ الرسول کی ایک منزل روزانہ ہمیشہ پڑھا کریں اور اگر مدرس ہیں تو بہتر ورنہ تھوڑا وقت علم دین پڑھنے والوں کو پڑھانے میں ضرور صرف کیا کریں اور کبھی کبھی جب ضرورت دیکھیں یا سننے والے شوق ظاہر کریں ضروری مسئلوں کا وعظ بیان کر دیا کریں۔ مگر وعظ میں جو باتیں ضروری نہ ہوں ان کو بیان نہ کریں اور جو ضروری بات ہو اور عام لوگ اس سے بھڑکتے ہوں اس کو نہ تو گول گول کہیں اور نہ سختی سے کہیں بلکہ صاف کہیں لیکن نرمی کے ساتھ اور وعظ کا عوض نہ لیں نہ عام لوگوں کے زیادہ پیچھے پڑیں نہ ان کو سخت کہیں کہ اس سے خواہ مخواہ عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور احیاء العلوم اور جو ایسی کتاب ہو دیکھا کریں لیکن اپنے پیر سے دور رہ کر شغل نہ کریں۔ البتہ اگر تھوڑے دن پیر کے پاس رہ کر یہ کام کیا ہو اور وہ اب بھی اس کو کرنے کو کہے تو کچھ حرج نہیں۔

دستور العمل خاص اس عالم کا جو کام میں لگا ہوا نہ ہو

اگرچہ یہ فرصت چند ہی دنوں کی ہو جس کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے یہ ہے کہ تھوڑے دن اپنے پیر کے پاس رہ کر ذکر کریں اور ان کے لئے فقط اتنا ذکر کافی ہے کہ بعد تہجد کے بارہ تسبیح یعنی لا الٰہ الا اللہ دو سو بار اور الا اللہ چار سو بار اور اللہ اللہ اس طرح کہ پہلے لفظ اللہ میں پیش ہو اور دوسرے لفظ اللہ میں جزم چھ سو بار اور فقط اللہ سو بار یہ تیرہ تسبیحیں ہوئیں مگر نام ان کا بارہ تسبیح ہے ان کو تھوڑی آواز اور ہلکی ضرب سے کریں لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ زور سے ذکر کرنا اور ضرب لگانا خود کوئی ثواب کی بات نہیں ہے ایسا اعتقاد کرنا گناہ ہے اور حدیث میں جو آیا ہے اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا یعنی نرم کرو تم اپنی جانوں پر کیونکہ نہ تم بہرے کو پکارتے ہو اور نہ اس شخص کو جو

دور ہے یہ ممانعت میرے نزدیک اسی صورت میں ہے جب ذکر زور سے اسی اعتقاد سے کرے اور بعض عالموں نے اس حدیث کا مطلب یہ کہا ہے کہ اتنا چلا کر ذکر نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ مثلاً سونے والے پریشان ہوں اور امام ابو حنیفہؒ نے جو زور سے ذکر کرنے کو منع کیا ہے اس کی بھی یہی وجہیں ہیں جو بیان ہوئیں، ورنہ زور سے ذکر کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے زمانے میں نماز ختم ہونے کی یہ علامت تھی کہ لوگ زور زور سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے تھے اور حدیث کی کتابوں میں وتر کے بعد سبحان الملک القدوس کہتے وقت آواز بلند کرنے کی حدیث موجود ہے اور فائدہ زور سے ذکر کرنے میں یہ ہے کہ اس سے وسوسے اور خیالات کم آتے ہیں کیونکہ اپنی آواز جو کان میں آتی رہے دل آسانی سے اُدھر متوجہ رہ سکتا ہے سو یہ فائدہ تھوڑی آواز سے ذکر کرنے میں بھی حاصل ہے اسی طرح ضرب لگانے میں بھی ثواب نہیں ہے اس میں بھی طب کے قاعدے سے ایک فائدہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک سخت جھٹکا ہے ... دل میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور گرمی سے دل نرم ہو جاتا ہے اور دل کی نرمی سے ذکر کا اثر ہوتا ہے اور ذکر کے اثر سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا خیال اور اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ دونوں دین میں مقصود ہیں پس ضرب خود دین میں مقصود نہیں بلکہ جو باتیں مقصود ہیں جیسے محبت وہ ان کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اور ان کا ذریعہ بن جانے سے ذریعے کے درجہ میں ضرب بھی مقصود ہو گئی لیکن بہت زور سے ضرب لگانے میں خفقان ہو جانے کا ڈر ہے اس لئے اوسط درجہ کی ضرب لگاوے اور اس سے زیادہ نہ بڑھاوے ایک اور بات قابل سمجھنے کے ہے وہ یہ کہ تصوف کی کتابوں میں ذکر کرتے وقت گردن داہنی اور بائیں طرف لے جانے کو لکھا ہے سو جان لینا چاہیے کہ پہلے زمانہ میں لوگ طاقت دار تھے اور دماغ ان کے مضبوط تھے اس کی سہار کر لیتے تھے۔ بلکہ بوجہ طاقت دار ہونے کے بدون اس کے ان میں ذکر کا اثر ہی نہیں ہوتا اس لئے ان کو

اس کی ضرورت تھی کہ گردن کو دائیں طرف لے جا کر ضرب لگا دیں تاکہ زور سے ضرب لگے اور اب لوگ کمزور ہیں ہلکی ضرب سے بھی دل میں اثر پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اب ایسا نہ کیا جاوے ورنہ دماغ کے خراب ہو جانے کا ڈر ہے بس اتنا ہی کافی ہے لا آلٰہ کے ساتھ سارے بدن کو آہستہ آہستہ داہنی طرف ذرا جھکا دیں اور الا اللہ کے ساتھ بائیں طرف لے آدیں اور اتنی حرکت بھی اس لئے ہے کہ بدن کو ایک حالت پر رکھ کر جی تنگ ہونے لگتا ہے بدن کے اتنا ہلانے سے ذرا آسانی ہوتی ہے ورنہ ضرورت اس کی بھی نہیں ہے اور پھر ضرب لگانے کے وقت گردن کو جھٹکا دینے کی بھی ضرورت نہیں بس اتنا کافی ہے کہ ضرب لگانے کے وقت جہاں اِلّا کا ہمزہ یعنی الف نکلتا ہے اس پر ذرا آواز کا زور ڈال دیا جاوے چونکہ سینہ اس آواز کے نکلنے کی جگہ سے یعنی حلق سے قریب ہے اس پر زور ڈالنے سے سینہ تک اثر پہنچ جاوے گا۔ اسی طرح باقی ذکروں میں بھی ضرب تو اسی طرح لگاوے اور بدن کو حرکت دینا اس سے بھی کم کافی ہے یہ سارا بیان بارہ تسبیح کا ہوا پھر ذکر بارہ تسبیح کے کرنے کے بعد اگر نیند کا زور ہو تو ذرا سو رہے اور اگر نیند نہ آوے تو اس کو اختیار ہے چاہے ان بارہ تسبیح کے ذکروں میں سے کسی ذکر کو اور زیادہ کرے یا کچھ نہ کرے خالی رہے۔ پھر بعد نماز صبح کے قرآن شریف کی تلاوت کرے اور منزل مناجات مقبول پڑھے۔ اس کے بعد بارہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار بار تک جس قدر ہو سکے اللہ اللہؑ کا ذکر تھوڑی آواز وسط درجہ کی ضرب سے تنہائی میں بیٹھ کر کرے اور دوپہر کو ذرا سو رہے بعد ظہر کے اسی طرح اللہ اللہ کا ذکر کرے بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جتنا آسانی سے عصر کی نماز تک ہو سکے اور عصر کی نماز کے بعد اگر پیر کو کچھ کام نہ ہو تو پیر کے پاس بیٹھا رہے اور اگر پیر کسی کام میں لگا ہو یا وہاں موجود نہ ہو یا اس کے دل میں زیادہ شوق پیر کے پاس بیٹھنے کا نہ ہو

عہ یہ دو مرتبہ ہوا اور آخر میں دونوں جگہ ہ پر جزم ہے اور بارہ تسبیح میں جو اللہ اللہ ہے جو دو مرتبہ کہا جاتا ہے وہ ایک بار گنا جاتا ہے ۱۲ لطف

تو جنگل باغ نہر ندی وغیرہ کی سیر کو چلا جاوے اور اگر پیر موجود ہو تو اس سے پوچھ کر جاوے اور اس وقت جب سیر کے لئے جاوے تو عام مسلمانوں کی قبروں اور اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت بھی کر لیا کرے پھر بعد مغرب کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک جی لگے موت کا اور موت کے بعد جو کچھ حساب کتاب ہونے والا ہے اس کا مراقبہ کرے اور مراقبہ موت کا یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر یہ سوچے کہ مرنے کے بعد باتیں ہوں گی۔ بلکہ ان باتوں کو یہ خیال کرے کہ گویا اسی وقت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دنیا سے نفرت پیدا ہو گی یہی محبت اور نفرت اس کا کام بنا دینے کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوں گے اور باقی جو وقت بچے اس میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے یا اور جس ذکر میں جی لگتا ہو وہ ذکر کیا کرے، پاس انفاس جو مشہور ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ کوئی دم اللہ کی یاد سے خالی نہ جاوے جونسا ذکر ہو اور جو طریقہ اس کا مشہور ہے خاص اسی طریقہ سے کرنا ضروری نہیں بلکہ وہ بھی ایک طریقہ ہے اس کے طریقوں میں سے پھر اگر اس ذکر کرنے کے وقت دیکھے کہ یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور دن بدن[1] بڑھتی جاوے اور خیالات کم آویں اور جی ذکر میں لگا کرے جب تو میرے نزدیک شغل کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیشہ پرہیزگاری کا خیال رکھنا اور مراقبہ جس کا بیان ہوا ہمیشہ کرتے رہنا کافی ہے عمر بھر اسی کو کرتا رہے آخرت میں تو اس کا پھل یقیناً ملے گا اور اصل وعدہ پھل ملنے کا آخرت ہی میں ہے لیکن دنیا میں اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو اس کے دل میں عجیب عجیب طرح علم اور معرفت کی باتیں جن کے بارے میں مولانا رومی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علومِ انبیاء　　بے کتاب و بے معید و استا

یعنی تو اپنے اندر بدون کتاب اور بدون تقریر دہرانے والے اور بدون استاد

---

[1] یکسوئی کا پیدا ہونا کچھ نہیں یہ نسبت کا مقدمہ قریب ہے اور نسبت کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں نسبت صوفیہ غنیمتی است عظمیٰ ۱۲ لطف ۲ درویشی میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہیں اس کے نام ہیں

کے ایسے ایسے علم دیکھے گا جو نبیوں کو ملے تھے (گو اُن ہی کے طفیل میں ملیں گے) اور نئی نئی کیفیتیں پیدا ہوں گی، کبھی ذوق شوق ہے، کبھی محبت[2] و انس کی کیفیت ہے کبھی ہیبت ہے اور احکام شرعی کی حکمتیں ظاہر ہوں گی اور اس کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کا برتاؤ اس کے ساتھ درست ہو جاوے گا اور جو بات اس سے ایسی واقع ہو گی کہ اس پر ہوشیار کرنے کی ضرورت ہے اس پر ہوشیار کر دیا جاوے گا اور معلوم ہو جایا کرے گا کہ یہ بات مجھ سے اچھی طرح واقع نہیں ہوئی ان باتوں میں جو لذت ہے اس کے سامنے سارے جہاں کی بادشاہت بھی مٹی کے برابر ہے اور ان باتوں کو حالات کہتے ہیں چونکہ اول تو ہر شخص کو نئے حالات پیدا ہوتے ہیں ان سب کو لکھنا ممکن نہیں ہے ایسے وقت پیر کے پاس آنا ضروری ہے وہی ان حالات کی حقیقت بیان کرتا ہے اور اگر حاجت ہوئی تو جو کچھ ذکر و شغل مرید کر رہا ہے اس میں جو اس کو مناسب ہوتا ہے تبدیلی کرتا ہے اور پیر کے پاس رہنے میں جو فائدے ہیں جو اس ہدایت کے آخر میں بیان ہوں گے ان باتوں کے جاننے کو کشف الٰہی کہتے ہیں باقی کشف کونی (یعنی پوشیدہ چیزوں کا حال معلوم ہو جانا یا جو بات آگے چل کر ہونے والی ہے اس کا ظاہر ہو جانا) کشف الٰہی کی برابر نہ اس میں لذت ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہونے میں اس کی برابر ہے موسیٰ علیہ السلام کشف الٰہی میں زیادہ تھے اور خضرؑ کشف کونی میں پھر ظاہر ہے کہ کس کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے رہی یہ بات کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا تو ان کو اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا کیوں حکم فرمایا سو حضرت خضرؑ کے پاس بھیجنے سے اس بات کا سکھلانا منظور تھا کہ بات کرنے میں بے دھڑک منہ سے کوئی بات نہ نکال دیا کریں سوچ سمجھ کر بات کہا کریں کیونکہ ان سے کسی نے پوچھا تھا کہ اس وقت سب سے بڑا عالم دین کون ہے آپ نے فرمایا اَنَا اَعْلَم کہ سب سے بڑا عالم میں ہوں یہ آپ کا فرمانا اس اعتبار سے صحیح تھا کہ جو علم ضروری ہیں اُن سب سے زیادہ میں جانتا ہوں لیکن بات آپ نے

ایسی کہی تھی جس سے سننے والے کو دھوکا ہو سکتا تھا کہ ہر قسم کے علموں کے جاننے کا دعویٰ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بات دکھلادی کہ دیکھو کشف کونی میں حضرت خضر علیہ السلام تم سے زائد ہیں اگرچہ یہ کشف ..... درجہ میں کشف الٰہی کی برابر نہ ہو مگر پھر بھی بلا قید یہ کہنا تو غلط ٹھہرا کہ میں سب سے زیادہ جانتا ہوں اس لئے بات کرنے میں یہ کہدینا چاہیئے تھا کہ کشف کونی میں سب سے زیادہ نہیں ہوں اور جس کو کشف الٰہی ہوتا ہو اگر اسکے متعلق پیری مریدی کی خدمت اور مخلوق کے باطن کی اصلاح و درستی ہو جائے تو وہ قطب الارشاد کہلاتا ہے اور کشف کونی والے کے متعلق اگر خلق کی دنیوی اصلاح و درستی بھی ہو جائے تو قطب التکوین کہلاتا ہے ایک مدت تک ذکر کرنے سے دل میں یکسوئی پیدا نہ ہو تو مناسب ہے کہ کوئی شغل بھی کر لیا جاوے۔ اشغال بہت ہیں میرے نزدیک نفع بخش اور آسان شغل انحدؔ[1] ہے اور اچھا وقت آخیر رات ہے بارہ تسبیح کے بعد لیکن دم روک کر نہ کرے۔ آج کل اکثر اس سے دل و دماغ دونوں کمزور ہو جاتے ہیں فقط آنکھیں بند کرلے اور کانوں میں کلمہ کی انگلی دے کر ذرا زور سے بند کرلے اس سے کان میں ایک آواز ایسی پیدا ہو گی جس کی کوئی حد اور انتہا نہ معلوم ہو گی اور معلوم ہوتا ہے اس شغل کو انحد اسی وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ ان معنی ہندی زبان میں نہیں کے ہیں پس معنی انحد کے بیحد ہوئے اور اس آواز کی طرف دل سے دھیان رکھے اور زبان سے یا دل سے اللہ اللہ کہتا رہے تاکہ اتنا وقت غفلت میں نہ گذرے اس لئے کہ اس آواز کا دھیان رکھنا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ آواز نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی صفت تو ہے نہیں جیسا کہ

---

[1] یہ اول تخمین سے لکھدیا تھا پھر تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ نادی ہے جس کے اصل معنی ہندی میں قدیم کے ہیں یہ شغل ماخوذ ہے شاغلان ہند سے ان کا اعتقاد اس صورت کے متعلق قدیم ہونے کا تھا اسی نام میں تغیر ہو کر انحد مشہور ہو گیا لیکن یہ اعتقاد باطل ہے ۱۲ منہ

بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے بلکہ عالم غیب میں سے کسی مخلوق کی بھی آواز نہیں صرف اسی شخص کے دماغ میں ہوا بند ہونے سے یہ آواز پیدا ہو گئی ہے اور اس کے سننے میں لذت آتی ہے بلکہ بعض دفعہ اس شغل میں ایسی آوازیں ہوتی ہیں کہ دل بے تابو ہو جاتا ہے اور شغل کرنے والا بیخود ہو جاتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جو چیز حواس مثلاً کان، آنکھ وغیرہ سے معلوم ہوا اور اس میں لذت بھی ہو اس کی طرف متوجہ ہونے سے اور خیالات جاتے رہتے ہیں تو اس سے عادت پڑ جاتی ہے ایک طرف متوجہ رہنے کی پھر جب ایک طرف توجہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر اس شغل کو چھوڑا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کا حکم کیا جاتا ہے اور اول اول اللہ کی طرف توجہ کرنا دشوار تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دکھلائی نہیں دیتے اس بیان سے تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ شغل خود مقصود نہیں البتہ مقصود حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہر دم رہنے میں اس سے مدد ملتی ہے جیسا کہ بیان ہوا اس لئے اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جس بات کے حاصل کرنے کا شرع میں حکم ہے شغل اس کا ذریعہ ہے، بلکہ غور کرنے سے شغل کی اصلیت حدیث سے بھی نکلتی ہے چنانچہ نماز میں سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھنا سنت ہے اور فائدہ اس میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ نگاہ رکھنے سے خیالات نہیں آتے نماز کی طرف توجہ رہتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور جس طرح یہ آواز دماغ میں پیدا ہوتی ہے اسی طرح اور اشغال میں اور کبھی کبھی ذکر میں بھی طرح طرح کے رنگ کے نور جو نظر آنے لگتے ہیں وہ بھی دماغ ہی سے اکثر پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو شغل نہ کرتا ہو اگر اسی طرح آنکھیں بند کر کے دیکھے تو اس کو طرح طرح کے رنگ نظر آیا کرتے ہیں اس سے کبھی دھوکا نہ کھاوے اور ان چیزوں کی طرف ذرا توجہ نہ کرے بلکہ اس سے بڑھ کر غیب کی چیزیں بھی نظر آجاویں چنانچہ بعض اوقات جب یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے ایسا بھی ہو جاتا ہے تب بھی ذرا اس طرف متوجہ نہ ہو نہ اس سے لذت لیوے خواہ وہ چیزیں جو نظر آئی ہیں عالم دنیا کی ہوں یا عالم غیب کی کیونکہ سب غیر اللہ ہیں بلکہ مطابق

ارشاد حضرت پیر مرشد علیہ الرحمۃ دنیا کی چیزوں سے جنت کا تعلق ہونا اللہ تعالیٰ سے اتنا دور نہیں کرتا جتنا کہ عالم غیب کی چیزوں سے قلب کا تعلق ہونا اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کا طالب ہو اس کو چاہیئے کہ ان سب کو دل سے نکال پھینکے اور ان شعروں کا مطلب خیال میں رکھنا چاہیئے۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند درنگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا ای عشق شرکت سوز رفت

مطلب ان شعروں کا یہ ہے کہ عشق الٰہی کا شعلہ جب بھڑکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب جل جاتی ہیں یعنی سب کا خیال دل سے نکل جاتا ہے اے اللہ کے طالب جو کچھ اللہ کے سوا ہے اس کو لا کی تلوار سے قتل کر ڈال یعنی لا الٰہ الا اللہ جب تو کہے تو لا آلہ کے وقت خیال کر کہ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں قابل محبت نہیں سب کو میں دل سے نکالتا ہوں پھر غور کر کہ لا کے بعد کیا رہتا ہے یعنی لا آلہ کہہ کر جب تو سب چیزوں کو دل سے مٹا دے گا تو الا اللہ کہنے کے وقت خیال کر کہ اب میرے دل میں کیا رہا ہے ہم سے سن کہ صرف اللہ باقی رہ جاوے گا اور سب گم ہو جاوے گا مطلب یہ کہ لا آلہ کہنے کے وقت سب چیزوں کی محبت اور خیال دل سے نکال ڈال اور الا اللہ کہنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی محبت اور خیال کو دل میں جما تاکہ کسی چیز کا تعلق اور خیال اللہ تعالیٰ کے تعلق اور خیال کے سوا دل میں تیرے باقی نہ رہے آگے عشق کی تعریف فرماتے ہیں کہ اے عشق شاباشی ہو تجھ کو تو شرکت کا بالکل نیست و نابود کر دینے والا ہے اور اگر اس کا پیر کامل کوئی اور مراقبہ یا شغل اس کو بتلاوے جو اس کے مناسب اس کو معلوم ہو تو وہی مراقبہ اور شغل کرے۔ لیکن خاص شغل تصور[ع] شیخ اور مراقبہ

ع تصور شیخ میں یہ ضرور ہوتا ہے کہ پیر کی صورت کا کثرت سے خیال کرنے کی وجہ سے اس کی صورت کا دھیان بندھ ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی صورت نظر آنے لگتی ہے جس سے آدمی سمجھنے لگتا ہے

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

وحدت الوجود ہے چونکہ اکثر علم والوں کو بھی ضرر ہوتا ہے اس لئے قابل ترک ہے اس کو نہ کرنا چاہیئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت کہ شراب اور جُوا حلال تھا، ان کی نسبت فرمایا ہے کہ اثمھما اکبر من نفعھما یعنی جو گناہ ان دونوں چیزوں میں ہے وہ زیادہ ہے اس نفع سے جو ان میں ہے اور اس ذکر و شغل سے جو وقت بچے اس میں کچھ نہ کچھ ذکر زبان سے دل کی توجہ کے ساتھ کرتا رہے خواہ درود شریف پڑھا کرے اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر ہے خواہ استغفار پڑھے خواہ کلمہ طیبہ خواہ اور کچھ جس میں دل لگے اور ان اوقات میں دل سے ذکر کرنے پر بس نہ کرے کیونکہ اکثر اس میں یہ دھوکا ہو جاتا ہے کہ آدمی کو یہ خیال نہیں رہتا کہ اس وقت دل میں اللہ کی یاد نہیں رہی اور اس سے بڑھ کر کبھی یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اللہ کی بھول[عہ] کو آدمی یوں سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں اللہ کی یاد میں بالکل غرق ہو گیا ہوں اور دو چیزوں سے بچنے کا ہر وقت خیال رکھے ایک یہ کہ کسی دم اللہ کی یاد دل سے دور نہ ہونے پاوے جس کی تدبیر یہ ہے کہ ہر وقت ذکر کرتا رہے، دوسرے گناہ سے بہت بچے خواہ چھوٹا گناہ ہو یا بڑا دل سے ہو یا زبان سے ہاتھ پاؤں آنکھ کان سے اللہ کی یاد نہ رہنے سے دل کا نور جاتا رہتا ہے اور گناہ سے دل کا نور بھی جاتا رہتا ہے اور اللہ سے دوری بھی ہو جاتی ہے اور یہ بڑا نقصان ہے اور اگر اتفاقاً کبھی خیال نہ رہنے کی وجہ سے یا نفس کی شرارت سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً نہایت شرمندگی اور عاجزی کے ساتھ توبہ کرے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے خاصکر بعض گناہوں سے اس راہ میں بہت ہی نقصان ہوتا ہے ایک ریا یعنی لوگوں کے دکھلانے کی نیت سے کوئی عمل کرنا۔ دوسرے تکبر

بقیہ صفحہ ۲۴ :- کہ پیر مرید کے ساتھ رہتا ہے اور اس کو خبر ہے اور وحدت الوجود کے شغل میں یہ ضرور ہے کہ آدمی مخلوقات کو عین حق سمجھنے لگتا ہے اور پھر حرام حلال میں فرق نہیں کرتا ہے ۱۲ لطف

عہ بھول کو یاد اس لئے سمجھتا ہے کہ غیر خدا کا خیال جب نہیں پاتا تو اس کو اللہ کا خیال سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ غیر کا خیال ہے نہ خدا کا بلکہ بالکل عدم خیال ہے ۱۲ لطف

یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا جب آدمی میں تکبر ہوتا ہے تو اس سے کبھی کوئی آدمی فخر کرنے لگتا ہے اور کبھی بڑائی کا گمان ہو جاتا ہے خواہ دنیوی کمال میں ہو یا دینی کمال میں۔ تیسرے زبان سے کسی کی غیبت یا شکایت کرنا یا کسی پر طعن یا اعتراض کرنا بلکہ اکثر بیکار اور بے ضرورت باتیں کرنے سے بھی دل کی نورانیت کو نقصان پہنچتا ہے اور اسی وجہ سے اس راہ میں قدم رکھنے والے کو لوگوں سے بے ضرورت میل جول نہ رکھنا چاہیئے چوتھے کسی نامحرم عورت یا لڑکے کی طرف شہوت سے نظر کرنا یا اس کا خیال دل میں لانا۔ پانچویں بیجا یا حد سے زیادہ غصہ کرنا یا بدخلقی اور سختی کے ساتھ کسی سے بات کرنا اس طرح اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں نہ رہنے کی بھی بعض قسم خاص طور پر زیادہ نقصان کی چیز ہے یہ قسم وہ ہے جو دنیا کے تعلقات کے سبب ہو یہ قسم ذکر کرنے سے بھی دور نہیں ہوتی۔ جب ذکر میں مشغول ہوگا بار بار دل اس کی طرف کھنچے گا اور اس دستور العمل میں ایک بات ضروری یہ ہے کہ جب تک اس شخص کو جس کا ذکر ہو رہا ہے کسی قدر مضبوطی کے ساتھ نسبت باطنی حاصل نہ ہو جاوے (جس کا مطلب ابھی آگے آتا ہے) اس وقت تک لوگوں کو نفع پہنچانے میں مشغول نہ ہو نہ ظاہری نفع پہنچانے میں مشغول ہو نہ باطنی نفع پہنچانے میں یعنی نہ طالب علموں کو پڑھاوے نہ عام لوگوں کو وعظ سنا دے، نہ بیماروں کا علاج کرے نہ تعویز گنڈے لکھے نہ پیری مریدی کرے بالکل ایک کونہ میں گمنام پڑا رہے ہاں اگر ان باتوں میں کسی بات کے کرنے میں بالکل مجبور ہی ہو جاوے تو اور بات ہے۔ اور علامت نسبت باطنی کے حاصل ہونے کی دو ہیں ایک یہ کہ اللہ کی یاد دل میں ایسی جم جاوے کہ کسی دم دل سے دور نہ ہو اور اللہ کی طرف زیادہ کوشش اور فکر رکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنے کی طرف، چاہے وہ احکام ایسے ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہیں اور چاہے وہ احکام جن میں بندوں

کو آپس میں معاملہ کرنے کے طریقے بتلائے ہیں اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں بات چیت کرنے کا طریقہ بتلایا ہے اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں نشست و برخاست اور تمام کاموں کا طریقہ بتلایا ہے ان سب حکموں کی طرف ایسی رغبت ہو جاوے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے اُن باتوں سے ایسی نفرت ہو جاوے جیسی کہ ان چیزوں کی طرف رغبت ہوتی ہے جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جیسی کہ ان چیزوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے جی کو بری معلوم ہوتی ہیں اور حرص دنیا کی دل سے نکل جاوے اور اس کی سب عادتیں مطابق قرآن شریف کے ہو جاویں البتہ اگر طبعی سستی کسی حکم بجالانے میں واقع ہو یا کوئی برا وسوسہ آپ ہی آپ دل میں آوے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کو یہ نہ سمجھا جاوے گا کہ شریعت کے حکموں کی رغبت اور شریعت میں جو باتیں منع ہیں ان سے نفرت پیدا نہیں ہوئی اور یہی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور فرمانبرداری حاصل ہو جانے کا ہے جس کو ہم نے علامت نسبت باطنی کے حاصل ہو جانے کی بتلایا ہے محبت الٰہی کہلاتا ہے۔ اور اگر نسبت باطنی حاصل ہو جانے کے ساتھ غیب سے بعض علم کی باتیں اور بھید کی باتیں بھی اس کے دل میں آنے لگیں تو یہ شخص عارف کہلاوے گا۔ اب بعد حاصل ہونے نسبت باطنی کے پڑھانے، وعظ کہنے کتابیں تصنیف کرنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ علم دین کی خدمت کرنا سب عبادتوں سے بڑھ کر ہے اور اگر پیر اس کو مرید کرنے اور ذکر شغل بتلانے کی بھی اجازت دیدے تو اللہ کے بندوں کو اس فائدہ کے پہنچانے میں بخیلی نہ کرے لیکن اپنے کو بڑا نہ سمجھے بلکہ خلق کا خدمت گزار اپنے کو سمجھے اور اگر پیر اجازت نہ دے تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرے اور نہ اپنی طرف سے اجازت مانگے کیونکہ یہ ہوس ہے بڑائی کی اور اگر پیر اجازت مانگنے سے اجازت بھی دے تو رعایتی اجازت کام کی نہیں بلکہ بڑا بننے سے چھوٹا رہنا بہت اچھا ہے البتہ پیر کا حکم ہو جانے کے بعد حکم نہ ماننا بھی مناسب نہیں کیونکہ اگر سب ایسا ہی کرتے تو سلسلہ ہی

درویشی کا بندہ ہو جاتا لیکن مریدوں سے امیدوارِ مال کا نہ رہے بلکہ اگر وہ کچھ نذرانہ بھی دیں تو مرید ہونے کے وقت تو بالکل قبول نہ کرے کہ یہ صورت بدلہ لینے کی سی ہے اور دوسرے وقت اگر خوشی سے اور حلال آمدنی سے موافق اپنی آمدنی کے اتنا دیں جس کے دینے سے ان کو پریشانی نہ ہو تو ایسی صورت میں ہدیہ قبول کر لینا سنت ہے۔ اور انکار کرنے میں مسلمان کی دل شکنی ہے اور اللہ کی ناشکری ہے اگرچہ وہ ہدیہ تھوڑا ہی ہو اور اگرچہ لوگوں کے سامنے دے جب بھی لینے میں عار نہ کرے کہ اس کا سبب بھی تکبر ہے یہاں تک دستور العمل مذکور تمام ہوا اور اس دستور العمل کی عبارت اس وجہ سے ذرا لمبی ہو گئی کہ اس میں گفتگو ذرا علم والوں ہی سے ہے ان کی تسلی بدون تفصیلی بیان کے نہ ہوتی اور نہ ان کو مزہ آتا ورنہ حاصل مطلب تھوڑا ہی ہے جس کو اب پھر دوبارہ اس لئے لکھے دیتا ہوں کہ اصلی مطلب کے ٹکڑے اس لمبے بیان میں بکھر گئے ہیں اس کی فہرست یہ ہے۔ تہجد۔ تہجد کے بعد بارہ تسبیح، بعد نماز فجر تلاوت قرآن شریف اور ایک منزل مناجات مقبول کے بعد ذکر اللہ اللہ کا بارہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار مرتبہ تک بعد عصر پیر کے پاس حاضر رہنا یا جنگل وغیرہ کی سیر کرنا اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کرنا، بعد مغرب کے مراقبہ موت۔ باقی جو وقت بچے اس میں درود شریف پڑھنا بلا تعداد اگر ضرورت ہو تو شغل اخذ کرنا۔ پرہیزگاری کا خیال رکھنا ذکر پابندی سے کرنا، گناہوں سے اور اللہ کی یاد نہ رہنے سے بچنا اور ان گناہوں سے خاص کر بچنا یعنی لوگوں کے دکھلانے کے لئے کوئی عمل کرنا، اپنے کو بڑا سمجھنا فخر کرنا، اپنے جی ہی جی میں اپنے کمالات پر خوش ہونا اور نفس کا پھولنا، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا، بیکار باتیں کرنا اور لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا، شہوت سے نامحرم عورت یا لڑکے کو دیکھنا یا اس کا خیال دل میں شہوت کے ساتھ لانا، بہت غصہ کرنا، کج خلقی سے ملنا، دنیوی تعلقات بڑھانا اور جو باتیں اس قسم کی ہوں ان سے بچنا اور بقیہ فہرست یہ ہے نسبت باطنی حاصل ہونے تک

وعظ اور پڑھانے وغیرہ کو ترک کرنا۔ بدون اجازت پیر کے پیری مریدی نہ کرنا اور ذکر و شغل کی تعلیم نہ کرنا اور میزان کل ان سب باتوں کا دو چیزیں ہیں ایک اللہ اور رسول کے حکموں پر چلنا دوسرے ذکر کی پابندی کرنا، گناہ سے اللہ اور رسولؐ کی تابعداری میں فرق آجاتا ہے اور یاد الٰہی نہ رہنے سے ذکر میں نقصان پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ اپنا اصلی کام ہمیشہ تابعداری اور ذکر کی پابندی کو اور گناہ سے بچنے اور اللہ کی یاد بھلانے سے بچنے کو سمجھے اگر ایک مدت تک اس کی پابندی رہے گی تو انشاء اللہ محروم نہ رہے گا اور یوں تو اول ہی سے فائدہ ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک وقت ایسا آوے گا کہ یہ بھی سمجھنے لگے گا لیکن نہ گھبراوے نہ جلدی کرے نہ سستی کرے کیونکہ فائدے کے لئے نہ کوئی مدت مقرر ہے نہ کوئی اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے البتہ اس قدر امیدوار کر سکتے ہیں ؎

اندریں رہ می خراش و می تراش — تادم آخر دمے فارغ مباش
تادم آخر دمے آخر بود — کہ عنایت باتو صاحب سر بود

یعنی اس راہ میں جو قدم رکھے اس کو چاہیئے کہ اس ادھیڑ بن میں لگا رہے مرتے دم تک ایک گھڑی بے فکر نہ بیٹھے آخر دم تک کوئی نہ کوئی وقت ایسا ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہو جاوے گی اور بیڑا پار ہو جاوے گا اور اگر ان سب باتوں کے ساتھ ابتداء میں ذرا زیادہ اور اس کے بعد کبھی کبھی پیر کی خدمت میں رہنے کا بھی اتفاق ہو جاوے تو نورٌ علیٰ نور ہے اس کے پاس رہنے میں جو فائدے ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کو دیکھ کر اس کی عادتیں اختیار کرے گا ذکر میں عبادت میں روح کو تازگی ہوگی ہمت بڑھے گی جو نیا حال ہوگا اس کے بارہ میں پوری تسلی ہو جاوے گی اور اس کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہیں جو پاس رہنے سے خود ہی معلوم ہوتے ہیں موٹی بات ہے کہ مریض کا حکیم کے پاس ہونا اور دور رہنا دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے خوب

کسی نے کہا ہے ؎

مقامِ امن ومے بے غش ورفیقِ شفیق — گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی اگر اطمینان کی جگہ اور شراب خالص محبت آلہی کی اور شفقت رکھنے والے پیر کی صحبت ہمیشہ کے لیے میسر ہوجاوے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل یعنی اللہ تعالیٰ سچی بات کا کہنے والا ہے اور راہ راست کا وہی دکھلانے والا ہے۔

ھدایت ساتویں: ذکر کرنے والے کو چاہیئے کہ جو باتیں دل کو پریشان کرنے والی ہیں ان سے بہت بچے کیونکہ اطمینان دل کا بڑی دولت ہے اور یہ باتیں بہت سی ہیں ایک اپنی بے احتیاطی سے صحت خراب کرلینا اس لیے صحت کی بہت حفاظت کرے دماغ کو تروتازہ رکھنے کی اور دل کو قوت پہنچانے کی فکر رکھے، دوا سے بھی اور غذا سے بھی۔ غذا میں نہ اتنی کمی کرے کہ ضعف اور خشکی ہوجاوے نہ اتنی زیادتی کرے کہ ہضم نہ ہو کہ اس سے بھی صحت خراب ہوجاتی ہے صحبت کی کثرت نہ کرے کہ اس سے بھی اعضاء رئیسہ خاص کر دل ودماغ کمزور ہوجاتے ہیں جب تک سچی بھوک نہ لگے کھانا نہ کھاوے اور ایک آدھ لقمہ کی خواہش باقی رہنے پر کھانا چھوڑدے اور جب تک طبیعت میں سخت تقاضا نہ ہو صحبت نہ کرے، اسی طرح سونے میں اوسط درجہ کا خیال رکھے نہ بہت زیادہ سووے کہ سستی ہوجاوے نہ بہت کمی کرے کہ خشکی ہوجاوے۔

دوسری بات دل کو پریشان کرنے والی بلاضرورت عمدہ غذاؤں کی فکر میں لگا رہنا ہے۔ تیسری بات، ہروقت اپنے بدن کی آرائش میں لگا رہنا ہے کہ اسی بارہ میں کہا گیا ہے ؎

عاقبت سازد ترا از دین بری — ایں تن آرائی وایں تن پروری

یعنی انجام اس بدن کی آرائش اور پیٹ کے پالنے ہی میں رہنے کا یہ ہوگا کہ دین رخصت ہوجاوے گا مطلب یہ کہ پورا دین نہ رہے گا۔ البتہ بالکل میلا کچیلا

رہنا بھی برا ہے کہ اس سے بھی دل میلا ہوتا ہے سادہ اور صاف رہے البتہ اگر بدون فکر کے اچھا لباس اور عمدہ غذا میسر ہو اور نفس میں کسی برائی کے پیدا ہونے کا ڈر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کام میں لاوے اور شکر بجالاوے چوتھی بات مال کی حرص اور اس کے جمع ہونے کی فکر میں لگا رہنا یا یہ کہ جو مال پاس ہے اس کو بیکار خرچ کرکے اڑا ڈالنا کہ دونوں کا نتیجہ دل کا پریشان ہونا ہے۔ حریص آدمی تو ہر وقت اسی دھن میں لگا رہے گا اور فضول خرچ مال ختم ہونے کے بعد آخر پریشانی میں مبتلا ہوگا یا پرائے مال پر نظر دوڑائے گا پانچویں بات کسی سے دوستی یا دشمنی باندھ لینا دوست اس کو گھیر کر اس کا وقت ضائع کریں گے اور دشمن اس کو ایذا پہنچا کر پریشانی میں ڈالیں گے اسی طرح اور جو باتیں پریشانی کا سبب ہوں اور خود ضروری نہ ہوں ان سب سے جہاں تک ہوسکے بہت بچتا رہے۔ البتہ اگر کوئی پریشانی اس طرح پیش آجاوے کہ اس نے کام پریشانی کا نہیں کیا تھا یا اس نے کسی شرعی ضرورت سے کیا تھا پھر اس میں کوئی پریشانی آگئی ہے مثلاً کسی سود خوار نے کوئی چیز اس کو دی اس نے لینے سے انکار کردیا وہ اس کا دشمن ہوگیا تو ایسی پریشانی سے باطن کا نقصان نہ ہوگا اگر ایسی پریشانی میں مبتلا ہوجاوے تو بے چین نہ ہو حق تعالیٰ پر نظر اور بھروسہ رکھے وہ مدد فرماوے گا اگر کچھ تکلیف بھی پہنچے تو اس میں حکمت آلہی سمجھ کر اس پر راضی رہے اس سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی اور رضامندی اور زیادہ حاصل ہوگی۔

ھدایت آٹھویں: جو باتیں اختیاری ہیں ان میں تو کمی نہ کرے اور جو باتیں اختیاری نہیں اگر وہ اچھی ہیں تو ان کے پیچھے نہ پڑے اور اگر ناگوار ہونے والی ہیں تو ان کے دور کرنے کی فکر میں نہ پڑے مثلاً نماز یا تلاوت قرآن یا ذکر کے اندر یہ تو اختیار میں ہے کہ اپنے دل کو اگرچہ زور لگا کر ہو متوجہ رکھے جس کے کئی طریقے ہیں مثلاً ایک طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کا خیال

باندھے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظوں کے معنی و مطلب کی طرف دھیان رکھے یا فقط لفظوں کی طرف خیال رکھے اس طرح کہ ہر ہر لفظ کو سوچ کر زبان سے نکالے پس اس میں تو کمی نہ کرے باقی نماز میں یا تلاوت قرآن کے وقت جی نہ لگنا یا مزہ نہ آنا یا وسوسوں اور خطروں کا کثرت سے آنا خواہ وہ کتنے ہی برے ہوں یہ بات اختیار سے باہر ہے اس کی فکر نہ کرے اپنا اختیاری کام کئے جاوے اس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ خیالات خود ہی کم ہوجاتے ہیں خاصکر وسوسوں کی طرف تو ذرا بھی توجہ نہ کرے نہ وسوسہ کے آنے سے رنج و غم کرے اس سے وسوسوں کو دونی زیادتی ہوتی ہے پھر سخت پریشانی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اس کا عمدہ علاج یہی ہے کہ اپنے ذکر وغیرہ کی طرف اپنی توجہ کو پھر تازہ کرلیا کرے اور اس وسوسہ سے بالکل بے پروائی اختیار کرلے اس سے وہ آپ ہی آپ جاتا رہے گا اور مثلاً اللہ کی فرمانبرداری اختیاری ہے اس میں سستی نہ کرے اور یہ باتیں اختیار سے باہر ہیں اچھا خواب دیکھنا، دعا قبول ہونا، ذکر کے اثر سے تڑپنے لگنا بے اختیار رونا آنا وغیرہ وغیرہ ان باتوں کے ہونے کی فکر نہ کرے یا مثلاً گناہ اختیاری ہے اس کے پاس نہ جاوے اور یہ چیزیں اختیاری نہیں برا خواب طبیعت میں تازگی نہ ہونا، رزق میں کمی ہونا ذکر میں کسی چیز کا نظر نہ آنا کوئی اثر معلوم نہ ہونا بیمار ہوجانا وغیرہ ان سے پریشان نہ ہو یا مثلاً کسی سے بے ارادہ عشق ہوجانا اختیاری نہیں اس میں کوئی گناہ اور نقصان نہیں اگرچہ تکلف ہے لیکن یہ باتیں اختیار میں ہیں اس کو دیکھنا، اس سے باتیں کرنا اس کی آواز سننا، اس کے پاس آنا جانا اس کا خیال دل میں لانا، اس کو سوچکر دل سے لذت لینا ان سے بچنا ضروری ہے اور اکثر اس تدبیر سے وہ عشق بھی کم ہوجاتا ہے اور اگر اس میں کوتاہی کرے گا گنہگار ہوگا اور دل سیاہ ہوجاویگا یا مثلاً کسی گناہ کی طرف کو مائل ہونا غیر اختیاری ہے اس کے دور کرنے کی فکر میں نہ پڑے البتہ گناہ اختیاری ہے اس سے بچے اس خواہش پر عمل نہ کرے

جو شخص غیر اختیاری چیزوں کے حاصل کرنے یا دور کرنے کی فکر میں رہتا ہے تمام عمر اس کی پریشانی میں گزرتی ہے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے انہی وجہوں سے اپنے کو مردود سمجھ لیا پھر بعض نے تو خودکشی کرلی ہے اور بعض ذکر و عبادت چھوڑ کر گناہ بے دھڑک کرنے لگے غرضکہ ان لوگوں نے ایمان کا نقصان کیا یا ایمان کے ساتھ جان کا بھی نقصان کیا کیونکہ خودکشی کرنے میں جان بھی گئی اور گنہگار بھی ہوئے یہ تو ایمان اور جان کا نقصان ہے اور ذکر و عبادت چھوڑنے اور گناہ کرنے میں ثواب سے محروم رہے اور گنہگار ہوئے یہ ایمان کا نقصان ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو باتیں غیر اختیاری ہیں ان میں جو باتیں ایسی ہیں کہ اُن کے ہونے کو جی چاہتا ہے ان کا ہونا کبھی درویشی کی راہ چلنے والے کے لئے خرابی کا سبب بھی ہوجاتا ہے مثلاً اپنے کو کامل سمجھنے لگا اور اس سے اپنے کو اوروں سے اچھا سمجھنے لگا یا کمال کا دعویٰ کرنے لگا یا اس کی وجہ سے بزرگ مشہور ہوگیا اور اس سے نقصان ہوا اسی طرح ان چیزوں کا حاصل نہ ہونا اس کے نفع کا سبب ہوجاتا ہے مثلاً اپنے کو ناکارہ حقیر سمجھنے لگا اور رہا تیں غیر اختیاری ایسی ہیں کہ ان کا ہونا آدمی کو ناگوار ہوتا ہے ان کا ہونا کبھی مفید ہوجاتا ہے مثلاً اس کے برداشت کرنے میں مشقت ہوتی ہے جو ایک طرح کا مجاہدہ ہے اور تنگی ہوتی ہے غم ہوتا ہے جس سے دل کی صفائی ہوجاتی ہے ایسی جگہوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے عَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ہونا تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اور واقع میں اس کا ہونا تمہارے حق میں برا ہوتا ہے البتہ اگر پسندیدہ باتیں از خود حاصل ہوجاویں تو نعمت الٰہی سمجھ کر شکر کرے جیسا کہ ان چیزوں کے نہ حاصل ہونے کو بھی ایک اعتبار سے جس کا ابھی بیان ہوا ہے نعمت سمجھ کر شکر کرے۔ خوب سمجھ لو

ھدایت نویں: آج کل اکثر درویشوں میں بعض رسمیں رائج ہوگئی ہیں سو بعض رسمیں تو محض خلاف شرع ہیں جیسے قبر کے گرد گھومنا یا قبر کو بوسہ دینا

یا اس پر غلاف ڈالنا یا بزرگوں کی منت ماننا یا اُن سے کچھ مانگنا اور بعض رسمیں خود جائز تھیں مگر ان کے ساتھ ناجائز باتیں مل جانے سے ناجائز ہوگئی ہیں جیسے عرس یا گانا سننا یا قل پنج آیت یا مجلس مولود شریف کی کہ عام لوگ ان باتوں کے منع کرنے یا خود نہ کرنے یا درویشی کے خلاف سمجھتے ہیں۔
ان رسموں میں جو خرابیاں ہیں اُن کو پورے طور سے احقر نے اصلاح الرسوم و حق السماع و تعلیم الدین کے حصہ پنجم و حفظ الایمان میں لکھدیا ہے اور بعض اس میں ایسی ہیں کہ اگر ان کو داخل بزرگی سمجھا جائے اور یہ سمجھا جاوے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو یہ نہایت بری بدعت ہے اور اگر اعتقاد میں کوئی خرابی نہ ہو تب بھی محض دنیا ہے جیسے عمل پڑھنا اور حلال جانوروں کا گوشت چھوڑ دینا اور بعض رسمیں اچھی ہیں اگر ان میں عقیدے کی خرابی نہ ہو مثلاً شجرہ پڑھنا کہ اس میں مقبول بندوں کے ناموں کو واسطہ دُعا میں قرار دیا جاتا ہے جس کا جواز حدیثوں سے ثابت ہے لیکن اگر شجرہ پڑھنے میں یہ سمجھا جاوے کہ ان حضرات کے نام پڑھنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ ہمارے حال پر متوجہ رہیں گے تو بالکل غلط اور بے سند عقیدہ ہے جس کی ممانعت اس آیت سے ثابت ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنی جو بات تجھکو معلوم نہ ہو اس پر عملدرآمد نہ کر اور مثلاً درویشی کی کتابوں کا دیکھنا۔ ہاں اگر کوئی ایسا عالم ہو کہ علم معقول یعنی منطق وغیرہ اور علم منقول یعنی تفسیر حدیث فقہ یہ سب اچھی طرح سے جانتا ہو اور ایسے بزرگوں کا صحبت یافتہ ہو جو علم درویشی کو خوب جانتے ہوں وہ اگر کتابیں دیکھے تو حرج نہیں ورنہ ان کا دیکھنا دین و ایمان کو برباد کرنے والا ہے اس لئے اس قسم کی کتابیں ہرگز نہ دیکھی جاویں جیسے مثنوی مولانائے روم. دیوان حافظ یا دوسرے بزرگوں کے ملفوظ یعنی جو باتیں انہوں نے بیان کیں اور مریدوں نے ان کو جمع کر کے کتاب بنالی جبکہ ان مکتوبات اور ملفوظات میں درویشی کے بھید یا جو کیفیتیں ان بزرگوں میں پیدا ہوئی تھیں ان کا بیان ہو بلکہ جن کتابوں میں ان بزرگوں کی حکایتیں ہوں ان کو بھی نہ دیکھے یہ سب

کتابیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

ھدایت دھم: چونکہ بعض آدمی مرد ہوں یا عورت مرید ہوکر بھی اپنی حالت اور عادت درست نہیں کرتے اس لئے اس کے بارہ میں بھی کچھ ضروری باتیں لکھے دیتا ہوں باقی پورے طور سے مسئلوں کا بیان دین کی کتابوں میں ہے۔

عام مردوں کو نصیحت یعنی جو عالم نہیں ہیں

عالموں سے بہت ملتے رہو اُن سے مسئلے پوچھتے رہو اگر پڑھے ہوئے ہو تو بہشتی زیور اور بہشتی گوہر یا اس کی جگہ صفائی معاملات اور مفتاح الجنۃ کو دیکھتے رہو اور اس پر عمل کرتے رہو لباس خلاف شرع مت پہنو جیسے ٹخنوں سے نیچا پائجامہ یا جیسے کوٹ پتلون یا ریشمی یا زردوزی کا کپڑا یا چار انگل سے چوڑی سچی لیس دار ٹوپی یا اتنے ہی کام کا سچا کامدار جوتا، داڑھی مت کٹاؤ اور نہ اس کو منڈواؤ البتہ ایک مٹھی سے جتنی زائد ہو اس کا اختیار ہے چاہے کٹا ڈالو چاہے رہنے دو جتنی رسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریقہ کے خلاف پھیلی ہوئی ہیں سب کو چھوڑ دو وہ رسمیں دنیا کے رنگ میں ہوں خواہ دین کے رنگ میں جیسے مولود، فاتحہ، عرس، اور شادی میں ساچق[عہ] اور برات اور مہمانداری یا نام کے لئے کھانا پکوانا اور کھلانا یا نام کے لئے دینا دلانا عقیقہ اور ختنہ اور بسم اللہ کے مکتب میں لوگوں کا جمع ہونا یہ سب ترک کر دو نہ اپنے گھر کرو نہ دوسرے کے یہاں شریک ہو یا غمی میں تیجا دسواں چالیسواں وغیرہ شب برات کا حلوہ یا محرم کو تیوہار منانا نہ خود کرو نہ دوسرے کے یہاں جاکر ان کاموں میں شریک ہو میلوں ٹھیلوں میں مت جاؤ نہ اپنے بچوں کو جانے دو اور ان کو ایسی بیہودہ باتوں کے لئے پیسے بھی مت دو جیسے کنکوا (یعنی پتنگ) آتشبازی، تصویر دار کھلونے وغیرہ زبان کو غیبت اور گالی گلوچ سے بچاؤ جماعت کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھو، کسی عورت یا لڑکے کی طرف بری

عہ جس کو [illegible] نواح میں بری کہتے ہیں۔

نگاہ سے مت دیکھو، گانا بجانا مت سنو، پیر سے ہر کام کے لئے تعویذ گنڈے مت مانگا کرو بلکہ اس سے دین کی باتیں سیکھو البتہ دعا کرانے کا مضائقہ نہیں، ایسا مت سمجھو کہ اگر نذرانہ موجود نہ ہو تو پیر کے پاس کیا جاویں یہ مت سمجھو کہ پیر کو سب خبر رہتی ہے اُن سے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے، درویشی کی کتابیں مت دیکھو اور نہ ایسی باتیں پوچھو، تقدیر کے مسئلے میں بحث مت کرو، پیر نے جو بتلا دیا وہ کئے جاؤ، رشوت اور سود مت لو رہن کی آمدنی بھی سود ہے اس سے بھی بچو اور جتنے لین دین خلاف شرع ہیں سب سے بچو، خواب پر بدون مسئلہ پوچھے عمل مت کرو اگر پیر کے پاس جاؤ اور وہ اپنے کسی کام میں لگا ہو تو اس کے کام میں حرج مت ڈالو، ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کا دل تم کو دیکھ دیکھ کر بٹ جاوے کہیں کنارے پر بیٹھ جاؤ جب وہ کام سے چھٹی پاوے اس وقت سامنے جاؤ تعلیم المطالب منگاؤ اور دیکھو تعلیم الدین کے چار حصّے اوّل کے دیکھ لو اور جزاء الاعمال بھی دیکھ لو۔

عام عورتوں کو نصیحت

شرک کی باتوں کے پاس مت جاؤ اولاد کے ہونے یا زندہ رہنے کے لئے ٹونے ٹوٹکے مت کرو۔ فال مت کھلواؤ۔ فاتحہ نیاز ولیوں کی مت کرو، بزرگوں کی منت مت مانو شب برات، محرم، عرفہ، تبارک کی روٹی، تیرہ تیزی کی گھونگھنیاں کچھ مت کرو جس سے شرع میں پردہ ہے چاہے وہ پیر ہو اور چاہے کیسا ہی نزدیک کا ناتہ دار ہو جیسے دیور، جیٹھ خالہ کا یا پھوپی کا یا ماموں کا بیٹا یا بہنوئی یا نندوئی یا منہ بولا بھائی یا منہ بولا باپ ان سب سے خوب پردہ کرو خلاف شرع لباس مت پہنو جیسے کلیوں دار پاجامہ یا ایسا کرتا کہ جس میں پیٹ پیٹھ یا کلائی یا بازو کھلے ہوں یا ایسا باریک کپڑا جس میں بدن یا سر کے بال جھلکتے ہوں یہ سب چھوڑ دو۔ لمبی آستینوں کا اور نیچا اور موٹے کپڑے کا کرتہ بناؤ

اور ایسے ہی کپڑے کا دوپٹہ ہو اور دھیان کر کے سر پر سے مت ہٹنے دو ہاں اگر گھر میں خالی عورتیں ہوں یا اپنے ماں باپ حقیقی بھائی وغیرہ کے سوا گھر میں کوئی اور نہ ہو تو اس وقت سر کھولنے میں ڈر نہیں کسی کو جھانک تاک مت دیکھو، بیاہ، شادی مونڈن، چلہ چھٹی منگنی، چوتھی وغیرہ میں کہیں مت جاؤ نہ اپنے یہاں کسی کو بلاؤ کوئی کام نام کے واسطے مت کرو کوسنے اور طعنے دینے اور غیبت سے زبان کو بچاؤ. پانچوں وقت نماز اول وقت پڑھو اور جی لگا کر تھام تھام کر پڑھو رکوع سجدہ اچھی طرح کرو ایام سے جب پاک ہو خوب خیال رکھو کسی وقت نماز ایام بند ہونے کے بعد رہ نہ جائے اگر تمہارے پاس زیور گوٹہ لچکا وغیرہ ہو تو حساب کر کے زکوٰۃ نکالو بہشتی زیور ایک کتاب ہے اس کو یا تو پڑھ لو یا سن لیا کرو اور اس پر چلا کرو، خاوند کی تابعداری کرو اس کا مال اس سے چھپا کر خرچ مت کرو گانا کبھی مت سنو اگر تم قرآن پڑھی ہوئی ہو تو روزانہ قرآن پڑھا کرو جو کتاب پڑھنے یا دیکھنے کے لئے مول لینا ہو پہلے کسی عالم کو دکھلا لو اگر وہ صحیح اور معتبر بتلا دیں تو خریدو ورنہ مت لو جہاں رسم رسوم کی مٹھائی وغیرہ تقسیم ہوتی ہو وہاں مت جاؤ۔ اور نہ بانٹنے میں شریک ہو۔

خاص ذکر وشغل کرنے والوں کو نصیحت

اوپر کی نصیحتیں دیکھ لو ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا اہتمام کرو اس سے دل میں بڑا نور پیدا ہوتا ہے اگر کوئی شخص کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو صبر کرو جلدی سے کچھ کہنے سننے مت لگو خاص کر غصہ کی حالت میں بہت سنبھلا کرو کبھی اپنے کو صاحب کمال مت سمجھو۔ جو بات زبان سے کہنا چاہو پہلے سوچ لیا کرو جب خوب اطمینان ہو جاوے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ اس میں کوئی دین یا دنیا کی ضرورت یا فائدہ ہے اس وقت زبان سے نکالو کسی برے آدمی کی بھی برائی مت کرو، نہ سنو کسی ایسے درویش پر جس پر کوئی حال درویشی کا غالب ہوا ور وہ

کوئی بات تمہارے خیال میں دین کے خلاف کرتا ہو اس پر طعن مت کرو کسی مسلمان کو اگرچہ وہ گنہ گار یا چھوٹے درجے کا ہو حقیر مت سمجھو مال وعزت کی طمع وحرص مت کرو۔ تعویذ گنڈوں کا شغل مت رکھو اس سے عام لوگ گھیرتے ہیں جہاں تک ہوسکے ذکر کرنے والوں کے ساتھ رہو اس سے دل میں نور ہمت وشوق بڑھتا ہے دنیا کا کام بہت مت بڑھاؤ بے ضرورت اور بے فائدہ لوگوں سے زیادہ مت ملو اور جب ملنا ہو تو خوش خلقی سے ملو اور جب کام ہو جاوے تو ان سے الگ ہو جاؤ خاصکر جان پہچان والوں سے بہت بچو یا تو اللہ والوں کی صحبت ڈھونڈ دیا ایسے معمولی لوگوں سے ملو جن سے جان پہچان نہ ہو ایسے لوگوں سے نقصان کم ہوتا ہے۔

اگر تمہارے دل میں کوئی کیفیت پیدا ہو یا کوئی علم عجیب آوے تو اپنے پیر کو اطلاع کرو پیر سے کسی خاص شغل کی درخواست مت کرو ذکر میں جو اثر پیدا ہو سوائے اپنے پیر کے کسی سے مت کہو اگر درویشی کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہو تو پہلے تعلیم الدین کا حصہ پنجم اور کلید مثنوی دیکھو بشرطیکہ تم علم معقول وعلم منقول دونوں خوب جانتے ہو۔ بات کو بنایا مت کرو بلکہ جب تم کو اپنی غلطی معلوم ہو جاوے فوراً اقرار کرلو ہر حالت میں اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی سے اپنی حاجت عرض کیا کرو اور دین پر قائم رہنے کی درخواست کرو والسلام فقط۔

تمام شد تسہیل قصد السبیل

ے اس کے کہ وہ سب باتیں دین کے موافق کرتا ہو ۱۲ لطف

قصد السبیل کا ضمیمہ

درویشی کی راہ کا حاصل

(۱) نہ اس میں کشف کا ہونا ضروری ہے (کشف اس کو کہتے ہیں کہ جو چیز اور لوگ نہیں دیکھتے ہیں وہ دل میں صفائی ہونے کی وجہ سے دل کی آنکھوں سے نظر آجاوے یا جو چیز ابھی واقع نہیں ہوئی ہے آئندہ ہونے والی ہے وہ معلوم ہو جاوے) نہ کرامت کا ہونا ضروری ہے (کرامت اس کو کہتے ہیں کہ درویش سے ایسے کام ہوں جو اور لوگ نہیں کرسکتے ہیں کشف وکرامت کسی ولی سے ہوتا ہے اور کسی سے بالکل نہیں ہوتا۔

(۲) اگر کوئی شخص کسی بزرگ کا مرید ہو تو پیر اس کا ذمہ دار نہیں ہو جاتا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے ضرور بخشوائے گا۔

(۳) پیر کی طرف سے مرید سے اس کا کبھی وعدہ نہیں ہوتا کہ تمہاری دنیا کے جو کام اٹکیں گے پیر صاحب تعویذ گنڈے کرکے ان کاموں کو بنا دیں گے یا جو مقدمے ہونگے وہ پیر کی دعا سے ضرور فتح ہو جایا کریں گے یا مرید ہونے سے روزگار میں ترقی ہو جایا کرے گی یا اگر کوئی بیماری ہوئی تو جھاڑ پھونک سے جاتی رہے گی نہ اس کا وعدہ ہے کہ جو بات ہونے والی ہوگی پہلے ہی سے بتلا دی جاوے گی کہ اس طرح ہونے والی ہے۔

(۴) نہ پیر کے لئے اس بات کا ہونا ضروری ہے کہ اس کی توجہ میں ایسا اثر ہو کہ مرید کی حالت خود بخود درست ہو مرید کو کچھ کرنا ہی نہ پڑے گناہ کا خیال ہی نہ آوے خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں مرید کو زیادہ ارادہ ہی نہ کرنا پڑے یا علم دین وقرآن پڑھنے میں ذہن وحافظہ بڑھ جاوے۔

(۵) نہ ایسی باطنی کیفیتیں پیدا ہونے کے لئے کوئی وقت مقرر ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے مست رہے عبادت میں خیالات ہی نہ آویں خوب رونا

آدسے ایسی بے خودی ہو جاوے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے (بلکہ ہو سکتا ہے کہ بالکل کوئی کیفیت ہی پیدا نہ ہو۔

۶۔ نہ ذکر و شغل کرنے میں نور کا نظر آنا یا کوئی آواز سنائی دینا ضروری ہے۔

۷۔ نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا دیکھنا یا جو باتیں دل میں آویں جس کو الہام کہتے ہیں ان کا اسی طرح سے ہو جانا ضروری ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے لیکن شریعت کے حکم دو طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں جو بدن کے متعلق جیسے نماز کے احکام، روزہ کے احکام، حج کے احکام زکوٰۃ کے احکام اور جیسے نکاح کے احکام، طلاق کے احکام، میاں کے حقوق بی بی پر، بی بی کے حقوق میاں پر ان کے احکام اور قسم کے احکام، قسم کے کفارہ کے احکام، آپس میں لین دین کرنے کے احکام، مقدموں میں پیروی کرنے کے احکام، گواہی دینے کے احکام وصیت کرنے کے احکام، مردہ جو مال چھوڑے اس کے تقسیم کرنے کے احکام اور جیسے سلام کرنے کے احکام آپس میں بات چیت کرنے کے احکام کھانا کھانے کے متعلق احکام سونے اٹھنے بیٹھنے کے متعلق احکام، کسی کے یہاں مہمان ہو کر جانے کے احکام، اگر اپنے یہاں کوئی مہمان آوے اس کی مہمانداری کے احکام اور جو شریعت میں اسی قسم کے حکم ہیں یہ سب احکام تو ہاتھ پیر زبان سے بجالائے جاتے ہیں اور ان حکموں کے مسئلوں کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعض شریعت کے ایسے حکم ہیں جو دل سے متعلق ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا، خدا سے ڈرنا خدا کو یاد رکھنا (اور کسی دم نہ بھولنا) دنیا سے محبت کم ہونا خدا کی طرف سے جو کچھ ہو اس پر راضی رہنا، حرص اور لالچ نہ کرنا، عبادت کرتے وقت اپنی عبادت کی طرف دھیان رکھنا، دین کے کام کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کرنا کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھنا، اپنے کو اچھا نہ سمجھنا غصہ کو روکنا اور جو اسی قسم کے شریعت میں حکم ہیں یہ سب احکام دل سے بجالائے جاتے ہیں اور ان

باتوں کے حاصل کرنے کا نام سلوک ہے اور جس طرح ان حکموں پر عمل کرنا فرض و واجب ہے جو بدن سے کئے جاتے ہیں اسی طرح ان حکموں پر بھی عمل کرنا فرض و واجب ہے جو دل سے متعلق ہیں اور دل کی خرابیوں سے اکثر ان احکام میں بھی خرابی آجاتی ہے جو بدن کے متعلق ہیں جیسے خدا کی محبت کم ہونے سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی رکوع کر لیا یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا اپنے کو بڑا سمجھنے اور زیادہ غصہ ہونے سے کسی پر ظلم ہوگیا کسی کا حق ادا نہ کیا۔ اسی طرح اور باتوں کو سمجھ لو اور اگر ان ظاہری حکموں کے بجالانے میں کسی نے احتیاط بھی کی اور اچھی طرح ادا کیا تب بھی جب تک دل کی درستی نہیں ہوتی یہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی اس لئے دل کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے تو نفس کی سرکشی سے اس پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل[1] تلاش کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر بتلاتا ہے اور ان کا علاج اور تدبیر بھی بتلاتا ہے اور اس غرض سے کہ نفس میں درستی کا مادہ پیدا ہو جاوے اور علاج کرنا دل کی بیماریوں کا آسان ہو جاوے اور جو تدبیر علاج کی بتلائی جاوے ان میں اثر اور قوت پیدا ہو جاوے یعنی وہ تدبیریں اپنا اثر جلدی کریں ان امور کی غرض سے کچھ ذکر و شغل بھی بتلاتا ہے اور ویسے ذکر خود بھی عبادت ہے پس درویشی کی راہ چلنے والے کو دو کام کرنا پڑتے ہیں ایک تو ضروری اور وہ شریعت کے دونوں قسم کے احکام کی پابندی ہے وہ احکام بھی جو بدن سے متعلق ہیں اور وہ بھی جو دل سے متعلق ہیں اور دوسرا مستحب اور وہ کثرت ذکر ہے ان احکام کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور نزدیکی حاصل ہوتی ہے اور کثرت سے ذکر کرنے سے زیادہ رضامندی اور زیادہ نزدیکی حاصل ہوتی ہے یہ خلاصہ ہے درویشی کی راہ کا اور درویشی کے مقصود کا۔

[1] پیر کامل کی پہچان اس کتاب کی ہدایت دیکھ لی جاوے ۱۲ منہ

درویشی کی راہ کے حقوق[1]

مُرید ہوکر یہ کام کرنا پڑیں گے

۱۔ بہشتی زیور کے گیارہ[2] حصے اول سے آخر تک ایک ایک حرف کر کے پڑھنے یا سُننے پڑیں گے (۲) اپنی سب حالتیں بہشتی زیور کے موافق رکھنا پڑیں گی (۳) جو کام کرنا ہو اور اس کا جائز و ناجائز ہونا معلوم نہ ہو کرنے سے پہلے سچے عالموں سے پوچھنا پڑے گا اور ان کے بتلانے کے موافق عمل کرنا ہوگا (۴) نماز پانچوں وقت جماعت[3] سے پڑھنا ہوگی البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو تو جماعت معاف ہے اور اگر بلا عذر غفلت سے رہ جاوے ندامت کے ساتھ معافی مانگنا چاہیے (۵) اگر مال بقدر زکوٰۃ ہو تو زکوٰۃ دینا ہوگی مسائل اس کے بہشتی زیور میں ملیں گے اسی طرح کھیت اور باغ کی پیداوار میں دسواں حصہ دینا ہوگا اس کے مسائل زبانی معلوم کر لیے جاویں (۶) اگر حج کی گنجائش ہو تو حج کرنا پڑے گا اسی طرح گنجائش کی صورت میں عید کو صدقہ فطرا اور بقرعید کو قربانی ضرور ہوگی (۷) اپنی بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے ہوں گے ان کا یہ بھی دینی حق ہے کہ ان کو ہمیشہ شرع کے احکام بتلاتے رہو آسان طریقہ اس کا پڑھے ہوئے کے لئے یہ ہے کہ رات دن میں تھوڑا سا کوئی وقت مقرر کر کے بہشتی زیور اول سے آخر تک اپنے گھر والوں کو پڑھ کر سنا دیں اور سمجھا دیں اور جب وہ ختم ہو جاوے پھر شروع کر دیں جب تک ان کو مسائل خوب اچھی طرح یاد نہ ہو جاویں سناتے رہیں اور ان پڑھ ایسا کریں کہ جو بات دین کی کسی عالم

[1] یہ حقوق سب مسلمانوں کے ذمہ واجب ہیں گو کسی سے بیعت بھی نہ ہو ۱۲ [2] البتہ عورتوں کے لیے گیارہواں حصہ نہیں ہے ۱۲ [3] مگر عورتوں کے لیے جماعت نہیں ہے۔

سے سنا کریں اس کو یاد کر کے گھر والوں سے ضرور کہہ دیا کریں۔

اور یہ کام چھوڑنا پڑینگے

ڈاڑھی منڈانا۔ ڈاڑھی کٹانا جبکہ چار انگل سے زائد نہ ہو۔ ڈاڑھی چڑھانا سر میں چاند کھلوانا کھڈی رکھانا یا آگے سے منڈوانا۔ ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا یا کرتا چوغہ ٹخنوں سے نیچا لٹکانا یا عمامہ کا شملہ آدھی کمر سے نیچے چھوڑنا یا کسم و زعفران[1] کا رنگا ہوا یا ناپاک رنگ کا رنگا ہوا کپڑا پہننا یا ریشمی یا زری[2] کا لباس چار انگل سے زیادہ پہننا یا لڑکوں کو پہنانا یا کفار کا سا لباس پہننا یا مردوں کو چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال سے زائد یا سونے[3] کی انگوٹھی پہننا یا عورتوں کو کھڑا جوتا یا مردانہ لباس پہنانا یا باجہ دار زیور پہننا یا ایسا کپڑا باریک یا چھوٹا پہننا جس میں بدن کھلا رہے کسی عورت یا بے ڈاڑھی والے لڑکے کو بری نگاہ سے دیکھنا یا عورتوں لڑکوں سے زیادہ میل جول رکھنا مرد کو کسی نامحرم عورت کے پاس یا عورت کو کسی نامحرم مرد کے پاس بیٹھنا یا تنہا مکان میں رہنا یا بدون سخت مجبوری کے سامنے آجانا اگرچہ وہ پیری ہوں یا رشتہ دار ہوں اور جہاں سخت مجبوری ہو وہاں سر اور بازو اور کلائی اور پنڈلی اور گلا کھولنا نامحرم مرد کے سامنے حرام ہے منہ کے سامنے گھونگھٹ رہنا بہتر ہے اور عمدہ پوشاک اور زیور سے تو سامنے آنا بالکل ہی برا ہے اسی طرح نامحرم مرد و عورت کا باہم ہنسنا بولنا ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا یہ سب چھوڑ دینا چاہیے ختنہ یا عقیقہ یا شادی میں جمع ہونا یا برات میں جانا البتہ عین نکاح کے وقت پاس پاس کے مردوں کا جمع کر لینا مضائقہ نہیں یا کوئی فخر و نمود کا کام کرنا جیسے آج کل رسم و رواج کا کھانا کھلانا لینا دینا ہوتا ہے اسی میں نوتہ بھی آگیا اس کو بھی چھوڑنا چاہیے اسی طرح فضول خرچی کرنا کپڑے میں بہت تکلف کرنا کہ یہ بھی فخر و نمود میں داخل ہے مُردہ پر چلا کر رونا اس کا نتیجہ دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ کرنا دور دور سے عرصہ عرصہ تک میت کے پیچھے آنا بدون شرع کے موافق تقسیم کیے ہوئے مردے کے کپڑے خیرات کر دینا لڑکیوں کا حصہ نہ دینا

[1] تا [3] یہ پانچوں باتیں عورتوں اور لڑکیوں کے واسطے درست ہیں ۱۲ منہ

اہل حکومت و ریاست کا غربا پر ظلم کرنا جھوٹی نالش کرنا موروثی کا دعویٰ کرنا رہن
یا رشوت کی آمدنی کھانا تصویر بنانا یا رکھنا یا براہِ شوق کتے پالنا یا کنکوے و
آتشبازی یا کبوتر بازی و مرغ بازی وغیرہ کا شغل کرنا یا بچوں کو اجازت اور پیسے دینا
گانا سننا باجے سے یا بے باجے اسی میں گراموفون بھی داخل ہے عرسوں میں جانا
بزرگوں کی منت ماننا، فاتحہ نیاز گیارہویں وغیرہ رواج کے طور پر کرنا رواج کے
موافق مولود شریف کرنا تبرکات کی زیارت کے لئے عرس کا سا انتظام کرنا یا اس
وقت مردوں عورتوں کا خلط یا سامنا ہونا، شب برات کا حلوا پکانا یا محرم کو
تہوار منانا یا رمضان میں ختم قرآن پر شیرینی ضرور کر کے بانٹنا یا ٹوٹکے کرنا یا
ستیلا وغیرہ کو ماننا یا فال وغیرہ کھلوانا کسی نجومی یا آسیب سے کوئی بات پوچھنا
غیبت کرنا چغلی کھانا جھوٹ بولنا۔ تجارت میں دغا کرنا بدون سخت مجبوری کے
ناجائز نوکری کرنا یا ناجائز نوکری میں کام خراب کرنا عورت کا خاوند کے سامنے
زبان درازی کرنا یا اس کا مال بلا اجازت خرچ کرنا بلا اجازت کہیں جانا اور حافظوں
کا مردوں پر قرآن پڑھ کر یا تراویح میں قرآن سنا کر کچھ لینا یا مولویوں کو وعظ پر
یا مسئلہ بتلانے پر اجرت لینا یا بحث و مباحثہ میں پڑنا یا درویش وضع لوگوں کو پیر
مریدی کی ہوس کرنا یا تعویذ گنڈوں کا مشغلہ رکھنا یہ ہے مختصر فہرست کرنے نہ کرنے
کے کاموں کی اور تفصیل حقر کے رسالوں میں بقدر ضرورت ملے گی فقط

چند مفید باتیں منقول کتاب ضیاء القلوب سے

جس کو حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی نے تصنیف فرمایا ہے
درویشی کی راہ پر چلنے والے کو چاہیئے کہ شریعت میں جن باتوں کا حکم ہے ان سب کی
پابندی کرے اور جو باتیں شریعت میں منع ہیں ان سب سے بچنے کو اپنی ضروری عادات

کر لیوے اور ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کا اہتمام رکھے اور جن
باتوں کی ممانعت کھلی ہوئی ہے اُن سے بھی اور جن باتوں کے منع ہونے کا شبہ ہے ان سے
بھی بچتا رہے اور اگر اتفاقاً کوئی گناہ ہو گیا تو جلدی اس سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے
اپنے گناہ کی معافی مانگ کر اور نیک کام کر کے کمی کو پورا کرے اور دوسرے وقت پر نہ
اٹھا رکھے اور پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھے اور جو باتیں فرض یا
واجب یا سنت ہیں ان کو ادا کر کے باقی اوقات کو اپنے دل کی درستی میں گزارے اور کثرت
سے نفلیں اور وظیفے پڑھنے میں نہ پڑے بلکہ دل کی درستی کو اپنا فرض دائمی جانے
(یہ شروع شروع کی حالت میں ہے پھر جب باطن کی درستی کامل ہو جاوے شیخ کامل سے
مشورہ لے کر اور اگر شیخ موجود نہ ہو اپنی سمجھ سے کام لے کر نوافل وغیرہ کی کثرت کرے
(مترجم) اور کبھی غفلت نہ ہونے پاوے اگر ذوق شوق اپنے باطن میں پاوے اللہ کا
شکر بجا لاوے اور تھوڑے کو بہت سمجھے اور ہر کام کو اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے اور
کشف و کرامات سے لذت نہ لیوے بلکہ بیزار رہے اور دل سے چاہے کہ نہ ہو تو اچھا ہے)
اور حالت بسط میں شکر کرے اور شریعت نے جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان کا خیال رکھے
اور جب قبض ہو تنگ دل اور نا امید نہ ہو اور کام میں لگا رہے اور سب عبادتوں
میں اپنے اوپر گمان بد کر کے کوتاہی کرنے والا جانے اور اپنے باطنی حال کو جاہل سے نہ کہے
اور درویشی کی باتیں علانیہ نہ بیان کرے اور جو شخص ان باتوں کے سننے کے لائق
نہ ہو اس سے کبھی بیان نہ کرے اور جو لائق اس کے ہو اس سے تنہائی میں بیان کرے
اور اپنے وقتوں کا انتظام رکھے اور اپنی طبیعت کے رنگ بدلنے سے دور رہے اور دنیا
کو اور جو کچھ دنیا میں ہے سب کو دل سے چھوڑ دے ورنہ ہزار برس تک ذکر و شغل کرنا
بھی کام نہ آویگا دل آئینہ ہے غیر خدا کے عکس پڑنے سے بچانے اور عزت اور رتبہ کی
خواہش سے کہ گمراہی ہے پناہ مانگے اور وقت کو غنیمت جانے اور غفلت میں ضائع
نہ کرے کہ وقت جا کر پھر لوٹ نہیں سکتا اور اس راہ میں قدم جوانمردوں کی طرح
رکھے اور ادھر ادھر کا غم اور خوشی الگ کرے کہ یہ راہ درویشی میں اللہ سے روکنے والا

ہے اور نا جنس خلاف شرع سے اور اسی طرح جو درویشوں کا منکر ہو اس سے نیز بدعتی سے دُور دُور رہے اور ایسے درویش سے کہ جو سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو دُور رہے اگرچہ اس سے کرامتیں اور ایسی ایسی باتیں ہوتی ہوں جو اور لوگ نہیں کر سکتے اور اگرچہ آسمان پر اڑتا ہو۔ لوگوں سے ضرورت کے موافق ملے اور ہر اچھے بُرے کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آوے اور لوگوں سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ برتاؤ کرے اور عاجزی کو اپنا لباس بنالے اور کسی پر اعتراض نہ کرے اور بات نرمی کے ساتھ کرے اور سکوت اور تنہائی کو دوست رکھے اور اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے اور پریشانی کو دل میں نہ آنے دے اور جو بات پیش آوے اللہ کی طرف سے جانے اور ہمیشہ دل کی نگہبانی رکھے تاکہ خیال غیر خدا کا نہ آنے پاوے اور دین کے کاموں میں نفع پہنچانا اپنے ذمہ ضروری جانے اور ہر کام کرنے سے پہلے اپنی نیت پاک کرے پھر وہ کام کرے اور کھانے پینے میں اوسط درجہ کا خیال رکھے نہ اس قدر زیادتی کرے کہ سستی پیدا ہو نہ اتنی کمی کرے کہ بسبب ضعف کے عبادت سے رہ جاوے اسی طرح ہر کام میں کمی زیادتی سے بچے اور اگر نفس کو تر لقمہ دیا جاوے تو اس سے کام بھی لیا جاوے اور بہتر تو یہ ہے کہ کھانا اپنی کمائی کا ہو اور اگر توکل کرے تو بھی اچھا اور مناسب ہے بشرطیکہ اس کے کہ کسی سے امیدوار نہ رہے اور دل کو غیر اللہ کے تعلق سے پاک رکھے اور کسی سے امید اور خوف حق تعالیٰ کے سوا نہ رکھے اور غیر خدا سے دلچسپی نہ کرے اور خدا تعالیٰ کی تلاش میں بے چین رہے بدون اس کے نہ آرام ہو نہ راحت اور جس جگہ رہے خدا کی نعمت پر تھوڑی ہو یا زیادہ شکر کرے اور محتاجگی اور فاقہ اور ہاتھ خالی رہنے اور روزی کم ہونے سے پریشان نہ ہو بلکہ اس میں اپنی عزت اور فخر جانے اور یہ سمجھ کر شکر بجا لاوے کہ یہ درجہ نبیوں اور ولیوں کا ہے جو کہ مجھ کو عنایت فرمایا ہے اور اپنے تعلق والوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرے اور ان کی خطاؤں سے درگذر کرے اور عذر ان کا قبول کرے اور لوگوں کی بدگوئی سے پرہیز کرے اور عیب آدمیوں کے چھپاوے اور اپنا عیب پیش نظر رکھے اور سب مسلمانوں کو اپنے سے اچھا جانے

اور کسی سے بحث و تکرار نہ کرے اگرچہ اپنی ہی بات ٹھیک ہو اور مہمانداری اور مسافر کی خدمت گذاری اپنا پیشہ بنالے اور غریبوں اور مسکینوں کی صحبت پسند کرے اور عالموں اور نیک لوگوں کی خدمت کرنے کو اپنی عزت جانے اور جو کچھ میسّر آوے اس کے موقعہ پر خرچ کرے تاکہ باطنی نقصان نہ پہنچے اور دل کا لگاؤ کسی چیز کے ساتھ نہ رکھے اور اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر سمجھے اور غریبوں کا سا لباس دل سے پسند کرے اور جتنا کپڑا یا کھانا ملے اس پر قناعت کرے اور دوسروں کے نفع کو اپنے نفع پر مقدم سمجھے اور بھوک و پیاس کو کہ خدائی غذا ہے دل سے پسند کرے اور کم ہنسے اور بہت روئے اور اللہ کے عذاب اور اس کی بے نیازی سے ڈرتا اور کانپتا رہے اور موت کو جو کہ غیر خدا کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے والی ہے ہر وقت اپنے سامنے رکھے اور دوزخ سے کہ جدائی کی جگہ ہے پناہ مانگے اور بہشت کو کہ وصال کی جگہ ہے طلب کرے اور محاسبہ کو اپنے ذمہ لازم کرلے اور دن کا محاسبہ بعد مغرب اور رات کا محاسبہ بعد صبح کے کیا کرے اور محاسبہ اس کو کہتے ہیں کہ اس کا حساب کرے کہ رات دن میں مجھ سے کتنی نیکیاں اور کتنی بدیاں ہوئی ہیں نیکی پر شکر کرے اور بدی پر توبہ کرے اور اللہ سے معافی مانگے اور سچ بولنا اور حلال مال کھانا اپنی وضع بنالے اور کھیل کود کی محفل میں جو کہ خلاف شرع ہو حاضر نہ ہو اور جہالت کی رسموں سے پرہیز کرے اور دوستی و دشمنی خفگی رضامندی جو کچھ ہو اللہ ہی کے لئے ہو اور کسی پر دست درازی نہ کرے اور لالچ نہ کرے، شرم والا، کم بولنے والا، کم رنجیدہ ہونے والا صلح پسند اللہ کی فرمانبرداری کرنے والا نیکی کرنے والا۔ نیک چلن چھچھوری باتوں سے بچنے والا، برداشت کرنے والا رہے بس یہ ہیں علامت نیک خصلت کی اور اچھی صفتیں اور یہ بھی چاہیئے کہ جو شخص ان سب باتوں کو حاصل کرے ان پر مغرور نہ ہو اور اپنے اوپر نیک گمان نہ کرے اور یہ بھی چاہیئے کہ اولیاء اللہ کے مزاروں [illegible] زیارت سے مشرف ہوتا رہے اور جب دل فارغ ہو اس وقت ان کی قبروں

کے پاس بیٹھ کر ان کی روح کی طرف توجہ کرے اور ان کی روحانیت کو اپنے مرشد کی صورت میں خیال کرکے فیض حاصل کرے اور برکت لیوے (یہ فیض لینا خاص لوگوں کے لیے ہے عام نہیں ۱۲ مترجم) اور کبھی کبھی عام مسلمانوں کی قبروں پر جاکر اپنی موت یاد کرے اور فاتحہ پڑھ کر ان کو ثواب بخشے اور اپنے مرشد کے حکم کو اور اس کے ادب کو بجائے اللہ تعالیٰ اور رسول ؐ کے حکم اور ادب کے جانے اس لیے کہ یہ حضرات اللہ و رسول ؐ کے نائب ہیں (بجائے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی برابر بلکہ مطلب یہ ہے کہ مرشد کی شان کے لائق اس کے احکام مشروع ہیں چون و چرا نہ کرے اور اس کا دل نہ دکھاوے ۱۲ مترجم)

ملفوظ در تسہیل طریق سلوک ملقب بہ

السلسبیل لعابری السبیل

من مقالات شریفہ حضرت اشرف العلماء حکیم الامۃ مجدد الملت قطب الارشاد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہٗ

ضبط کردہ احقر خواجہ عزیز الحسن عفی عنہ

مرقومہ ۷ محرم ۱۳۴۵ھ

عرض کیا گیا کہ حضرت جو فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مامور بہا سب اختیاری ہیں، اور اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں تو یہ تو بظاہر بہت معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے پھر طریق میں اہمیت ہی کیا رہی فرمایا کہ ہے تو یہ معمولی اور موٹی بات لیکن لوگوں کی اس کی جانب التفات نہیں حالانکہ اسی پر دار و مدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا عرض کیا گیا کہ جب آدمی باوجود کوشش کے اپنی اصلاح سے عاجز

ہوجاتا ہے تب ہی تو اس کی تدبیر اور معالجہ پوچھتا ہے تو اس سے بھی یہی کہہ دینا کہ ہمت اور اختیار سے کام لو کیونکر کافی ہوسکتا ہے کیونکہ ہمت اور استعمال اختیار کی اسے توفیق ہی نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ استعمال پر قادر ہے یا نہیں ضرور قادر ہے ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے جب استعمال اختیار پر قادر ہے تو ہمت کرکے اختیار کا استعمال کرے جب اختیار کا استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے ناکامیابی کی کوئی صورت ہی نہیں البتہ دشواری اور کلفت ضرور ہے۔ عرض کیا گیا کہ واقعی قدرت اور اختیار کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جب دشواری اور کلفت کی وجہ سے اس کے استعمال ہی کی نوبت نہ آئی تو وہ اختیار مفید ہی کیا ہوا کیونکہ نتیجہ تو وہی ہوا جو عدم اختیار کی صورت میں ہوتا یعنی عدم صدور اعمال۔ فرمایا کہ جب علاج پوچھا جائے گا تب تو وہی بتایا جائے گا جو درحقیقت علاج ہے۔ رہی خود اس علاج کے استعمال کی دشواری سو جب اس کے متعلق سوال کیا جاوے گا اس وقت اس کا جواب دیا جاویگا عرض کیا گیا کہ اب سوال کیا جاتا ہے اس استفسار پر فرمایا کہ اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں البتہ اس استعمال اختیار میں کلفت اور دشواری ضرور ہوتی ہے سو اس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر بہ تکلف اور بہ جبر کام لینا ہے رفتہ رفتہ وہ کلفت مبدل بہ سہولت ہوجائے گی ساری ریاضت اور سارے مجاہدے ہی اس لیے رکھے گئے جاتے ہیں کہ اختیار ادا امر اور اجتناب نواہی میں سہولت پیدا ہوجائے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ خلوص اور ہمت بس یہ دو چیزیں ماحصل ہیں سارے تصوف کا اور ساری پیری مریدی کا کیونکہ اگر ہمت نہ ہوگی تو عمل ہی نہ ہوگا اور اگر خلوص نہ ہوا تو عمل ناقص ہوگا اگر ان دو چیزوں کو جمع کرلیا جائے تو پھر شیخ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ بھی بس انہیں دو چیزوں کی تعلیم کرتا ہے دفع کلفت اور تحصیل سہولت کا [illegible] فرمایا کہ بہ تکلف ہمت اور اختیار سے کام لینا ہے رفتہ رفتہ سہولت ہونے

لگے گی اس کے ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ ہر کام شروع میں مشکل ہوتا ہے مگر کرتے کرتے مشق ہوجاتی ہے اور پھر نہایت سہولت کے ساتھ ہونے لگتا ہے جیسے سبق شروع میں دشوار ہوتا ہے مگر رٹتے رٹتے یاد ہوجاتا ہے اگر شروع کی کلفت اور تعب کو دیکھ کر ہمت ہار دی تو پھر کوئی صورت ہی کامیابی کی نہیں اور اگر برداشت کرلی تو چند روز کے بعد دیکھے گا کہ سہولت کے ساتھ وہ عمل ہونے لگے گا۔

ع ۔ چند روزے جہد کن باقی بخند

جب حضرت یہ بیان فرما رہے تھے کہ اخلاص و ہمت خلاصہ ہیں تصوف کا تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا اخلاص بھی اختیاری ہے فرمایا اور ختیاری کیوں نہ ہوتا کیا گھی کا خالص رکھنا اختیار میں نہیں اس میں چربی نہ ملائے تیل نہ ملائے پس وہ گھی بقول عوام (ظرافت کے لہجے میں) نخالص ہے یعنی خالص ہے اور عبادت کے خالص رکھنے ہی کو اخلاص کہتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ شیخ کی دعا و برکت کو بھی بہت بڑا دخل ہے اصلاح میں فرمایا کہ برکت کا انکار نہیں مگر اس کا درجہ بھی تو متعین کرنا چاہیئے اس کا مرتبہ صرف ایسا ہے جیسا عرق سونف کا مرتبہ مسہل میں کہ اس سے اعانت ضروری ہوتی ہے مسہل میں مگر کیا محض عرق سونف بغیر مسہل کے کارآمد ہو سکتا ہے اور مسہل کا کام دے سکتا ہے ہرگز نہیں۔ عرض کیا گیا کہ اس کا تو مشاہدہ ہے کہ شیخ کی دعا و توجہ کی برکت سے بہت کچھ تغیر ذہنی حالت میں محسوس ہونے لگتا ہے فرمایا کہ مسہل میں ادھر عرق سونف پیا ادھر دھڑا دھڑ دست آنے شروع ہوگئے تو کیا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اکیلا عرق سونف کافی ہوگیا ہے حضرت نری دعا و برکت سے کچھ نہیں ہوتا جب تک خود اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی صاحب برکت ہو سکتا ہے نہ مقبول الدعوات حضرت کے چچا ابو طالب کیسے جاں نثار اور عاشق زار تھے، حضور نے دعا بھی دل و جان سے کی کہ وہ مسلمان ہوجائیں اصرار بھی فرمایا مگر چونکہ

خود انھوں نے نہ چاہا ایمان نصیب نہ ہوا بالکل طبیب اور مریض کی سی مثال ہے اگر مریض دوا نہ پیئے تو کیا محض طبیب کی شفقت اور توجہ سے مریض اچھا ہوجائے گا صحت تو اس کے نسخہ ہی سے ہوگی اسی طرح اگر بچہ سبق یاد نہ کرے تو سبق کیسے یاد ہوجائے گا محض استاد کی توجہ سے تو سبق یاد نہیں ہو سکتا وہ تو یاد کرنے ہی سے یاد ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ شیخ کی برکت سے توفیق ہوجاتی ہے فرمایا کہ یہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں کہ برکت معین ضرور ہے مگر کافی نہیں اس کا دخل دخل اعانت ہے دخل کفایت نہیں یہاں تک کہ محض شیخ کی برکت تو ہرگز کافی نہیں ہو سکتی مگر یہ ہو سکتا ہے کہ محض ہمت اور استعمال اختیاری کافی ہوجائے میں تو ان باتوں کو علی الاعلان کہتا ہوں خواہ مخواہ میں اپنے متعلقین کو مقید بنانا نہیں چاہتا اگر کوئی شخص اپنی اصلاح خود کر سکے تو چشم ما روشن دل ما شاد خوشی کا مقام ہے کیونکہ ہمارا بوجھ ہلکا ہوا عرض کیا گیا کہ یہ تقریر کہیں اس کے تو خلاف نہ ہوجائے گی ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

فرمایا کہ خلاف کیوں ہوتی یہ تو اور ہماری مؤید ہے آگاہ عشق فرمایا ہے یعنی بلا شیخ کے آگاہ نہ ہوگا علم کا درجہ حاصل نہ ہوگا سو اس سے ہمیں کب انکار ہے شیخ راہ بتائے گا اگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ گھسیٹ کر لے چلے گا۔ اندھے کو سوانکھا راہ بتاتا ہے گود میں تو اٹھا کر نہیں لے جاتا راستہ تو قطع خود اس کے چلنے ہی سے ہوگا راستہ بتانا تو بیشک شیخ کا کام ہے۔ لیکن اس کا قطع کرنا تو سب ہی کے ذمہ ہے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ اس جگہ حضرت کا ایک پرانا ملفوظ یاد آگیا ایک صاحب کو بہت مفصل طور پر راہ سلوک کی حقیقت بیان فرما کر فرمایا کہ الحمد للہ میں تو طالب کو ایک جلسہ میں خدا تک پہنچا دیتا ہوں کیونکہ مقصود کی حقیقت بتلا دینا گویا مقصود ہی تک پہنچا دینا ہے اگر کوئی راستہ بتادے

اور دکھائے کہ دیکھو وہ چراغ جل رہا ہے تو یہ اس کو گویا چراغ ہی تک پہنچا دیتا ہے اب صرف راستہ ہی چلنا باقی رہ جاتا ہے سو یہ طالب کے اختیار میں ہے قدم اٹھاتا چلا جائے مقصود تک پہنچ جائے گا۔

اختیار کے متعلق استفسار پر فرمایا کہ اختیار تو بدیہیات بلکہ محسوسات میں سے ہے اور بدیہیات ومحسوس کے لئے دلائل کی حاجت نہیں ہوا کرتی اختیار کا ہونا تو اتنا ظاہر ہے کہ انسان تو انسان جانوروں تک کو اس کا ادراک ہے دیکھئے اگر کسی کتے کو لکڑی سے مارا جائے تو وہ مارنے والے پر حملہ کرتا ہے نہ کہ لکڑی پر۔ اس کو بھی یہ امتیاز ہوتا ہے کہ کون مختار ہے کون مجبور۔ ہر شخص اپنے وجدان کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ جب وہ کوئی ناشائستہ حرکت کرتا ہے تو اس کو خجالت ہوتی ہے اگر وہ اپنے کو مجبور سمجھتا تو پھر خجلت، کیوں ہوتی خجلت تو اپنے اختیاری فعل ہی پر ہو سکتی ہے لہذا یہ یقینی ہے کہ انسان مختار ہے اور یہ مسئلہ اختیار اس قدر ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے اندر صفت اختیار کو وجداناً اور طبعاً محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ جو جبری ہیں وہ بھی قولاً جبری ہیں وجداناً وہ بھی اختیار کے قائل ہیں کسی کو اس سے مجال انکار نہیں پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی کنہ اور حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ معلوم ہو سکتی ہے مگر کسی شئے کی حقیقت معلوم نہ ہونے سے اس کے وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا ضیاء اور روشنی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں لیکن اس کا وجود بالکل واضح اور مشاہد ہے کیا اس کے وجود کا کوئی انکار کر سکتا ہے حضرت مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے نہایت سادہ اور سہل عنوان سے اس مسئلہ جبر و اختیار کو بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں ؎

زاری ما شد دلیل اضطرار　　　　خجلت ما شد دلیل اختیار

اگر اضطرار نہیں تو یہ زاری کیوں ہے اور اگر اختیار نہیں تو اپنے کیے پر شرمساری کیوں ہے غرض نہ خالص جبر ہے نہ خالص اختیار ہے اختیار خالص

نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ماتحت ہے اختیار حق کے مستقل اختیار نہیں ہے، بہر حال انسان میں صفت اختیار کا ہونا قطعی ہے جب یہ ہے تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی صفت اختیار کا استعمال کرنا چاہیئے جب تک یہ نہ کرے گا اصلاح ممکن ہی نہ ہو گی مثلاً کسی میں بخل ہے تو کیا نرے ذکر وشغل یا شیخ کی دعا و توجہ اور برکت سے یہ رذیلہ زائل ہو سکتا ہے ہرگز نہیں یہ رذیلہ تو نفس کی مقاومت ہی سے زائل ہو گا البتہ ذکر وشغل وغیرہ معین ضرور ہو جائیں گے مگر کافی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ العزیز جا بجا اپنے مکتوبات میں یہی فرماتے ہیں ؎

کار کن کار بگذار از گفتار　　　　کاندریں راہ کار باید کار

کام ہی کرنے سے کام چلتا ہے نری تمناؤں یا نری دُعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا عرض کیا گیا کہ بعض بزرگوں کی توجہ سے تو بڑے بڑے بدکاروں کی خود بخود اصلاح ہو گئی ہے۔ فرمایا کہ یہ ایک قسم کا تصرف ہے اور ایسا تصرف نہ اختیاری ہے نہ بزرگی کے لئے لازم بہت سے بزرگوں میں تصرف بالکل بھی نہیں ہوتا اور پھر نیز تصرف کے اثر کو اکثر بقا بھی نہیں ہوتی کچھ دن بعد پھر ویسے کے ویسے ہی بخلاف اس اثر کے جو کہ ہمت اور اعمال کے واسطے سے ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے، توجہ کے اثر کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص تنور کے پاس بیٹھ گیا تو جب تک وہاں بیٹھا ہوا ہے تمام بدن گرم ہے مگر جیسے ہی وہاں سے ہٹا پھر ٹھنڈے کا ٹھنڈا اور اعمال کے ذریعہ سے جو اثر ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ جیسے کسی نے کشتہ طلاء کھا کر اپنے اندر حرارت عزیزیہ پیدا کر لی تو وہ اگر شملہ پہاڑ بھی چلا جائے گا تب بھی وہ حرارت بدستور باقی رہے گی اور اصل نفع وہی ہے جو باقی رہے۔ غرض نری دعا و توجہ پر بیٹھے رہنا اور خود اپنی اصلاح نہ کرنا محض خیال خام ہے۔

پھر ان شبہات کے پیش کرنے پر مزاحاً فرمایا کہ میں تو گویا یہ طب اکبر لوگوں

کے لئے پیش کر رہا ہوں مگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کے ورقوں پر کاغذ چپکا چپکا کر اس کے مضامین کو چھپائے رکھیں۔ عرض کیا گیا کہ جبلت تو کسی کی بدل سکتی نہیں پھر جبلی صفات رذیلہ کی اصلاح کیونکر اختیار میں ہو سکتی ہے فرمایا کہ تعجب ہے کہ آپ کو ابھی تک یہ شبہات ہیں یہ تو فرمایئے کہ مادہ جبلی ہوتا ہے یا فعل بھی جبلی ہوتا ہے یہ تو مانا کہ مادہ اختیار میں نہیں ہے مگر فعل تو اختیار میں ہے وہ تو جبلی نہیں مادہ بیشک زائل نہیں ہوتا مگر اس کے مقتضا پر عمل کرنا نہ کرنا یہ تو اختیار میں ہے اور اسی کا انسان مکلف ہے اور بار بار اس مقتضا کی مخالفت کرنے سے وہ مادہ بھی ضعیف ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ بڑے کام کی باتیں ہیں اور دراصل تعلیم کے لائق یہی باتیں ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ آج کل ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہیں نہ علماء کے یہاں مشائخ کے یہاں، تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے اسی وجہ سے مدت سے اس کی حقیقت مستور چلی آتی تھی مگر الحمد للہ اس وقت ایسا وضوح ہو گیا ہے کہ کوئی خفا اور التباس کسی قسم کا اس میں باقی نہیں رہا مجھے تو بحمد للہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ یا خلجان نہیں نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر تجویز کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو۔ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ اس وضوح کو اس زمانہ میں غنیمت سمجھ کر اس کی قدر کرنی چاہیئے اور اس سے منتفع ہونا چاہیئے۔ جامع عرض کرتا ہے کہ ایک زمانہ میں حضرت نے طریق اصلاح کا خلاصہ ایک طالب کو جنہوں نے اپنے اندر صدہا عیوب کا ہونا بیان کیا تھا اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر کی تھی صرف استحضار اور ہمت تجویز کیا تھا اور اس سے ان کو بہت نفع ہوا تھا۔ اس تجویز کا اور اس تقریر کا حاصل ایک ہی ہے دونوں ایک ہی معنوں کے عنوان ہیں اخلاص اور ہمت میں بھی اصل چیز ہمت ہے کیونکہ اخلاص پیدا کرنے کے لئے بھی ہمت ہی کی ضرورت ہوگی اور ہمت کا معین استحضار ہے اور

استحضار کی صورتیں مختلف ہیں جو صورت شیخ تجویز کر دے اُس پر عمل کرے مثلاً ہر کوتاہی پر دس یا کم و بیش نفل بطور جرمانہ ادا کرنا تاکہ جب دوسرا موقع کوتاہی کا پیش آئے جرمانہ کے خوف سے استحضار کی کیفیت پیدا ہو جائے اور جب استحضار اور ہمت کا اہتمام رکھے گا انشاء اللہ تعالیٰ کوتاہیوں سے محفوظ رہے گا اور رفتہ رفتہ پوری اصلاح ہو جائے گی۔ طالب مذکور کے لئے علاوہ جرمانۂ مذکورہ کے میں نے ہر روز مطالعہ نزہتہ البساتین بھی تجویز کیا تھا جس میں ایک ہزار حکایات اولیاء اللہ کی درج ہیں اُن سے بھی علاوہ برکت کے بہت کچھ قوت استحضار اور ہمت کو پہنچتی ہے۔

نیز جامع عرض کرتا ہے کہ احقر نے حضرت کی اس تجویز پر استحضار و ہمت کو بوجہ غایت نافع ہونے کے ایک شعر میں محفوظ کر لیا تھا وھو ھذا ؎

جو گر حضرت نے فرمایا ہے استحضار و ہمت کا
سراسر نسخۂ اکسیر ہے اصلاحِ امت کا

پس اب اتمام حجت ہو چکا وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ٥

تسہیل[ع] رسالہ الیم فی السم طریق سلوک کے بیان میں

یہ ایک خط کا جواب ہے جس میں ایک صاحب نے یہ پوچھا تھا کہ کوئی ایسا وظیفہ بتلا دیا جائے جس سے خود بخود نیک کام کثرت سے ہونے لگیں کہ اس کی ضرورت نہ رہے کہ نفس پر جبر کیا جائے ایسے ہی گناہ ہونے سے نفس خود بخود بچنے لگے یعنی اس کی ضرورت نہ رہے کہ اس کو روک ٹوک کی جائے۔ اس خط کا جواب یہاں سے حسب ذیل دیا گیا کہ نیکی کرنا اور گناہ کرنا یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو بندہ کے اختیار میں ہیں ان میں وظیفہ کو کچھ بھی دخل نہیں وظیفہ ایسی جگہ کام دیتا ہے جہاں بندہ

[ع] از مولوی عمر احمد صاحب تھانوی سلمہٗ ۱۲

کے اپنے اختیار کو کوئی دخل نہ ہو رہا وظیفہ کے علاوہ اور کوئی طریقہ سو ایسی باتوں میں جس میں بندہ کے اپنے اختیار کو دخل ہو اس کے سوا اور کچھ طریقہ نہیں کہ اپنے اختیار سے کام لے البتہ اپنے اختیار کو آسانی سے کام میں لانے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ کچھ مجاہدہ کرے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے نفس کے خلاف پر عمل کرے اگر مثلاً نفس یہ کہتا ہے کہ فلاں کے پاس جانا چاہیئے تو نفس کی مخالفت کرکے وہاں نہ جائے۔

اس مجاہدہ پر ہمیشہ عمل کرتے رہنے سے کچھ دنوں بعد آہستہ آہستہ اپنے اختیار پر عمل کرنے کی صلاحیت، اور اس میں آسانی اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے یہی حاصل ہے تمام سلوک کا میں نے اس جگہ تمام فن سلوک لکھ دیا ہے۔

نوٹ: جب مرید میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور آسانی کے ساتھ اپنے اختیار سے عمل پر قادر ہو جاتا ہے تو اس کے بعد شیخ کے صرف دو کام باقی رہ جاتے ہیں، (۱) بعض نفس کے امراض جیسے تکبر، عجب، ریا، حرص وغیرہ کا تشخیص کرنا کہ اس شخص میں یہ عیب ہے اور (۲) دوسرے ان امراض کے علاج کے واسطے کچھ مجاہدوں کے طریقے تجویز کرنا جن سے یہ امراض اور عیوب جاتے رہیں؛ واللہ اعلم

تسہیل رسالہ الطم فی السم[ع]

اصلاح کی حقیقت کے بیان میں

جو ایک صاحب کو بطور خط کے لکھا گیا تھا تمام اصلاح کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کاموں کے پیچھے نہ پڑے جو اس کے اختیار اور قبضہ میں نہ ہوں اور ایسے کاموں میں سستی نہ کرے جو اس کے اختیار اور قبضہ میں ہوں بلکہ اپنی ہمت سے کام لے اور اگر ہمت کے باوجود پھر بھی کچھ کوتاہی ہو جائے تو حق تعالیٰ سے معافی چاہے اور آئندہ کے لئے توبہ کرے اور یہ دعا کرے کہ اے اللہ مجھے اس کمی کو پورا کرنے کی توفیق دے اسی کا نام اصلاح ہے۔ فقط

ع از مولوی عمر احمد صاحب تھانوی ۱۲ ع یہ رسالہ رسالہ سابق کا ضمیمہ ہے۔

بعض آداب شیخ از رسالہ آداب الشیخ والمرید

(۱) شیخ کے لئے یہ شرط ہے کہ مرید کو آزاد نہ چھوڑے کہ جہاں چاہے جائے بلکہ جب گھر سے نکلے تو اجازت لے کر نکلے اور جس کام کے لئے جائے شیخ کی اجازت سے جائے۔

شرط (۲) شیخ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو ہر لغزش پر جو اس سے صادر ہو تنبیہ و زجر و توبیخ کرے اور اس میں عفو و مسامحت کو راہ نہ دے اور اگر عفو[ع] سے کام لیا تو اس نے مقام (شیخوخت) کا حق ادا نہ کیا جس پر وہ قائم ہے بلکہ وہ ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت و عظمت پر قائم نہیں۔

شرط (۳) منجملہ شرائط شیخ کے ایک یہ بھی ہے کہ مرید سے عہد لے کہ وہ شیخ سے کوئی خطرہ قلبی یا حال باطنی پوشیدہ نہ رکھے گا اور جب طبیب جڑی بوٹیوں کی صورت و خواص سے واقف نہ ہو اور ترکیب ادویہ کو نہ جانتا ہو تو وہ مریض کے لئے مہلک ہے اس لئے کہ خواص کا علم بغیر صورت پہچاننے کے کافی نہیں دیکھئے اگر کوئی دوا فروش (عطار) مریض کا دشمن ہو اور اس کو ہلاک کرنا چاہتا ہو طبیب اس کے لئے حسب تجویز دوا طلب کرے مگر وہ دوا کی صورت و حقیقت کو پہچانتا نہیں اگر اس وقت عطار اس کو کوئی ایسی چیز دیدے جس سے مریض ہلاک ہو جائے اور طبیب بوجہ ناواقفیت کے وہی دوا مریض کو پلادے اور مریض ہلاک ہو جاوے تو اس کا گناہ عطار اور طبیب دونوں کی گردن پر ہوگا کیونکہ طبیب کا فرض تھا کہ وہ کوئی چیز ایسی نہ پلائے جس کی حقیقت و صورت کو نہ جانتا ہو ایسے شیخ جب کہ صاحب ذوق نہ ہو اور طریق کو محض کتب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سن سنا کر حاصل کیا اور وجاہت و

ع عفو سے مراد عدم مواخذہ ہے۔

ریاست کے لئے مریدوں کی اصلاح وتربیت کرنے بیٹھ گیا تو وہ مُرید کے لئے مہلک ہے اس لئے کہ وہ طالب سالک کے مصدر ومورد اور تغیر حالات کو نہیں سمجھتا اس لئے ضروری ہے کہ شیخ کو انبیاء علیہم السلام کا دین اور اطباء کی تدبیر اور بادشاہوں کی سیاست حاصل ہو اس وقت اس کو استاد کہا جا سکتا ہے اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی مُرید کو بغیر امتحان وآزمائش کے قبول نہ کرے۔

شرط (۴) اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مُرید کے سانس اور حرکت کا محاسبہ کرے اور جتنا اس کو مطیع ومتبع دیکھے اس پر اس معاملہ میں تنگی کرے کیونکہ یہ راستہ ہی شدت کا ہے اس میں نرمی کو دخل نہیں کیونکہ رخصتیں تو عوام کے لئے ہیں اس لئے کہ وہ تو صرف اس پر قناعت کرتے ہیں کہ ان پر اسلام وایمان کا نام آجائے اور صرف ان چیزوں کو ادا کرتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں اور جو شخص اعلیٰ درجہ[عے] کو اور عوام کے مرتبہ سے زیادتی کو طلب کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں سختیاں برداشت کرے۔

شرط (۵) اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ شیخوخت (پیری) کی جگہ پر اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک اس کو کوئی شیخ (پیر) اس جگہ پر خود نہ بٹھلائے یا حق تبارک وتعالیٰ خود اس پر الہام فرما دیں اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہی معاملہ ہو کہ بلا واسطہ شیخ کے تربیت کی جاتی[عـه] ہو۔

شرط (۶) منجملہ شرائط شیخ کے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کلام کرے اور اس کے مقابلہ میں کوئی جھگڑا کرنے والا کھڑا ہو جائے تو اپنے کلام کو قطع کرے اور جب

عے یہ اس زمانہ کے طالبین کی حالت تھی اب تو فرائض کی مشقت کو بھی جو کہ معتدبہ مشقت بھی نہیں برداشت نہیں کرتے اس میں بھی شیخ کی سیاست کو گراں سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے فرائض کو صرف ظاہری ارکان اسلام میں اور ان میں بھی صرف صورت کے درجہ میں منحصر سمجھ رکھا ہے ۱۲۔ عـه حضرت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ اس میں شرط یہ ہے کہ اس زمانہ کے مشائخ طریقت اس کو قبول کرلیں ۱۲

تم کسی شیخ کو دیکھو کہ وہ مُرید کو آزاد چھوڑے ہوئے ہے اور مرید اس کے مقابلہ (یعنی مخاطبہ میں ادلہ شرعیہ یا عقلیہ سے استدلال کرتا ہے اور شیخ اس کو زجر وتوبیخ نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ تربیت میں خیانت کر رہا ہے اور شیخ کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ جب وہ کسی مرید کو دیکھے کہ وہ نظریات میں اپنی عقل کا استعمال کرتا ہے اور شیخ نے جو کچھ اس کو بتلایا ہے اس میں شیخ کی رائے کی طرف رجوع نہیں کرتا چاہیئے کہ اس کو اپنی مجلس یا خانقاہ سے نکال دے اس لئے کہ وہ دوسرے مریدوں کو بھی خراب کردے گا اور خود کوئی فلاح نہ پائے گا اس لئے کہ مریدین تو بس اللہ والے ہیں یعنی دلہنوں اور حوروں کی طرح اپنے خیموں میں مقصود ہیں ہر منظر ومجلس سے اپنی نظر بچانے والے سوا اس منظر کے جس کی طرف ان کا شیخ ان کو لے جا رہا ہے اور شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ جب یہ سمجھے کہ کسی مرید کے قلب میں سے اس کی حرمت اور بڑائی نکل گئی تو اس کو اپنی سیاست کے ذریعہ سے اپنے گھر سے نکال دے کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے ؎

احذر عدوك مرة	واحذر صديقك الف مرة
اپنے دشمن سے ایک مرتبہ ڈر	اور دوست سے ہزار مرتبہ ڈر

اس لئے بسا اوقات دوست منقلب ہو کر دشمن بن جاتا ہے تو وہ نقصان پہنچانے کے راستہ زیادہ جانتا ہے اور ایسے شخص کے لئے ظواہر شریعت اور عام طریق عبادت کا اشتغال واجب ہے اور ایسے مرید کے درمیان اور اپنے تمام متعلقین اولاد واعزہ کے درمیان دروازہ آمد ورفت ومیل ملاقات بند رکھے کیونکہ مرید کے لئے کوئی چیز اس شخص کی صحبت سے زیادہ مضر نہیں جو طریق کا قائل یا پابند نہ ہو (جیسا کہ یہ بدرہ کردہ مرید ہو گیا)

شرط (۷) اور شیخ کے آداب لازمہ میں سے یہ بھی ہے کہ جب مرید اس سے کوئی اپنا خواب بیان کرے یا کوئی کشف ومشاہدہ جو پیش آیا ہو ظاہر کرے تو اس کی حقیقت اس کے سامنے ہرگز ظاہر نہ کرے لیکن اس کو ایسے اعمال بتلادے

جس سے اس کی مضرت وحجاب دفع ہو جائے (یہ اس وقت ہے جب کہ خواب وکشف کسی امر مضر کے متعلق ہو) یا اس کو اس سے اعلیٰ حال کی طرف متوجہ کر دے (اور یہ اس وقت ہے جب کہ خواب اور کشف سے کوئی امر مفید ثابت ہو) اور غرض اس کی یہ ہے کہ مرید کو اپنے اس حال سے بڑائی پیدا نہ ہو جائے (نیز تاکہ تفتیش کیفیات کی اس کو عادت نہ ہو جائے جو کہ مضر طریق ہے) اور جب شیخ مرید کے خواب یا کشف وغیرہ (کی حقیقت) پر کلام کرے تو اس کے حق میں برائی کرے گا کیونکہ مرید کے قلب سے اسی قدر شیخ کی حرمت کم ہو جائے گی جس قدر اس سے کلام میں بے تکلفی کرے گا اور جس قدر حرمت کم ہو گی اسی قدر اس کے اتباع سے انکار پیدا ہو گا اور جب اتباع اور اخذ تربیت سے انکار پیدا ہو گا تو عمل بھی جاتا رہے گا اور جب عمل نہ رہے گا (حق تعالیٰ اور اس کے درمیان حجاب حائل ہو کر مردود ہو جائے گا اور طریق سے نکل جائے گا پھر اس کی مثال کتے کی سی ہو جائے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے اس سے عافیت طلب کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ آمین

شرط (۸) اور شیخ کی شرائط آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو کسی کے پاس نہ بیٹھنے دے سوائے ان برادران طریقت کے جو اس کے ساتھ اس کام میں اسی شیخ کے زیر حکم جمع ہیں (اور اس کو ہدایت کرے کہ وہ نہ کسی سے ملنے جائے اور نہ اس کے پاس کوئی ملنے کے لئے آئے اور کسی سے اچھا یا برا کلام نہ کرے اور جو کچھ اس کو حال پیش آئے یا کرامت ظاہر ہو تو اپنے برادران طریقت میں بھی کسی سے بیان نہ کرے اور اگر شیخ مرید کو ان افعال میں سے کسی فعل کے کرنے پر آزاد چھوڑ دے تو اس کے حق میں برائی کرتا ہے۔

شرط (۹) شیخ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے ہر مرید کے لئے ایک

ع اور چونکہ اس حقیقت پہ کلام کرنا غیر ضروری تھا غیر ضروری کلام سے بے تکلفی بڑھ جاتی ہے ۱۲

گوشۂ تنہائی مقرر کردے جو اس کے لئے مخصوص ہو دوسرا کوئی اس میں نہ جا سکے اور شیخ کو چاہیے کہ مُریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے اور جو شیخ اس میں مسامحت کرے وہ مریدین کے حق میں بُرا کرتا ہے۔

بعضے آداب از آداب المعاشرت

ادب ۱۔ جب کسی کے انتظار میں بیٹھنا ہو ایسے موقعہ پر اور اس طور سے مت بیٹھو کہ اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا انتظار کر رہے ہو اس سے خواہ مخواہ اس کا دل مشوش ہو جاتا ہے اور اس کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے بلکہ اس سے دور اور نگاہ سے پوشیدہ ہو کر بیٹھو۔

ادب ۲۔ بعضے آدمی صاف بات نہیں کہتے تکلف کے کنایات کے استعمال کو ادب سمجھتے ہیں اس لئے بعض اوقات مخاطب نہیں سمجھتا یا غلط سمجھتا ہے جس سے فی الحال یا فی المآل پریشانی ہوتی ہے بات بہت واضح کہنا چاہیئے۔

ادب ۳۔ بعضے آدمی بلا ضرورت دوسرے شخص کی پشت کے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں اس سے دل الجھتا ہے۔

ادب ۴۔ بعض اوقات بعض خدمت دوسرے سے لینا پسند نہیں ہوتا سو ایسی خدمت پر اصرار نہ کرنا چاہیئے کہ خود مخدوم کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ بات اس مخدوم کی صریح ممانعت یا قرائن سے معلوم ہو جاتی ہے۔

ادب ۵۔ مشغول آدمی کے پاس بیٹھ کر اس کو مت تکو کہ اس سے دل بٹتا ہے اور دل پر بوجھ معلوم ہوتا ہے بلکہ خود اس کی طرف متوجہ ہو کر بھی مت بیٹھو۔

ادب ۶۔ کسی کا خط جس کے تم مکتوب الیہ نہ ہو مت دیکھو نہ حاضرانہ جیسے بعضے آدمی لکھتے ہیں دیکھے جاتے ہیں اور نہ غائبانہ۔

ادب ۷۔ ہدیہ کے آداب میں یہ ہے کہ اگر کچھ درخواست کرنی ہو تو ہدیہ نہ دے

اس میں مہدی الیہ کو یا مجبور ہونا پڑتا ہے یا ذلیل۔

ادب ۸۔ خواہ مخواہ بیٹھ کے پیچھے بیٹھنا سخت بار معلوم ہوتا ہے تعظیم کے لیے ہر نشست و برخاست کے موقع پر اکثر باوجود ضرورت اٹھنے سے مانع ہوتا ہے نہیں چاہیئے۔

ادب ۹۔ وظیفہ پڑھتے وقت خاص طور سے قریب بیٹھ کر انتظار کرنا قلب کو متعلق کر کے وظیفہ کو مخل کرتا ہے البتہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہے تو کچھ حرج نہیں۔

ادب ۱۰۔ بات ہمیشہ صاف اور بے تکلف کہدیا کرے تکلف کی تمہید وغیرہ نہ کرے۔

ادب ۱۱۔ کوئی اپنا بزرگ کسی کام کی فرمائش کرے تو اس کو انجام دے کر اطلاع بھی دینا چاہیئے تاکہ اس بزرگ کو انتظار سے انتشار نہ ہو۔

ادب ۱۲۔ اگر کسی سے ملنے جاؤ وہاں اتنا مت بیٹھو یا اس سے اتنی دیر باتیں مت کرو کہ وہ تنگ ہو جائے۔ یا اس کے کسی کام میں حرج ہونے لگے۔

ادب ۱۳۔ جب تم سے کوئی کام کو کہے تو اس کو سن کر ہاں نہیں ضرور زبان سے کچھ کہدیا کرو کہ کہنے والے کا دل ایک طرف ہو جاوے نہیں تو ایسا نہ ہو کہ کہنے والا تو سمجھے کہ اس نے سن لیا ہے اور تم نے سنا نہ ہو یا وہ سمجھے کہ تم یہ کام کرو گے اور تم کو کرنا منظور نہ ہو تو ناحق دوسرا آدمی بھروسہ میں رہا۔

ادب ۱۴۔ کسی کے گھر میں مہمان جاؤ تو اس سے کسی چیز کی فرمائش مت کرو بعض دفعہ چیز ہوتی ہے بے حقیقت مگر وقت کی بات ہے گھر والا اس کو پوری نہیں کر سکتا ناحق اس کو شرمندگی ہوگی۔

ادب ۱۵۔ جہاں اور آدمی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر تھوکو مت ناک مت صاف کرو اگر ضرورت ہو تو ایک کنارے جا کر فراغت کر آؤ۔

ادب ۱۶ کھانا کھانے میں ایسی چیزوں کا نام مت لو جس سے سننے والوں کو گھن پیدا ہو بعضے نازک مزاجوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

ادب ۱۷۔ بیمار کے سامنے یا اس کے گھر والوں کے سامنے ایسی باتیں مت کرو جس سے زندگی کی نا امیدی پائی جائے ناحق دل ٹوٹے گا بلکہ تسلی کی باتیں کرو کہ انشاءاللہ تعالیٰ سب دکھ جاتا رہے گا۔

ادب ۱۸۔ اگر کسی کی پوشیدہ بات کرنی ہو اور وہ بھی اس جگہ موجود ہو تو آنکھ سے یا ہاتھ سے اُدھر اشارہ مت کرو ناحق اس کو شبہ ہوگا اور یہ جب ہے کہ شرع سے اس بات کا کرنا درست بھی ہو اور اگر درست نہ ہوا تو ایسی بات بھی کرنا گناہ ہوگا۔

ادب ۱۹۔ بدن اور کپڑے میں بدبو پیدا نہ ہونے دو اگر دھوبی کے گھر کے دھلے ہوئے کپڑے نہ ہوں تو بدن ہی کے کپڑوں کو دھو ڈالو۔

ادب ۲۰۔ آدمیوں کے بیٹھے ہوئے جھاڑو مت دلواؤ

ادب ۲۱۔ مہمان کو چاہیے کہ اگر پیٹ بھر جاوے تو تھوڑا سالن روٹی دسترخوان میں ضرور چھوڑ دے تاکہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہو گیا اس سے وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔

ادب ۲۲۔ راہ میں چارپائی یا پیڑھی یا اور کوئی برتن اینٹ وغیرہ مت ڈالو۔

ادب ۲۳۔ بچوں کو ہنسی میں اچھالو مت اور کسی کھڑکی وغیرہ سے مت لٹکاؤ شاید گر پڑیں۔

ادب ۲۴۔ پردہ کی جگہ کسی کے پھوڑا پھنسی ہو تو اس سے مت پوچھو کہ کہاں ہے

ادب ۲۵۔ گٹھلی چھلکا کسی آدمی کے اوپر سے مت پھینکو۔

ادب ۲۵۔ کسی کو کوئی چیز ہاتھ میں دینا ہو تو دور سے مت پھینکو کہ وہ ہاتھ میں لے لے گا۔

ادب ۲۶۔ جس سے بے تکلفی نہ ہو اس سے ملاقات میں اس کے گھر کا حال مت پوچھو۔

ادب ۲۷۔ کسی کے غم یا پریشانی یا دکھ بیماری کی کوئی خبر سنو تو قبل پختہ تحقیق کے

کسی سے نہ کہو خصوصاً اس کے عزیزوں سے۔

ادب ۲۹۔ دسترخوان پر سالن کی ضرورت ہو تو کھانے والے کے سامنے سے مت اٹھاؤ۔ دوسرے برتن میں لے آؤ۔

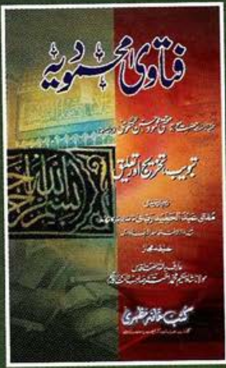
ادب ۳۰ لڑکوں کے سامنے کوئی بے شرمی کی بات مت کہو۔

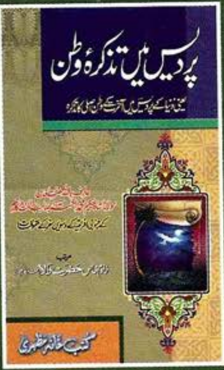
ادب ۳۱۔ جس شخص کی نسبت تم کو قرائن سے متیقن یا مظنون ہو کہ تمہارے کہنے کو ہرگز نہ ٹالے گا۔ اس سے کسی ایسی چیز کی فرمائش نہ کرو جو شرعاً واجب نہیں

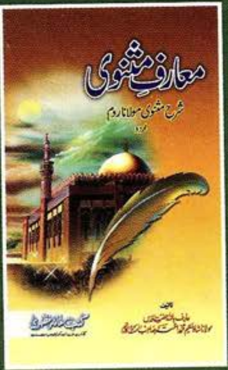
ادب ۳۲۔ اگر کسی شخص پر قصداً ناخوش ہونا پڑے یا اتفاقاً ایسا ہو جاوے تو دوسرے وقت اس کا دل خوش کر دو اگر تم سے واقعی زیادتی ہو گئی ہے تو بے تکلف اس سے معذرت کرکے اپنی زیادتی کی معافی مانگ لو عار مت کرو قیامت میں وہ اور تم برابر ہو گے۔

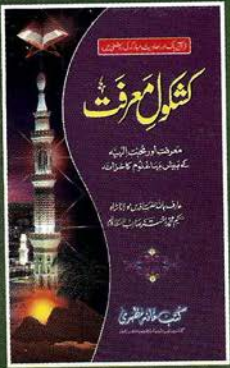
تمت بالخیر

مواعظِ ثلثہ









حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

COMET CREATIONS : 2767275